U3430 P - Delta-10-Kog

Title - BAHARISTAN (Part-1&2)

Creator - Zafar Ali Khan.

Publisher - Urdu Academy Punjab (Lahore).

Date - 1937.

Pages - 828.

Subjects - Urdu Shayari - Kulliyaat-e-Dawaween

بہارستان

ظفر علی خان

سلطان الشعرا ظفر الملت والدین حضرت علامہ ظفر علی خاں صاحب

کے

(۴۰)
پالیس سالہ کلام کا مجموعہ

بہارستان

حصہ اوّل و دوم

جسکو

منیجر دارالاشاعت بہارستان گجرات

فہرست

ک

ص

بہارستان

حصّہ اوّل

[illegible]

قارئین کرام توجہ فرمائیں

مولانا ظفر علی خان مدیر روزنامہ "زمیندار" کا بحیثیت اردو کلام ہر مسلم نوجوان کیلئے آب حیات کا حکم رکھتا ہے۔ لہٰذا ہر ایک کا فرض ہے کہ اسے خود پڑھے اور حق کا پسندیدہ دکھاتی ہے اثرات —

افسوس ہے کہ کاتب نے لفظ افسوسناک کتابت کی اغلاط کر کے بہت سارا لطف کرکرا کر دیا ہے — مولانا کے بیٹے نے کلام کی طباعت اور اشاعت کا اہتمام ایک دوسرے مطبع کے سپرد کیا ہے جو بلحاظ عمدہ اور دیدہ زیب ہوگا — اگر کوئی صاحب پسند فرمائیں تو دوبارہ طبع ہونے والے کلام کا ایک نسخہ لائبریری میں [illegible] سکتے ہیں

— ✻ —

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریب

چکیدۂ کلکِ حسان الہند علامۃ الطاف حسین صاحب حالی نوراللہ مرقدہٗ

اے مالکِ قصرِ زمیندار — اے نازشِ قوم و فخرِ اقراں
اے رونقِ رواں جمعِ احباب — اے چشم و چراغِ بزمِ اخواں
اے دین کے امتحاں میں جانباز — اے نصرتِ حق میں تیغِ عریاں
اے صدق و صفا کی زندہ تصویر — اے شیر دل اے ظفر علی خاں
قدرت نے بھرے تھے تجھ میں جو گن — جب تک تھے رہے نظر سے پنہاں
فوقیت و برتری پہ تیری — قائم کوئی ہو نہ سکی برہاں
پر وقت کی تاک میں برابر — ہمت تیری گن رہی تھی گھڑیاں
بلقان و طرابلس میں ناگاہ — اٹھا ستم و جفا کا طوفاں
ہمدردی اہلِ دیں نے آخر — جوہر ترے کر دیئے نمایاں

جمعیت و صبر کا سراسر — دامن ہوا چاک تا گریباں
پہلے وہ بشکل سیل آتش — دل میں تھے جو شرر تھے پنہاں
ڈالا نیزی پکار نے غُل — جی اُٹھے وہ مُردے جو تھے بیجاں
جو دل غم قوم سے تھے بےحس — چلنے لگی اُن دلوں پہ چھُریاں
وہ بن گئے آپ اپنے رہزن — جو مال کے اپنے تھے نگہباں
اسلام کی سمجھے اب صداقت — جو نام کے تھے فقط مسلماں
ہاں اس میں نہیں مبالغہ کچھ — سنتا بھی ہے اے ظفر علی خاں
نازاں ہے وہ درسگاہ تجھ پر — تعلیم پہ جسکی تو ہے نازاں
کاش ایسے جنے سدا وہ فرزند — جو قوم کے درد کے ہوں درماں
سوز غم دین حق سے جن کے — سینے ہوں کباب دل ہوں بریاں
جو ملک و وطن کے ہوں فدائی — جو قوم کے نام پہ ہوں قرباں
مشرق میں ہو اُن کا دل سے بیچین — مغرب میں سنیں جو برنج اخواں
پنجاب کو تجھ پہ ہو اگر فخر — ہے اسکو یہ فخر و ناز شایاں

زندہ ہے وہ ملک اور ملت
ہوں زندہ دل ایسے جس میں انساں

رب العالمین

بنائے اپنی حکمت سے زمین و آسماں تو نے
دکھائے اپنی قدرت کے ہمیں کیا کیا نشاں تو نے

تری صنعت کے سانچے میں ڈھلا ہے پیکر ہستی
سمویا اپنے ہاتھوں سے مزاج جسم و جاں تو نے

نہیں موقوف خلاقی تری اس ایک دنیا پر
کئے ہیں ایسے ایسے سینکڑوں پیدا جہاں تو نے

ترے ادراک میں ہے عقل حیراں اور سرگرداں
ہمیں حلیہ میں ڈالا بخش کر وہم و گماں تو نے

بہار عارض گل سے لگا کر آگ گلشن میں
طیور صبح خواں کو کر دیا آتش بجاں تو نے

جوانی میں جسے بخشی دل آرائی و رعنائی
بڑھاپے میں اسی عارض پہ ڈالیں جھریاں تو نے

کسی کو تا کہ اپنی سربلندی پر نہ غرہ ہو
ازل سے کی نگوں ساری نصیب آسماں تو نے

دلوں کو معرفت کے نور سے تو نے کیا روشن
دکھایا بے نشاں ہو کر ہمیں اپنا نشاں تو نے

نہ ہوتی گر خودی ہم میں تو جو تو تھا وہی ہم تھے
یہ پردہ کس لئے ڈالا ہے یا رب درمیاں تو نے

بلا طاعت بھی ہم بندے ترے تھے پھر پرستش کی
ہمارے پاؤں میں کیوں ڈال دی ہیں بیڑیاں تو نے

کشائش عقدۂ زلف چلیپا کی جو مشکل تھی
لیا کیوں دل سے پھر دار و رسن کا امتحاں تو نے

ہم اب سمجھے کہ شاہنشاہ ملک لامکاں ہے تو
بنایا اک بشر کو سرور کون و مکاں تو نے

محمدؐ مصطفےٰ کی رحمۃ اللعالمینی سے
بڑھائی یارب اپنے لطف اور احساں کی شاں تو نے

نمک پروردہ تیری شرم کی ہیں لغزشیں میری
گنہ بخشے ہیں میرے ہو کے اکثر مہرباں تو نے

حرم اور دیر میں بازار تیرا گرم رہتا ہے
ہر اک بستی میں کر رکھی ہے قائم اک دکاں تو نے

چلے ہم نقد عصیاں لے کے آمرزش کے سودے کو
کہ نرخ اس جنس کا کچھ بھی نہیں رکھا گراں تو نے

اثر تیری عطاؤں پر نہیں پڑتا خطاؤں کا
جسے پیدا کیا اس کو دیا ہے آب و ناں تو نے

دیا اپنے کرم سے ریزہ مور ناتواں کو بھی
لگائے گر سلیماں کیلئے نعمت کے خواں تو نے

ترے دربار سے مجھ کو بھی انعام کیا کم ہے
کیا اپنی ستائش میں مجھے رطب اللساں تو نے

مئے لا تقنطوا کے نشے میں سرشار رہتا ہوں
سیہ مستوں کو بخشی ہے حیات جاوداں تو نے

خمستانِ ازل کا ساقی

پہنچتا ہے ہر اک میکش کے آگے دورِ جام اُس کا
کسی کو تشنہ لب رکھتا نہیں ہے لطفِ عام اُس کا

گواہی دے رہی ہے اُس کی یکتائی پہ ذات اُس کی
دوئی کے نقش سب جھوٹے ہیں سچا ایک نام اُس کا

ہر اک ذرہ فضا کا داستاں اُس کی سناتا ہے
ہر اک جھونکا ہوا کا آکے دیتا ہے پیام اُس کا

نظام اپنا لئے پھرتا ہے کیا خورشید نور افشاں
ہزاروں ایسی دُنیاؤں کو شامل ہے نظام اُس کا

میں اُس کو کعبہ و بت خانہ میں کیوں ڈھونڈنے نکلوں
مرے ٹوٹے ہوئے دل ہی کے اندر ہے مقام اُس کا

سراپا معصیت میں ہوں سراپا مغفرت وہ ہے
خطا کوشی روش میری خطا پوشی ہے کام اُس کا

مری افتادگی بھی میرے حق میں اُس کی حرمت تھی
کہ گرتے گرتے بھی میں نے لیا دامن ہے تھام اُس کا

وہ خود بھی بے نشاں ہے زخم بھی ہیں بے نشاں اُس کے
دیا ہے اُس نے جو چرکا نہیں ہے التیام اُس کا

عبودیت کو بھی کیا کیا مدارج اُس نے بخشے ہیں
جہاں میں بن کے آتا ہے رسُول اُس کا غلام اُس کا

ہوئی ختم اُس کی حجت اس زمیں کے بسنے والوں پہ
کہ پہنچا یا ہے ان سب تک محمد نے کلام اُس کا

بجھاتے ہی رہے پھونکوں سے کافر اس کو رہ رہ کر
مگر نور اپنی ساعت پہ رہا ہو کر تمام اُس کا

نہ جا اُس کے تحمل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اُس کی
ڈر اُس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اُس کا

نوائے سروش

سپیدہ دم کہ ہوا میں شریکِ رازِ امام　　سنا سروش سے فَلْیَعْبُدُوا کا میں نے پیام
کیا خلوص سے میں نے جبینِ طاعت کو　　رہینِ بارگہِ ذوالجلالِ والاکرام
ہوا میں صرفِ طوافِ حریمِ ذکرِ الٰہ　　نیاز و عجز و نیایش کا باندھ کر احرام
رواقِ دل میں ہوئی شمعِ معرفت روشن　　چمک اٹھے مرے قصرِ شعور کے در و بام
دکھا دیا یک نگہ نے سوادِ عالمِ نور　　کہ اعتدال پہ تھا نفس اور اس کا قوام
خمارِ بادۂ پندار سر سے دور ہوا　　مجھے مرے نظر آنے لگے عیوب تمام
نقابِ چہرۂ دل بے خودی نے الٹا تھا　　بنی تھی آئنۂ جاں لطافتِ اندام
قویٰ بھی میرے کام اپنا اپنا دینے لگے　　کہ آ گیا تھا مرے بس میں نفسِ نافرجام
کھلا تھا مجھ پہ درِ سینۂ بہشتِ ثانی　　بسا تھا گلشنِ عرفاں کی بو سے میرا مشام
فضائے قدس میں تھا جمگھٹا فرشتوں کا　　جھکے ادب سے کیا جن کو میں نے جھک کے سلام
جلال و طنطنہ اس بزم کا بیاں کیا ہو　　کہ زہرہ اس میں کنیزک تھی اور زحل کا غلام
مئے الست کا محفل میں چل رہا تھا دور　　چھلک رہی تھی صراحی چھلک رہا تھا جام

ملا کہ یہ تھا تمام ابرِ توحید   مٹایا روح کے نیر سے جس نے زنگ ظلام
یہ نغمہ ہائے نشاط آفریں و شور انگیز   سنے جو میں نے تو جاتا رہا مرا آرام
غریو و ولولۂ حمدِ حضرتِ باری   مرے بھی دل میں بپا ہو گیا جوش تمام
کہیں گے اہلِ سخن جہل و عجب سے تعبیر   قلم اٹھانے کا بھولے سے بھی جو لوں میں نام
اُس امتحاں میں کہ جس میں گئے ہوں توڑ قلم   ظہیر و غالب و فیضی و سعدی و خیام
مگر یہ سوچ کے بڑھتا ہے حوصلہ دل کا   یہاں تو ہے کفِ نیت میں ہر عمل کی زمام
یہ آستانہ ہے ایسا جہاں گڈریئے کو   ملا ہے حضرت موسیٰ سے کچھ سوا انعام
ٹٹولتے ہیں یہاں حال گوشہ گوشۂ دل   یہاں نہیں ہے حکایت سے اور قال سے کام

عجب نہیں کہ شرف خلعتِ قبول کا پائے
مری یہ ہرزہ درائی مرا یہ سادہ کلام

حمد ذوالجلال

شہنشہوں کے شہنشہ خدایگان انام — خدائے جل و علا ذوالجلال والاکرام
ہر ایک چیز ہے ممکن مگر نہیں ممکن — کہ تیری حمد کا اک شمہ ہو سکے ارقام
جلیں قیاس کے پر قصد اگر کرے اس کا — تری صفات سے ہے اس قدر بعید افہام
طلوع صبح ازل سے ترا قدیم خلود — غروب شام ابد سے ترا مدید قیام
نہ جاننا ترا رکھتا ہے حکم جاننے کا — یقیں سے مرتبہ رکھتا سوا ہے یہ ابہام
نہ کسرِ شان تری کفر و بت پرستی سے — نہ وجہ کبر و تفاخر ترے لئے اسلام
نہیں ہم اس کے ہیں قائل کہ لامکاں ہے تو — ہے اپنے بندوں کے ٹوٹے دلوں میں ترا مقام
تری نظر میں ہیں شیخ اور برہمن یکساں — تری صلائے کرم ہے زمانہ کے لئے عام
بشر کو غرہ اگر ہے تری خلافت پہ — تو نحل کو بھی ہے وجہ شرف ترا الہام
مکیں ہے ایک مکاں ہیں کئی، الٰہی تو — خدا ہے اہل حرم کا تو اہل دیر کا رام
ہے جلوہ گاہ تری صنعتوں کا پردۂ ارض — کرشمہ ہے تری قدرت کا چرخ نیلی فام
نظر فلک پہ اگر ڈالئے ذرا تو ہمیں — دکھائے شعبدہ باز لیالی و ایام کام

نجوم اس کی ہیں بے حساب بنائیں — شموس بازغہ کے زائد از شمار نظام
جنہیں سمجھنے کی کوشش میں آج کے ہیں سارے — فلاسفہ بھی ہیں مشغول عوام کالانعام
نگاہِ عقل ہوئی خیرہ جن کی عظمت سے — پھرا خیال بھی جن کی حدود سے ناکام
قیاس کر لو اسی سے کہ خود وہ کیا ہوگا — مظاہر ایسے ہیں جس کے ہے جس کا ایسا کام
زمیں کے صحن پہ دوڑا لیے اگر اس کو — تو پھر بھی راہ میں رہ جائے چل کے چند ہی گام
ادا شناس نے پوچھا ہے سچ کہ لالہ و گل — کہاں سے آئے ہیں کیا ہے نسیم کیا ہے غمام
حقیقتِ شکنِ زلفِ عنبریں کیا ہے — دیا ہے کیا نگہِ چشمِ سرمہ سا نے پیام
نتیجہ یہ کہ خدایا تری خدائی میں — سمندِ فکرِ رسا ہے مثالِ کُرّۂ خام

مجال چون و چرا کی تری حضوری میں
نہیں کسی کو وہ جاہل ہو یا کہ ہو علام

ھو الاوّل و ھو الآخر

زباں ہے وقفِ ثنائے خدائے عز و جل
خدا ہی ہے جو یہ عقدہ ہو زورِ نطق سے حل

نہ نثر ہی کا سلیقہ نہ نظم ہی کا شعور
نہ میں سنائی ثانی نہ ہمسرِ اخطل!

سخنوری سے نہیں ہے مجھے کوئی سروکار
نہ لکھ سکوں میں قصیدہ نہ کہہ سکوں میں غزل

خود اپنی قدر سے میں بے خبر نہیں کہ مجھے
ہے یاد اچھی طرح سے ایاز والی مثل

یہی سبب ہے کہ جب قصدِ حمد میں نے کیا
قلم گیا ہے ٹھہر اور زباں گئی ہے مچل

نرالی رسم ہے لیکن یہ انجمن کی یہاں
بھری ہے جیب پہ نیت میں ہے شرابِ عمل

پسند آئی ہے لکنت یہاں بسا اوقات
گیا ہے پاؤں فصاحت کا بارہا پھسل

اسی خیال سے تو بہرِ عرضِ حمد و شکر
سرِ روشِ خامہ اگر سر کے بل چلا ہے تو چل

خدا ہے واحد و قہار لا شریک لہٗ
ہو القدیر ہو الآخر و ہو الاوّل

ہے سورج اس کی عنایت سے ذرۂ ناچیز
ہے پربت اس کی توجہ سے دانۂ خردل

قدم سے ہے متقدم اسے صدورِ حدوث
ابد سے ہے متاخر اسے مرورِ ازل

خدا کی ذات ہے دریا تو قطرہ کون و مکاں
اگر ہے عین مفصل تو ہے اثر مجمل

چمک چمک کے شہادت خدا کی دیتے ہیں
عطارد و قمر و شمس و مشتری و زحل

ازل کی صبح سے بے وقفہ چل رہی ہے یونہی
خدا کے ایک اشارہ پہ کائنات کی کل

نظام دہر میں تحریف ہو نہیں سکتی
محال ہے کہ ہو اس قاعدہ میں رد و بدل

یہ منتہائے نظر نام ہے فلک جس کا
ازل سے ڈالے ہے کاندھے پہ نیلگوں کمبل

یہ چشمہ نور کا کہتے ہیں آفتاب جسے
ہمیشہ سے اسی انداز پر رہا ہے ابل

نشانیاں ہیں یہ ایسی کہ ذات باری کے
ثبوت میں انہیں سمجھیں گے قول ہم فیصل

طلب کرے کوئی اس سے کبھی زیادہ ثبوت
تو ہم کہیں گے کہ اُس کے حواس ہیں مختل

سُراغ ڈھونڈنے اُس کا چلی ہے عقل ضعیف
یہ خوف ہے کہیں ایماں میں آ نہ جائے خلل

وجود علت اولیٰ سے بحث تو جب ہو
کہ ہو یہ عقل (جو معلول ہے) محیط علل

نہیں ہے ذات زبونی کش ثبوت صفات
عرض کے رنگ سے خالی ہے جوہر اکمل

مذاق تلخی و شیرینی اعتباری ہے
مریض کے لئے ہوتا ہے انگبیں حنظل

فروغ حسن سے اپنے جناب باری نے
جلائی محفل ہستی میں روح کی مشعل

وہ روح جو ہوئی مجبور بھی مخیر بھی
کبھی فلک پہ ہے جس کا کبھی زمیں پہ عمل

صعود میں ہوئی عرش بریں سے بھی اعلیٰ
ہبوط میں ہوئی گاؤ زمیں سے بھی اسفل

اگر ہو خیر پہ مائل فرشتہ سے اشرف
کرے جو شر سے گرائش تو دیو سے ارذل

علو مرتبہ کو جس کے ناز ہے اس پر — کہ زینت اس کی ہوئی ذاتِ احمدِ مرسل
وہ ذاتِ پاک نبی جو خلاصۂ مقدور — خدا کے بعد ہوئی کائنات میں افضل
بہارِ باغِ رسالت کی آمد آمد ہے — خدائے پاک کی رحمت کے چھائے ہیں بادل
عرب کے اٹھ کے زمانہ پہ یہ گھٹا برسی — درخت سبز ہوئے پھوٹنے لگی کونپل
جہان و اہلِ جہاں کی پلٹ گئی کایا — کھلا دریچۂ رحمت کھلے دلوں کے کنول
حضورِ سرورِ کون و مکاں کو لازم ہے — کہ دیجے نذر تحیاتِ احسن و اکمل
بشر کہ اس کو خدا نے کہا ظلوم و جہول — بنا ہے اُن کے تصدق میں اعلم و اعدل
نتیجہ تھا یہ رسولِ خدا کی غیرت کا — حرم سے چشم زدن میں اٹھا بتوں کا عمل
کرشمہ سنج محمد ہوئے تو ٹوٹ گیا — طلسم نائلہ، جبت و نسر و لات و ہبل
بجا زمانہ میں نقار خانہ وحدت کا — خدا کے نام سے گونجا سوادِ دشت و جبل
جہاں میں ملتِ بیضا کی روشنی پھیلی — نکال جس نے دیئے ساری ظلمتوں کے بل
نبی نے درسِ تمدن دیا زمانے کو — بتایا رازِ اخوت بشر کو سب سے پہل
علم محبت و اخلاق کا بلند ہوا — کیا رسول نے ملک نفاق مستاصل
عطا ہوئی ہمیں دنیا بھی دین کے ہمراہ — لگے تھے فقر کی ڈالی میں سلطنت کے پھل
وہ بخشوانے ہمیں آئیں گے قیامت میں — اگرچہ قابلِ بخشش نہیں ہمارے عمل
فقط یہ بات کہ ہم اُن کے نام لیوا ہیں — کرے گی امتِ عاصی کی مشکلات کو حل

اپریل ۱۹۰۷ء

آوازۂ حق

(۱)

ہم کو دیا پیغام عرب نے ایک خدا اور ایک رسول
اب نہیں ایسی کوئی دعا جو آتے ہی لب پر ہو قبول

نام ہے ایک اللہ کا سچا باقی باطل سب معبود
مختصر اس قصہ کو سمجھئے ناحق اس کو نہ دیجئے طول

اس کے سمجھنے کے لئے دل میں ہونا چاہیئے ذوق سلیم
اس کی حقیقت وہ نہیں جس کو جان سکیں افہام و عقول

مجھ کو بتا دو کوئی خدارا قطرہ کجا اور بحر کجا
کب یہ سنا اور کیونکر یہ ہے ممکن بندے میں ہو خدا کا حلول

جس نے ہوا لکل اس کو بتایا اُس سے خدا بیزار ہوا
اِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنْکُمْ اَمْرُ اللّٰہِ ھُوَ الْمَفْعُوْل

(۲)

مجلس کے آداب میں باقی عہدِ کہن کا رنگ نہیں
اب نہ وہ اندازِ حُسن اور نہ وہ طرزِ قال اقول

جیسے حکیم ہیں ویسی امت بئس الاشرف والمشروف
جیسی روح ہے ویسے فرشتے خبئی الفاضل والمفضول

فلسفۂ اشراق یہی ہے اور ہے اس کی شرح یہی
آپ ہی خون شرع کریں اور آپ ہی کہلائیں مقتول

میرے قلم کے توڑنے والے وہ ہیں جنہیں ہے دعویٰ دین
ساتھ ہی جن کی ہے یہ تمنا سیفِ ہند ہو مسلول

شانِ خدائے عز و جل ہے بن گئے وہ بھی جادہ شناس
جن کی روش ہے اوٹ پٹانگ اور جنکی روش ہے اول جلول

خانہ براندازانِ چمن سے ہم فقط اتنا پوچھتے ہیں
باغ میں صاحب رہنے بھی دینگے آپ کوئی پھل اور کوئی پھول

زاغ و زغن سے آپ کو الفت بلبل و قمری سے ہے عناد
سرو لبِ جو کو ہے شکایت اس کی جگہ لیتا ہے ببول

ایک کبھی ہو ہی نہیں سکتے کور اور بینا ظل و حرور
کرتے ہیں جو قرآں کی تلاوت کیوں گئے وہ اس قول کو بھول

(۳)

ٹھاٹھیں مار رہا ہے سمندر اور ہیں موجیں برقِ بلا
ہونے لگا ہے ساتھ ہی لیکن رحمتِ باری کا بھی نزول

دیر سے ہم ساحل پہ کھڑے تھے اور ہمہ تن تھے چشم براہ
دور سے اک کشتی نظر آئی اور بلند اس کا مستول

چھٹ گئے بادل گھٹ گیا طوفاں چھپ گئی ظلمت کٹ گئی رات
حاملِ زورق احمدِ مرسل ملتِ بیضا ہے محمول

(۴)

منتظرانِ حق کے لیے پھر محلِ بصر اسلام بنا
باغِ نبی میں آ گئی رونق دیدۂ نرگس ہے مکحول

نورِ امانت پھیل چلا ہے روشن ہو گئے دیر و حرم
اب وہی ہستی بن گئی مسلم کل تک تھی جو ظلوم جہول

فرش پہ ہے اسلام کا نقشہ عرش پہ ہے اسلام کا رنگ
شش جہت اس میں آ گئے سارے دائرہ ہے یہ عرض نہ طول

عیب کجا اسلام کہاں اس سیف میں زنگِ ظلام کہاں
عیب ہے مسلم میں تو یہی ہے ان الصارم فیہ فلول

یا تو قرآن کی کوئی آیت یا ہو نبی کی کوئی حدیث
بات اسی صورت میں سننے کی یا معقول ہو یا منقول

صبح کی ساعت آئی ہوئی ہے سجدے میں گر کر مانگ دعا
رحمت سر پہ آئی کھڑی ہے مسلم کیوں ہوتا ہے ملول

بگڑی ہوئی بن جائیگی تیری کام سنور جائینگے ترے
مضطرب اتنا کس لئے تو ہے بیٹھے ہی جائیگی چوک سے چول

دست سیادت کی بھی رسائی دیکھئے ہوتی ہے کہ نہیں
طرۂ اسلام آج بصیرت کو نظر آتا ہے مفتول

سب سے بڑا انعام یہی ہے خدمت دین کی ہو توفیق
کام مسلمانوں کے جو آیا بس وہی مسلم ہے مقبول

اک مسئلہ پر غور کیا کر ہے یہی راز فوز عظیم
بن گئیں اس نکتہ کو سمجھ کر جنت کی خاتون بتولؓ

کام رکھ اپنے کام سے مسلم خود اللہ ترا ہے وکیل
مزد سے بالا ہو تری خدمت طاعت حق میں ہو مشغول

مجھ کو رسول اللہ کی الفت لطفِ خدا سے مل ہی گئی
اے دلِ ناداں اس سے زیادہ تجھ کو ہوس کس دولت کا حصول

ناشِئَۃَ اللّیل آج سے دیگا میری روح کو نشو و نما
اَقْوَمُ قیلا آج سے ہوگا میری اقامت کا معمول

دین بھی ہو جائے مجھے حاصل دنیا کی بھی مراد ملے
گوشۂ چشمِ عنایت مجھ پہ ہو جو پیمبر کا مبذول

آنکھ اٹھا کر بھی نہ میں دیکھوں خیر کثیر کوثر کو
سرورِ عالم ﷺ فرمالیں نذرِ مختصر میری قبول

۱۹۱۶ء

تمنّائیں

الٰہی برقِ غیرت کی تڑپ مجھ کو عطا کر دے
مجھے آتش بزیرپا کو ساتھ ہی آتش نوا کر دے

میری تقریرِ سحر آلود میں کر دے وہ اثر پیدا
کہ اہلِ درد کے حلقوں میں اک محشر بپا کر دے

دیا ہے علم اگر تو نے تو ساتھ اسکے عمل بھی ہو
کہ شرحِ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کر دے

بتا دوں گا کہ خاکِ ہند یوں اکسیر بنتی ہے
میری پلکوں کو جاروبِ حریمِ مصطفےٰ کر دے

تمہارا قافلہ کچھ لٹ چکا ہے اور کچھ ہے لٹنے کو
رسول اللہ کو اس کی خبر باد صبا کر دے

جو مسلم ہے تو جان ناموس ملت پر فدا کر دے
خدا کا قرض اور اس کے نبی کا قرض ادا کر دے

بھری محفل میں لا سکتا نہ ہو گر کفر تاب اس کی
تو زنداں ہی میں جا کر روشن ایماں کا دیا کر دے

شہادت کی تمنا ہو تو انگریزی حکومت پر
کسی مجلس کے اندر نکتہ چینی بر ملا کر دے

ضرورت ہے اب اس ایجاد کی دانائے مغرب کو
جو اہل ہند کے تن کو چولی سے جدا کر دے

نکل آنے کو ہے سورج کہ مشرق میں اجالا ہے
برس جانے کو ہے بادل کہ گلشن کو ہرا کر دے

قفس کی تیلیوں پر آشیاں کا کاٹ کر چکر
فلک سے گر پڑے بجلی کہ بلبل کو رہا کر دے

یہ ہے پہچان خاصان خدا کی ہر زمانے میں
کہ خوش ہو کر خدا ان کو گرفتار بلا کر دے

مقام حیرت

مرے کس کام میری دانش مشکل کشا آئی
سمجھ تیری ذرا مجھ کو نہ لے میرے خدا آئی

زمیں ہیں آسماں ہیں چاند ہیں سورج ہیں تاروں میں
نظر صوفی کو اور عارف کو شان کبریا آئی

مگر جب عقل نے چاہا کرے حل اس معمے کو
نعم کے ساتھ پیش اس کو ہمیشہ شق لا آئی

یہ وہ ہے جو در میخانہ علم حصولی پہ
گئی اور بادۂ حکمت کے خم کے خم لنڈھا آئی

تصور میں بھی چھو سکتے نہ تھے ہم جس کے دامن کو
یہ کھول اس دلربا کا عقدۂ بند قبا آئی

کبھی تاکا فلک اس نے کبھی جھانکی زمیں اس نے
کبھی پہنچی ثریا پر کبھی سوئے ثریٰ آئی

کیا اس نے مسخر آب و خاک و باد و آتش کو
نظر چاروں طرف پھیلی ہوئی اس کی ضیا آئی

کیا یہ سب کچھ اس نے پر جو ڈھونڈا جا کے خالق کو
تو جو کچھ لے گئی ساتھ اس کو بھی گنوا آئی

چمکتا نیر اعظم نہ ہم پر گر رسالت کا
خرد سے مرتبہ کچھ بھی نہ کم ہوتا جہالت کا

لیس کمثلہ شئ

وہ جس کی شان ہے لَیسَ کَمِثلِہٖ شَیءٌ — چھپا بھی ہے تو سراپردۂ ظہور میں ہے
بہ رنگ دور قمر جلوہ اُس کی قدرت کا — کبھی سنین میں ہے اور کبھی شہور میں ہے
کبھی کبھی ہے وہ اوج شعیر پہ تاباں — کبھی کبھی وہ خراماں سواد طور میں ہے
کہیں فسانہ وہ یعقوب کا ہے کنعاں میں — کہیں ترانہ وہ داؤد کا زبور میں ہے
شرار جستہ کی شکل اُس کے وہم کا پرتو — تڑپ ہماری خاکستر شعور میں ہے

جو اُس کو صورت اصلی میں دیکھنا چاہو
محمدؐ عربی کی جبیں کے نور میں ہے

پردہ دار پردہ در

پردہ میں شان رہ نہ سکی مستتر تری
یارب ہر اک طرف سے ہے ضیا جلوہ گر تری

نازاں ہوں اپنے اس دلِ دیوانہ پر جسے
مل ہی گئی کسی نہ کسی ڈھب خبر تری

اس کشمکش میں دیکھئے ہو کامیاب کون
میرے گناہ ادھر ہیں تو رحمت اُدھر تری

آلودۂ عتاب سہی پر زہے نصیب
محفل میں مجھ پہ پڑ تو رہی ہے نظر تری

مجرم اگر ہوں میں تو ہے تو بھی قصوروار
پہلے ہی دن سے کیوں ہے روش درگزر تری

فریاد

خدایا تیرے گھر کی خاک اڑائی جا رہی کیوں ہے
قیامت وقت سے پہلے ہی آئی جا رہی کیوں ہے

بجائی جا رہی ہے اینٹ سے کیوں اینٹ کعبہ کی
خلیل اللہ کی بنیاد ڈھائی جا رہی کیوں ہے

جہاں آٹھوں پہر توحید کا نقارہ بجتا تھا
وہاں تثلیث کی گھنٹی بجائی جا رہی کیوں ہے

حرم سے پاسبانی جس کی یارب تجھ پہ لازم ہے
فرشتوں کی محافظ فوج اٹھائی جا رہی کیوں ہے

اڑائے جا رہے ہیں کس لئے پرزے خلافت کے
رسول اللہ کی دولت لٹائی جا رہی کیوں ہے

گر ان الدین عند اللہ الاسلام آج بھی سچ ہے
تو پھر اسلام پر آفت یہ لائی جا رہی کیوں ہے

وہ تیغ اعدا کے سر پر جس کو بجلی بن کے گرنا تھا
ہماری گردنوں پر آزمائی جا رہی کیوں ہے

خدا کے نام پر مر مٹنے والوں کی صف ماتم
ملیبار اور سمرنا میں بچھائی جا رہی کیوں ہے

پرستش تیری اب بھی فرض ہے گر ابن آدم پر
رسول اللہ کی امت مٹائی جا رہی کیوں ہے

یہ مانا رحمتیں تیری ہیں شامل دشمنوں کو بھی
مگر یہ قوم یوں سر پر چڑھائی جا رہی کیوں ہے

پتنگ ابلیس کا تارا ہوا جاتا ہے گردوں کا
خدایا اس کو ڈور اتنی پلائی جا رہی کیوں ہے

تیری غیرت کی بجلی تلملاتی کیوں نہیں یارب
حریفوں کو جلال اپنا دکھاتی کیوں نہیں یارب

وسعت آرزو

خدا اسلام کی دولت اگر دے — تو دامن بھی فراخ اتنا ہی کر دے
اگر ذوقِ مئے آشامی دیا ہے — تو ساغر بادۂ یثرب سے بھر دے
بھرے سارے جہاں کا درد جس میں — اگر پہلو کو تکلیفِ جگر دے
غرض جو کچھ بھی دے اسلامیوں کو — بقدرِ رحمتِ خیر البشر دے
عجم جس کا ہو آنگن اور عرب چھت — مسلمانوں کے بسنے کو وہ گھر دے

میدان عرفات میں میری مناجات

بدرگاہ باری عز اسمہ

تجھ پہ ابراہیمیوں کا حق ہے پہلے سے سوا — نار کو پھر نور کر گلخن کو پھر گلزار کر
صدقہ اپنی کارسازی کا بنا بگڑی مری — میں ہوں بے کار اے مرے مولا مجھے باکار کر

پھر لگا یا رب میرے دل میں وہ اگلی سی لگن — میرے سر کو جذبۂ توحید سے سرشار کر
تلخیاں جتنی زمانہ کی ہیں سب سہنی سکھا — جانِ شیریں کو حریفِ لذتِ آزار کر
سینکڑوں طوفاں ہیں پنہاں جس کی اک اک موج میں — اُس سمندر سے مسلمانوں کا بیڑا پار کر
جو نہ اچھا ہے انہیں سُنے سے کہ تو مختار ہے — لیکن اپنوں کو نہ غیروں کی نظر میں خوار کر

ہند کو بھی اے خدا قیدِ غلامی سے چھڑا
اپنے گھر کا ہم کو بھی مالک بنا مختار کر

مکہ مکرمہ ۲۵ مئی ۱۹۲۸ء

کلام اللہ

اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی جس کی شان میں آیا ہے — رحمتِ عالم ہو کے اک اُمّی اُس مکتوب کو لایا ہے
منکشف اُس نے کر دیئے سارے عَلَّمَ الْاَسْمَاء کے وہ نو — جن کو سمجھ کر خاک کے آگے قدس نے سر نیوڑایا ہے
جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اُس کی زباں پہ آتے ہی — کفر کے بیچ سرِ فلک پہ پرچمِ دیں لہرایا ہے
اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا کہہ کے دیا ہے حق کو فروغ — ٹوٹ کے یہ افسوں منہ کے بل اُس نے لات و ہبل کو گرایا ہے
بُت کی خدائی لیکن بھی ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْب — ہاں گھر سے نقشۂ توحید اُس نے نیا کھچوایا ہے

موت سے اُس نے زیست نکالی زیست کو آب و رنگ دیا
قطرے سے قلزم تخم سے گلشن پیدا کر کے دکھایا ہے

دامنِ صحرا پہ بھی گماں تھا آنکھ کو دامنِ گلچیں کا
سارے جہان پر اُس نے جب اپنا ابرِ کرم برسایا ہے

جن کے مقدر میں تھی غلامی اُس نے انہیں آزاد کیا
نوعِ بشر کی لوحِ جبیں سے اُس نے یہ داغ مٹایا ہے

ابیض و اسود احمر و اصفر عالی و دانی خورد و بزرگ
سب کا بنا کر ایک ہی کنبہ ایک ہی گھر میں بسایا ہے

سطوتِ قیصر حشمتِ خاقاں صولتِ بہمن دولتِ جم
ملتی ہے کیونکر اُس نے یہ نکتہ دیدہ و دل کو سمجھایا ہے

خمِ فلاطوں خشک پڑا ہے ساغرِ جم میں بوند نہیں
تا بہ ابد وہ جام چلے گا اُس نے جسے چھلکایا ہے

کون و مکاں سے آج تک اس کا جلوہ سمیٹا جا نہ سکا
اک فقط انساں ہی کا ہے سینہ جس میں یہ نور سمایا ہے

اشعار نعت

و

استغاثہ ببارگاہ شاہ کونین

عرض حال بدرگاہ رب العزۃ

بتوسط حضور خواجہ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم

اے کہ ترا جمال ہے زینتِ محفلِ حیات　　دونوں جہاں کی رونقیں ہیں ترے حسن کی زکوٰۃ
تیری جبیں سے آشکار پرتوِ ذات کا فروغ　　اور ترے کوچہ کا غبار سرمۂ چشمِ کائنات
بارگاہِ الست سے بخش دیئے گئے تجھے　　سب ملکی تصرفات سب فلکی تجلیات
چہرہ کشا کرم ترا قاف سے تا بہ قیرواں　　لطف ترا کرشمہ سنج کعبہ سے تا بہ سومنات
تیرے سلام کیلئے گلشنِ قدس کے طیور　　گھوم رہے ہیں ڈال ڈال جھوم رہے ہیں پات پات
دیکھتے ہی ترا جلال کفر کی صف الٹ گئی　　جھک گئی گردنِ ہبل ٹوٹ گیا طلسمِ لات
آنکھ کے اک اشارہ سے تو نے معاً بدل دیئے　　ذہن کے سب تصورات قلب کے سب تأثرات
چون و چگونہ و چرا تا بہ کجا و تا بکے　　حل کیئے ایک بات میں تو نے یہ سرّی نکات
غیر کو خویش کر دیا نیش میں نوش بھر دیا　　پل میں درست کر دیئے بگڑے ہوئے تعلقات
کیا ہی وہ انقلاب تھا ڈھل گئے جس میں ایک ساتھ　　لندن و پیرس و دمشق پیکن و دہلی و ہرات
از سرِ نو کیا گیا دودۂ آدم ارجمند　　اٹھ گئی قیدِ خون و رنگ مٹ گیا فرقِ نسل و ذات

شان خدائے پاک تھی یثربیوں کی سادگی
جس پہ نثار ہو گئے سب عجمی تکلفات

تیری ثنا میں تر زباں ہو گیا جو میری طرح
اُس کے قلم میں آ گئی شان روانیٔ فرات

پست و بلند کے لئے عام ہیں تیری رحمتیں
عرش سے اور فرش سے تجھ پہ سلام اور صلوٰۃ

لے کے روانِ رواں ترا درد میں ہے بسا ہوا
کس کو ترے سوا سنائیں جا کے ہم اپنی مشکلات

سر پہ اندھیری رات ہے گھر گئی ہے بھنور میں ناؤ
موج بلا ہے تاک میں دور ہے ساحل نجات

تھام کے پایۂ عرش کا کر بہ ادب یہ التجا
"اے کہ ہے مبدأ فیوض ایک فقط تری ہی ذات

بندے بھلے ہوں یا برے تو تو ہے اے خدائے کریم
قطع ہو کیوں کریم کا سلسلۂ نوازشات

مورد لطف خاص پر کس لئے آج یہ عتاب
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات"

زندان فرنگ۔ گجرات پنجاب
۱۰ جون سنہ ۱۹۳۰ء

اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی

خدا کے گھر سے نکل گئے بُت حرم کی رونق ہوئی دوبالا
بدل گئے دن پلٹ گئی رُت نبیؐ نے اُمت کا نام اچھالا

ہوائی جب وَالضُّحٰی کی چھوٹی تو سب نے اُس کی بہا لوٹی
کرن قمرِؐ اللیل کی جو پھوٹی تو سارے جگ میں ہوا اجالا

چلے ہیں مکّے سے جب شہؐ نے کہا یہ صدیقؓ سے نبیؐ نے
کیا جو رخ ثور کا کسی نے تو مکڑیاں پور دیں گی جالا

سوادِ یثرب میں گھومتا ہوں نبیؐ کی دہلیز چومتا ہوں
شرابِ حق پی کے جھومتا ہوں رہے سلامت پلانے والا

عجم ہے میرا عرب ہے میرا جہاں میں جو کچھ ہے سب ہے میرا
اگر مسلماں لقب ہے میرا تو بول ہوگا میرا ہی بالا

فریاد بحضور سرورِ کونین

اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب — صبحِ ازل ہے تیری تجلی سے فیضیاب
زینت ازل کی ہے تو، تو رونق ابد کی تو — دونوں میں جلوہ ریز ہے تیرا ہی رنگ و آب
چوما ہے قدسیوں نے ترے آستانہ کو — تھامی ہے آسمان نے جھک کر تری رکاب
شایاں ہے تجھ کو سرورِ کونین کا لقب — نازاں ہے تجھ پہ رحمتِ دارین کا خطاب
برسا ہے شرق و غرب پہ ابرِ کرم ترا — آدم کی نسل پر ترے احساں ہیں بے حساب
پیدا ہوئی نہ تیری مواخات کی نظیر — لایا نہ کوئی تیری مساوات کا جواب
خیر البشر ہے تو تو ہے خیر الامم وہ قوم — جس کو ہی تیری ذاتِ گرامی سے انتساب
مغرب کی دستبرد سے مشرق ہوا تباہ — ایماں کا خانہ کفر کے ہاتھوں ہوا خراب
صدہا ترے غلام نصاریٰ کی قید میں — دن زندگی کے کاٹ رہے ہیں بصد عذاب
پھر بھی ہے اُن کو لاج ترے نام پاک کی — پروانہ وار حسن پہ تصدق ہیں شیخ و شاب
ہے ان کے ایک ہاتھ میں سیف ید اللّٰہی — اور دوسرے میں تیری لائی ہوئی کتاب
یوں کفر کے ہجوم پہ گرتے ہیں ٹوٹ کر — شیطان پر آسماں سے گرے جس طرح شہاب

چہرے پہ زخم کھائے مگر منہ نہ پھر سکا ، گلگونہ غدار ہے اندیشۂ عقاب
یا ورنہ تجھ کو آئے تو ہندوستان میں ؟ اور دیکھ لے الٹ کے یلیار کا نقاب
اے قبلۂ دو عالم و اے کعبۂ دو کون تیری دعا ہے حضرتِ باری میں مستجاب
یثرب کے سبز پردے سے باہر نکال کر وہ تو دعا کے ہاتھ بصد کرب و اضطراب

حق سے یہ عرض کر کہ ترے نا سزا غلام
عقبیٰ میں سرخ رو ہوں تو دنیا میں کامیاب

صلوا علیہ و آلہ

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئے دکان فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی ابوبکر و عمر عثمان و علی
ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

اگست سنہ ۱۹۱۰ء

رحمۃ اللعالمین

وہ اٹھا خاک بطحا سے سعادت کا امیں ہو کر
علم بردار حق بنکر سپہ سالار دیں ہو کر

عرب کیواسطے رحمت عجم کیواسطے رحمت
وہ آیا لیکن آیا رحمۃٌ للعٰلمین ہو کر

خدا نے اُس کو اپنے حسن کے سانچے میں ڈھالا ہے
چھپا ہے اُس کا [illegible] تو نور صبح اولیں ہو کر

خدا پر تھا یقیں پہلے ہی لیکن اُس کا احساں ہے
کہ آنکھوں میں یقیں بہنے لگا عین الیقیں ہو کر

اسی کا بے حساب احسان ہم پہ [illegible] کہ صدیوں تک
رہا ہندوستان اسلام کے زیر نگیں ہو کر

نہ نکلی کوئی بات اُسکی زباں سے تا دم آخر
نہ نکلی ہو جو زیب نطق جبریل امیں ہو کر

خدا کی شان سے رونق ہے موجودات عالم کی
وہ سب نبیوں کے بعد آیا مگر کیا کیا نہیں ہو کر

ٹھٹک کر چور وہ اُسکی شرم سے ہیں سب نبی پیچھے
وہ محشر میں آئے جو عقبیٰ میں شفیع المذنبیں ہو کر

دائم مارہری مدراسی
[illegible]

نورِ حقیقت

عبث ناز کرتے ہیں ہم ابتدا پر — ہمیں دیکھنا چاہیئے انتہا کو
عمل گر یہی ہیں تو ہم حشر کے دن — دکھائیں گے منہ جا کے کیا مصطفٰے کو
وہ نورِ حقیقت رسولِ خدا نے — منور کیا جس سے غارِ حرا کو
چمکتا ہُوا سارے مشرق میں پھیلا — کیا روشن اُس نے تمام ایشیا کو
پھر اس نے کیا مغربی کشوروں میں — جدا نقشِ واللیل سے والضحٰے کو

ضلالت کی شب ہائے غاسق کی ظلمت
نہیں میٹ سکتی ہے اس انجلا کو

۱۴ اپریل سنہ ۱۹۲۸ء

شبِ معراج

عشق مہمان ہوا حسن کے گھر آج کی رات
جذبۂ دل ہے با آغوشِ اثر آج کی رات

بخت بیدار نے دی دولتِ سرمد کی نوید
کیوں نہ آنکھوں میں کٹے تا بسحر آج کی رات

اپنے اللہ سے ملنے کیلئے جاتا ہے
اپنے اللہ کا منظورِ نظر آج کی رات

ماہ و انجم نے سرِ راہ بچھا دیں آنکھیں
کیونکہ ہے ناقۂ اسریٰ کا سفر آج کی رات

کہکشاں جلوہ فشاں ہے کہ اسی رستے سے
ہونے والا ہے محمدؐ کا گزر آج کی رات

چاند کیا چیز ہے سورج کی حقیقت کیا ہے
پرتوِ نور سے روشن ہے نظر آج کی رات

اٹھ گیا چہرۂ ہستی سے نقابِ اسرار
لائی ہے رازِ امانت کی خبر آج کی رات

مل گئی دونوں جہاں کے خزانوں کی کلید
اپنے معراج کو پہنچا ہے بشر آج کی رات

۲۴ فروری ۱۹۲۵ء

التجا بحضور سرور کائنات

جاگ اے یثرب کی بستی نیند کے ماتے کہ آج
لٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تیری امت کا راج

سرحد یاست کا کھٹکا نہ کبھی انہیں ملتا نہیں
جن کی ہیبت سے چکی ہے ایک عالم سے خراج

تیرے بچے ہو رہے ہیں ساری دنیا میں ذلیل
کیا نہیں اے قبلۂ عالم تجھے بچوں کی لاج

ہم ہیں ننگے سر اٹھا لے شان عرب آن عجم
اور پہنا دے ہمیں پھر سطوت کسریٰ کا تاج

تشنہ کامان خلافت کو خود اپنے ہاتھ سے
بھر کے وہ ساغر پلا دے انگبیں جس کا مزاج

اب دوا سے کام کچھ چلتا نہیں بیمار کا
اب تو ہے تیری دعا ہی تیری امت کا علاج

۲۲ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

نذرِ محضرِ حضور خواجہ دو جہاں سرورِ کون و مکاں

محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

اے کہ ترا شہود ہے وجہ نمودِ کائنات
اے کہ ترا فسانہ ہے زینتِ محفلِ حیات

اے کہ ہیں تیری ذات میں جمع زمانہ کی صفات
سب ملکی تصرفات سب فلکی تجلیات

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

بادۂ معرفت سے جب تو نے بھرا خمِ الست
بزم میں تیرے جھک گئے سارے جہاں کے سرپرست

تھا یہ عجیب انتظام تھا یہ عجیب بند و بست
ہو گئے مست ہوشیار بن گئے ہوشیار مست

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

تیرے غلام ہو گئے سارے جہاں کے شہریار
سرورِ کائنات تو اور وہ زمیں کے تاجدار

صبحِ ازل سے ڈھونڈتی تھی جسے چشمِ انتظار
تیرے قدم کے فیض سے باغ میں آئی وہ بہار

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

شرق ہے تجھ سے مستفیض غرب ہے تجھ سے فیضیاب
دونوں جہاں کی حسرتیں ہو گئیں تیری ہمرکاب

جو ترے در کی خاک تھے ہو گئے آسماں جناب
لطف ترا ہے بے شمار فیض ترا ہے بے حساب

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

تیرے نوال میں نہاں سبزۂ بحر کا نال ؛ تیرے کمال سے عیاں شان خدائے ذوالجلال

قدر تری ہے بیمثال درس ترا ہے لازوال نورک فوق کل نور شبلک اصوب الکمال

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات

خلق ہوئی تھی ہمت تیرے قدوم کیلئے وضع ہوئی تھی معرفت تیرے علوم کیلئے

فیض نہ تھا ترا فقط قوم ظلوم کے لئے بلکہ ترا خصوص تھا وقف عموم کیلئے

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات

گردن خلق ایک ساتھ جھک گئی رب کے سامنے چون و چرا نہ چل سکا اصل سبب کے سامنے

گرد ہوئی ہے کیمیا خاک عرب کے سامنے تونے یہ گنج شائگاں رکھ دیا سب کے سامنے

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات

چین سے تا بہ اندلس بادہ فروش تو ہی تھا بادہ کشوں کے واسطے چشمۂ نوش تو ہی تھا

شاہد علم و فضل کا حلقہ بگوش تو ہی تھا سارے جہان کے لئے دیدۂ ہوش تو ہی تھا

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات

سارے جہاں کی حکمتیں تیرے کلام پر نثار سارے جہاں کی دولتیں تیرے نظام پر نثار

ہم تیری ذات پر فدا ہم تیرے نام پر نثار تیری گلی میں ہوں مقیم تیرے مقام پر نثار

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات

عرضداشت امت بحضور سرورِ کون و مکاں

اے نشانِ حجتِ حق مظہرِ شانِ جلیل
تو نے کی تکمیلِ آئینِ مسیحا و خلیل

اولیں یہاں تری فرزندِ آذر کی دعا
اور نویدِ ابنِ مریم دوسری تیری دلیل

نقطۂ پرکارِ عشقِ کبریا تیرا جمال
تجھ کو اُس سے ہے محبت کیونکہ وہ خود ہے جمیل

تیری چشمِ مست کا صدیقِ اکبرؓ ہے خراب
تیری تیغِ ناز کا فاروقِ اعظمؓ ہے قتیل

ختم تجھ پر ہو گیا انسانِ کامل کا لقب
لا نہیں سکتے زمین و آسماں تیرا عدیل

بن گیا قرآں کی ہر ہر سطر ہر ہر لفظ میں
نطق تیرا شانۂ زلفِ پیامِ جبرئیل

تیری روشن زندگی کے کارنامے بن گئے
اہلِ ایماں کے لئے ہر مرحلے میں سنگِ میل

کر دیا تو نے قوامِ دین و دنیا معتدل
تا ابد رہبانیت کی جڑ میں ٹھونکی تو نے کیل

لفظ جنت قیدِ معنیٰ سے رہا ہوتا اگر
تیری رحمت اہلِ عالم کی نہ ہو جاتی کفیل

حشر کے دن جن کو ملتا ساغرِ آبِ حمیم
تو نے پلوایا انہیں جامِ شرابِ سلسبیل

قوم بھی سرمنزلِ ہستی میں ہے مانندِ فرد
عمر قسامِ ازل نے دی ہے دونوں کو قلیل

دیکھنے دونوں ہیں بچپن اور جوانی کی بہار
عہدِ پیری کاٹ کر بیٹھے ہیں سرگرمِ رحیل

مصر و یوناں لد گئے، روما و بابل مٹ گئے
کم جیا کوئی کسی نے زندگی پائی طویل

یا محمدؐ تیری امت مٹ نہیں سکتی مگر
ہو نہیں سکتا فنا جس طرح آبِ رودِ نیل

لوحِ ہستی سے نہ ہوگا محو نقشِ اسلام کا
متفق ہیں اس حقیقت پر زمانے کے عقیل

جلوہ گر پائے گا ہم کو نئے انداز سے
رنگ بدلے خواہ کتنے ہی کیوں چرخِ بخیل

دولت اور اقبال کر سکتے نہیں ہم سے ابا
آیتِ استخلاف کی ہے اپنے دعوی کی دلیل

امتیازِ ملت و مشرب یہاں جائز نہیں
ہے لگی سب کے لئے کوثر کے ساقی کی سبیل

ہم ترے احکام پر جب تک عمل کرتے رہے
ہم کو ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا کہیں اپنا مثیل

پرچمِ اسلام اک عالم پہ لہراتا رہا
مشوروں میں ہم سے تھے اقوامِ عالم کے دخیل

سطوتِ اسلام کے ماتھے پہ پڑتا تھا بل
سرکشوں کو ایک ساعت کی نہ مل سکتی تھی ڈھیل

جب چمکتا تھا ہمارا خنجرِ خارا شگاف
فتح و نصرت کو نہ ہوتی تھی مجالِ قال و قیل

مشرق و مغرب کے دفتر کو الٹ دیتے تھے ہم
اور ہمارے فیصلہ کی ہو نہ سکتی تھی اپیل

چھوڑ دی ہے جب سے لیکن ملتِ بیضا کی راہ
ہم مسلماں ہو گئے دنیا کی قوموں میں ذلیل

ہم کو آج آنکھیں دکھاتے ہیں ہمارے ریزہ چیں
بن گئے شہباز کل تک جن کو ہم سمجھے تھے چیل

ہم میں جو مفلس ہیں وہ زندہ ہیں لیکن مردہ وار
ہم میں جو منعم ہیں وہ یا تو ہیں مسرف یا بخیل

گر شرافت اور نجابت کا ہو معیار اتقا
ہم مسلمانوں میں کم ہیں جو نہ نکلیں گے ذلیل

کر رہا ہے ہم پہ یورش یوں ہی دورِ آسماں
جس طرح کعبہ پہ چڑھ کر آئے تھے اصحابِ فیل

ہم ابابیلوں سے لیکن کس لئے مانگیں مدد
جب کہ تو خود ہے ہماری فتح و نصرت کی دلیل

تکیہ جب طاقت پہ ہم کو ہے تو ہے تیری دعا
جو کہ ہے مقبول درگاہ خداوند جلیل

تیرے روحانی تصرف نے کیا ہے جس طرح
تندرست اُس کو جسے مغرب سمجھتا تھا علیل

دُرفشاں اے ابرِ رحمت ہند پہ بھی ہو یونہی
تا کہ ہوں سیراب اس کشور کے بھی زرع و نخیل

علم کا ہم کو ہو شوق اور ہو عمل کا ہم کو ذوق
قرنِ اول کے ہوں پیدا ہم میں اخلاقِ جمیل

ہم بھلے ہیں یا برے ہیں تیرے آخر ہیں غلام
ہم کو ہم چشموں میں اے آقا نہ ہونے دے ذلیل

اے شفیع المذنبیں اے رحمۃ للعالمیں
اَنْتَ کَہفِی اَنْتَ ھَادِی اَنْتَ لِی نِعْمَ الدَّلِیل

یکم فروری سنہ ۱۹۱۵ء

اسلامیانِ ہند کی فریاد بارگاہِ سرورِ کائنات میں

اے کہ تری نمود ہے غازۂ رُخِ کائنات
جلوہ فشاں ہیں ہر طرف تیری ہی سب تجلیات

قصد یہ کر رہا ہوں میں نعت بتری رقم کروں
کوزہ میں بھر رہا ہوں میں بائیہ دجلہ و فرات

نور ترا نہ چمکتا گر افقِ شہود کو
ختم نہ ہوتی آج تک تیرگئِ شبِ حیات

فرش میں تیرے ہمہمے عرش میں تیری زمزمے
بھیج رہی ہے کائنات تجھ پہ سلام اور صلوٰۃ

ہیں عرب و عجم ترے دونوں پہ ہیں کرم ترے
تجھ سے حرم کی آبرو تیرے قدم میں سومنات

بُت شکنوں میں آ گئی آذریوں کی بُت گری
کرنے لگے خدا پرست بندگئِ منات و لات

بھولے تھے بندے نامِ حق تو نے دیا پیامِ حق
جوڑ دیئے قدیم کے ٹوٹے ہوئے تعلقات

وہم و گمان میں بھی تھا ہند کے آسمان تلے
عالمِ پیر کا نیا سلسلۂ تغیرات

آہ وہ عہد ہے کہاں جس میں ہمارے واسطے
روز تو روزِ عید تھا اور تھی شب شبِ برات

آہ وہ باغ کیا ہوا بارہ مہینے کی بہار
ملتی تھی جس میں ڈال ڈال ہلتی تھی جس میں پات پات

مرکزِ ثقل سے ستونِ شرعِ مبیں کا ہٹ گیا
خطرہ میں آ کے پڑ گیا دینِ قویم کا ثبات

ایک طرف ہیں ذات کی زہر بھری عداوتیں
ایک طرف ہیں نسل کے قہر بھرے تعصبات

حکمت و علم کا مطلب دینے لگا مریض کو
بے خبری و جہل کے بو قلموں مرکبات

عالم دیں فروش نے صوفی مکر کوش نے
دام بیا بچھا دیا اوڑھ لی دلق بیّنات

سب سے زیادہ مستحق تیری توجہات کے
ہم ہیں کہ ہم پہ آپڑیں سارے جہاں کی مشکلات

تیری نگاہ مہرباں ہم کو ذریعہ فلاح
تیری دعائے مستجاب ہم کو وسیلۂ نجات

دور فتادہ ہی سہی تیرے مگر غلام ہیں
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات

۴ جنوری ۱۹۲۷ء

نذرِ عقیدت

حضورِ آقائے دوجہاں کی جناب میں

اے کہ آرائش ہماری استاں کی تجھ سے ہے
اے کہ افزائش ہماری عز و شاں کی تجھ سے ہے

ملت بیضا کی رونق تیرے دم سے برقرار
تمکنت اس باتجمل کارواں کی تجھ سے ہے

تیرے ابر رنگ سے رنگیں ہے ایراں کا چمن
جلوہ ریزی گلشن ہندوستاں کی تجھ سے ہے

[illegible] کو تیری نسبت سے ہوا حاصل کمال
خوں فشانی اس کے عزب افگن سناں کی تجھ سے ہے

ہے خمیر مایہ حسنِ عرب تیرا جمال
دلربائی نجد کے بانکے جواں کی تجھ سے ہے

دولت اک تیری کنیز اقبال اک تیرا غلام
شانِ دارائی امان اللہ خاں کی تجھ سے ہے

سایہ پرور تیری رحمت کا حرم بھی دیر بھی
سود اور بہبود جہان و فلاں کی تجھ سے ہے

کفر اگر پرچم کشا ہے اس کے ہم ہیں ذمہ دار
سربلندی دینِ قیّم کے نشاں کی تجھ سے ہے

امتِ مرحوم کے دردِ جگر کے چارہ ساز
ساری تاثیر اس کی فریاد و فغاں کی تجھ سے ہے

ساری دنیا بن گئی ہنگامہ زارِ کشت و خوں
کچھ اگر امید ہے امن و اماں کی تجھ سے ہے

اس ورق پر پرتو افگن ہے ترا سحرِ حلال
اور بہار اس خامۂ معجز بیاں کی تجھ سے ہے

لاہور۔ ۱۳ر جنوری ۱۹۲۷ء

جشنِ میلادِ نبویؐ

محمد مصطفےٰ گنجِ سعادت کے امیں تم ہو
شفیع المذنبیں ہو رحمۃ للعالمیں تم ہو

ہوئی تکمیلِ دیں تم سے کہ ختم المرسلیں تم ہو
رسالت ہے اگر انگشتری اس کے نگیں تم ہو

نہ ہوتے تم تو عرش و فرش کا نقشہ نہ جم سکتا
یہ دنیا اعتباری تھی حقیقت آفریں تم ہو

مہیا کر دیا تم نے خدا کو ذمہ داری سے — کہ ختمِ محبتِ حق کی نشانی بالیقیں تم ہو
نمکدانِ خوانِ ہستی کا تمہارا حسنِ دلکش ہے — خدا جس پر ہو سو جاں سے شیدا وہ حسیں تم ہو
الٰہ پروردگارِ انس و جاں کو ہم نے پہچانا — بلا شبہ و بلا شک اس کی وجہ اولیں تم ہو
دلِ شکستہ کو بھی اپنے اوپر ناز ہیں کیا کیا — یہ وہ آئینہ ہے جس کے سکندر بالیقیں تم ہو
تمہاری یاد ہو جس دل میں ایسے دل کا کیا کہنا — مکاں ہو گا عجب ہی شان کا جس کے مکیں تم ہو
ہوئی کافور ظلمت کفر کی جس کی شعاعوں سے — زمانہ پر یہ روشن ہے کہ وہ مہرِ مبیں تم ہو
نشانِ اِنَّا فَتَحۡنَا کا نہ ہو کیوں آشکارا جب — علمبردارِ حق تم ہو سپہ سالارِ دیں تم ہو
خدا کیونکر نہ کھینچے معصیت پر مغفرت کا خط — مسلماں مذنبیں ہیں اور شفیع المذنبیں تم ہو
ہوا اسلام کا شرمندۂ احساں جہاں سارا — ہر اک اقلیم پر پر سا گئے در ثمیں تم ہو

لقب خیر الامم جس کو دیا تاریخِ عالم نے
اس امت کے نگہباں اس زمانہ میں تمہیں تم ہو

مسلمانو! خدا کا فضل اس سے بڑھ کے کیا ہو گا — رسول اللہ کا خرمن ہے جس کے خوشہ چیں تم ہو
تمہارا عُرۡوَةُ الۡوُثۡقٰی ہے وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہ — پھر اس رسی کو یاد و تھام لیتے کیوں نہیں تم ہو
یہ صدقہ ہے اسی ابرِ کرم کی درفشانی کا! — کہ اب تک صاحبِ اکلیل اور تاج و نگیں تم ہو
تمہارا نام ہے اب بھی بڑا دنیا کے حلقوں میں — ابھی تک گلشنِ دولت کے سرورِ استیں تم ہو

اخوت کا سبق تم کو پڑھایا تھا پیمبر نے
مگر دل میں لیے پھرتے نفاق و بغض و کیں تم ہو

بھلا زہر ہلاہل ہے جگر اور دل میں نشتر سر
مگر ہنس ہنس کے ٹپکاتے زباں سے انگبیں تم ہو

سمجھ رکھا ہے حرمت کو مرادف تم نے ذلت کا
مگر بھر بھر کر اڑاتے جام آب آتشیں تم ہو

اتروا دیں گے ملا بوٹ دروازہ پہ مسجد کے
خدا کے گھر تک اس خدشہ سے آ سکتے نہیں تم ہو

پڑے پتلون میں سلوٹ مبادا کوئی جھکنے سے
نہیں اس ڈر سے ہو سکتے شریک راکعیں تم ہو

پڑی ہیں مسجدیں ویران اور ہیں مدرسے سونے
قریب از علم دنیا ہو تو دور از علم دیں تم ہو

خدا سے لو لگاتے ہو تو اس کی بھی یہ حالت ہے
کہ وقف آرزوہائے وصال حور عیں تم ہو

نہیں القصہ اس قابل کہ بخشے جاؤ عقبیٰ میں
خدا سے سرخرو ہو تا بہ خلد بریں تم ہو

نہ یہ امید بھی گر ہو کہ حضرت بخشوا لیں گے
تو مطلق شک نہیں اس میں کہ جمع خاسریں تم ہو

محمد کے تصدق میں تمہاری مغفرت ہوگی
اگر وابستۂ دامان ختم المرسلیں تم ہو

۱۴ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء

صاحبِ قابَ قوسین اَو اَدنیٰ

V. Good.

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو — ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو
پھوٹا جو سینۂ شبِ تارِ الست سے — اس نورِ اولین کا اجالا تمہی تو ہو
سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا — سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ تمہی تو ہو
جلتے ہیں جبرئیل کے پر جس مقام پر — اس کی حقیقتوں کے شناسا تمہی تو ہو
جو ماسوا کی حد سے بھی آگے گزر گیا — وہ رہ نوردِ جادۂ اسریٰ تمہی تو ہو
پیتے ہی جس کے زندگی جاوداں ملی — اس جانفزا زلال کے مینا تمہی تو ہو
اٹھ اٹھ کے لے رہا ہے جو پہلو میں چٹکیاں — وہ دردِ دل میں کر گئے پیدا تمہی تو ہو
دنیا میں رحمتِ دو جہاں اور کون ہے — جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمہی تو ہو
گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے — اے تاجدارِ یثرب و بطحا تمہی تو ہو

بتیا سنائیں جا کے تمہارے سوا کسے ؟
ہم بے کسانِ ہند کے ملجا تمہی تو ہو

عرش سے فرش تک حضور سرورِ کونین پر صلوٰۃ و سلام کی بارش

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

V. Good

رونقِ بزمِ وجودِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم
خواجۂ گیہاں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

جادہ شناسِ منزلِ وحدت جلوہ نمائے رازِ حقیقت
ہادیٔ اکبر مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

خیرِ ممثل فضلِ مجسّم صورتِ احساں پیکرِ رحمت
آیۂ لطفِ ربک الاکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ہوگئی اُس پر ختم رسالت دیتے گئے ہیں جس کی شہادت
موسیٰ عمران عیسیٰ مریم صلی اللہ علیہ وسلم

خیلِ ملک تھا اُس کے جلو میں یعنی فضا کا عرش نہا دیں
تاکہ جہاں ہو درہم برہم صلی اللہ علیہ وسلم

کہتے ہیں جس کو سطوت کبریٰ تھی وہ اک اُسکی مشق سپہ پا

گردن اہل قلم جس سے ہوئی خم صلی اللہ علیہ وسلم

تیغ و کفن جب باندھ کے نکلے اُسکے قشون قاہر گھر سے

بجھ گئی یورپ میں شمع ماتم صلی اللہ علیہ وسلم

ہے عرب اُس کا اور عجم اُس کا تھامے ہوئے ہیں ہم علم اُس کا

وہ ہے ہمارا اس کے ہیں سب ہم صلی اللہ علیہ وسلم

وقت پہ دیکھا تشنہ لبوں کو ساغر کوثر بھی ہے ساقی

جس نے پلایا ہے انہیں زمزم صلی اللہ علیہ وسلم

جیت گئے اسلام کے غازی ہر گئی آخر کفر کی بازی

جھک نہ سکا توحید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

اُس کی غلامی نے ہمیں بخشا تاج سکندر فرّہ دارا

کوکبۂ کے مرتبۂ جم صلی اللہ علیہ وسلم

سب سے جب اونچا پایہ ہے اُس کا ہے سر پر سایہ ہی اُس کا

ملت بیضا پھر تجھے کیا غم صلی اللہ علیہ وسلم

عرش بریں سے فرش زمیں تک فرش زمیں سے عرش بریں تک

غلغلہ برپا ہے یہی پیہم صلی اللہ علیہ وسلم!

انار

زمانے میں چمکا ہے نام محمدؐ ہوئی روکش صبح شام محمدؐ
نہ پہنچے وہاں جبرئیل امیں بھی بلند اس قدر ہے مقام محمدؐ
مہ امنہ لیا چوم روح الامیں نے لیا میں نے جس وقت نام محمدؐ
پلایا ہے بھر بھر کے ساقی نے مجھ کو خدا کے خمستاں سے جام محمدؐ
فقط دو حقائق پہ دنیا ہے قائم بقائے خدا و دوام محمدؐ
یہ مجلس جہاں شور ہے وانکحوا کا تمہیں دے رہی ہے پیام محمدؐ
جواں دل ہیں اسواسطے کر رہے ہیں بڑھاپے میں شادی غلام محمدؐ

ہے مثنیٰ سے آئی ثلاث کی نوبت
کہ ان کو یہ ہے اذن عام محمدؐ

تاجدارِ عرب و عجم!

سخن آورم ز کمال او ز شکوہ او ز جلال او
کہ نہ دیدہ چشمِ مثیل او نہ شنیدہ گوشِ مثال او
بلغ العلےٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ صلّوا علیہ و آلہٖ

ز عرب چکیدہ ملاحتش ز عجم دمیدہ عذوبتش
نمکے کہ ریخت جمال او شکرے کہ بیخت مقال او
بلغ العلےٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ صلوا علیہ و آلہٖ

ہمہ کس فراخور ذوق خود ز نوال گرفتہ مقدرے
تو و لعل و گوہر و سیم و زر من و دست و دامن آل او
بلغ العلےٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ صلوا علیہ و آلہٖ

فخر رسل

کہنے کو ہوں آج میں نعت رسول کریم — میری زباں کیوں نہ ہو رشکِ زبانِ کلیم

مایۂ نازش مجھے ہے میری فکر رسا — وجہ تفاخر مجھے ہے میری طبع سلیم

بسکہ ہے لب پر مرے فخر رسل کی ثنا — عیسیٰ گردوں نشیں کا ہوں شریک و سہیم

اے شہ ہر دو جہاں سرور کون و مکاں — تو ہے خدا کا حبیب تو ہے خدا کا ندیم

تو ہے شفیع مطاع تو ہے نبی کریم — تو ہے قسیم جسیم تو ہے نسیم وسیم

تجھ سے مزین ہوئی مسند پیغمبری — تجھ سے فروزاں ہوئی بزم الف لام میم

دیکھ کے تجھ کو گرے لات و ہبل سر کے بل — آتے ہی تیرے فرو ہو گئی نار جحیم

کون سی ایسی ہوئی اس میں تعجب کی بات — تیرے اشارے سے ہو گر مہ کامل دو نیم

تو نے تو زندہ کیا بات میں اس جسم کو — رہ گئی تھیں اک فقط جس کی عظام رمیم

جس کی رگ و پے میں تھا شرک سمایا ہوا — چھائی ہوئی جس پہ تھی ظلمت جہل سقیم

ہو گئے صحرا نشیں صاحب دیہیم و تاج — عامی و جاہل بنے تیری بدولت حکیم

دولت دنیا و دیں قوم کو دی ایک ساتھ — ہے تیری بخشش کثیر تیرا احسان عظیم

تو نے پلایا انہیں جام شراب طہور — جن کے مقدر میں تھی شورش آب حمیم
الغرض احسان تیرے قوم پہ ہیں بے شمار — اٹھ نہ سکے گا کبھی ہم سے یہ بار عظیم
جبکہ ہو تو ناخدا کشتیٔ اسلام کا — کیا اسے موجوں سے خوف کیا اسے طوفاں سے بیم
تیری شفاعت کا گر ہم کو سہارا نہ ہو — رحم پہ غالب ہے عدل خدائے عظیم
شافع روز جزا تو نہ ہو گر کارساز — ہم کو میسر ہوں کیوں خلد بریں کے نعیم
خسرو و خاقاں کا فخر تیرے گدایان در — صاحب فوز عظیم تیری گلی کے مقیم
تو نے لگایا تھا جو گلشن قدس انتما — لاتی ہے اب تک نسیم اس سے اڑا کر شمیم
تو نے جلائی تھی جو مشعل عالم فروز — قوم کا اب تک بھی ہے اس سے منور حریم
بزم میں لیکن وہ رنگ اب نظر آتا نہیں — باغ میں باقی نہیں رونق عہد قدیم
ہے یہ دعا کا محل اے شہ دنیا و دیں — عرض کر اللہ سے ہے جو خبیر و علیم
بخشے ہمارے گناہ ہم پہ کرے اپنا فضل — پھر ملے اسلام کو عظمت شان قدیم

قوم میں ہو اتفاق اور ہو پہلا سا جوش
ہمت ادھر ہو بلند عزم ادھر ہو صمیم

امت پر رسول کا احسان

ہم خاک تھے بنا دیا اکسیر آپ نے
کتنا بڑا یہ آپ کا احسان ہو گیا

بھر کر دیا وہ جام جہاں میں حضور نے
پی کر گدائے میکدہ سلطان ہو گیا

اسلام کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
بجلی گری وہ دل پہ کہ فاران ہو گیا

ہے اک نگار خانۂ حیرت یہ نام بھی
جس کی نظر پڑی وہی حیران ہو گیا

مشرق اور مغرب منسلک اک سلک میں ہوئے
کتنا دراز رشتۂ قرآن ہو گیا

۱۶ دسمبر ۱۹۱۶ء

انتظارِ سحر

تجھے فکر کیوں ہے اے دل کہ یہ شب بسر بھی ہو گی
ہے ابھی اگر اندھیرا تو کبھی سحر بھی ہو گی

ہے اثر دعا میں پنہاں مگر اس کے ساتھ تجھ کو
اگر اعتقاد ہو گا تو وہ زود اثر بھی ہو گی

یہ سواد آفرینش ہے بقدر نور بینش
تری آنکھ اگر کھلے گی تو جہاں نگر بھی ہو گی

ہو بپا کہیں بھی طوفاں وہ یہی گماں کریں گے
کہ ضرور اس میں شامل مری چشم تر بھی ہو گی

ہے پھر ابرہہ کی کوشش کہ بنائے کعبہ ڈھا دے
مگر اس میں ہم کو شک ہے کہ مہم یہ سر بھی ہو گی

اگر آج ہم پہ آئی شب غم پہاڑ بن کر
تو یہ رات یونہی بھاری کبھی آپ پر بھی ہو گی

عرب اور عجم کے فارے ہوئے آفتاب جس سے
کسی روز دیکھ لینا وہ نظر ادھر بھی ہو گی

عشقِ رسولؐ

پرستارانِ لات و عزیٰ مشکیں زید کی کس کر
جب اس اسلام کے شیدا کو مقتل کی طرف لائے

قریش اپنے جلے تن کے پھپھولے پھوڑنے نکلے
گھروں سے رقصِ بسمل کا تماشا دیکھنے آئے

جبینِ زید پر اس وقت وہ رونق برستی تھی
کہ صبحِ اولیں کے نور کی بارش بھی شرمائے

یہ اطمینانِ کامل دیکھ کر کفر اور جھلایا
دلوں کی تیرگی نے بڑھ کے داغ اور چمکائے

ابوسفیاں پکارا کیا یہی اچھا ہو محمدؐ کو
تمہارے بدلے اگر جلاد خاک و خوں میں تڑپائے

تڑپ اٹھتا ہوں جب مجھ کو وہ فقرے یاد آتے ہیں
بوقتِ ذبح اس عاشق نے جو اس طرح دہرائے

مجھے ناز اپنی قسمت پر ہو گر نامِ محمدؐ پر
یہ سر کٹ جائے اور تیرا سراپا اس کو ٹھکرائے

یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا
کہ ان کے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

دفتر قادیاں

بنام آنکه نامش احمد آمد — بنام آنکه جایش کوثر ستے
بنام آنکه نقش انشائش — نگار آرائی امر و اثر ستے
بنام آنکه نسل دشمنانش — هوالاقطع به مرزا ابتر ستے
بنام آنکه نعلین شریفش — کلاه صد هزار اسکندر ستے
بنام آنکه چینے از جبینش — رگ طاغوتیاں را خنجر ستے
بنام آنکه ما اسلامیاں را — بذاتش ناز و فخر بے مر ستے
بگفتم صبحگاہاں ہوسہو را — بنزد در قادیاں یکے دفتر ستے
سماں پارینه تقویمش شمارم — که بارش زینت پشت خر ستے
مگوش مارسد تسویت حمیر — که با بای توشاں دادر ستے
رسول الله یکے پیشاور ت — بدینساں او نبی را مظهر ستے
ظهور او شود ثابت ز قرآں — غلام احمد آپ کوثر ستے
تو خود انصاف ده زیں چه سود است — که اهل قادیاں را در سر ستے

نہالے کاشتی در گلشن ما — کہ شاخش چوں صنوبر بے بر استے
تمتع یافتیم از نص قرآں — کہ مارا فارق خیر و شر استے
رسالت ختم شد بر مصطفائے
کہ مارا آخریں پیغمبر استے

حجت حق کا اتمام

مصطفیٰ کو جب ملا پیغامِ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ — کل ہمیشہ کے لئے شمعِ نبوت ہو گئی
آسماں نے حکم کا انعام حکمت کو دیا — حق کی حجت ختم ہو کر حق کی رحمت ہو گئی
مصطفیٰ ہیں گلشنِ توحیدِ مسلم کے گل — خود وہ ہیں خیر البشر خیر اُن کی امت ہو گئی
ماہِ نو کی کیا ضرورت بدرِ کامل کی شبیہ — جب کلام اللہ کی ایک ایک آیت ہو گئی
پھر یہ ہم سے پوچھتے ہیں آ رہا ہے کیوں مزا
اللہ اللہ آپ لوگوں کی یہ حالت ہو گئی

۷ نومبر ۱۹۱۴ء

ماہ و پرویں

خواجۂ ما محمدؐ عربی — نقش خاتم النبیین است
مصطفیٰؐ ماہ امتش پرویں — ماہ رونق فزائے پرویں است
عرب آغوش عالمے باشد — بستۂ دامنش دل و دیں است
مسلم از سجدہ گنج ہا اندوخت — دولت او جبین سیمیں است
نعمت حق بما شد ارزانی — شرع ما را شعار و آئیں است
ہست اسلام خوشتریں انجام — خنک آں کس کہ عاقبت بیں است
بادہ اش تند و شکر افشاں ہم — شور در جاں فگند و شیریں است
جوشد اندر خم حجاز ایں مے — جام ایں مے نگر جہاں بیں است
پارہ اش پرورد مراقش را — جرعہ اش ریزش لب چیں است

تو ز نیساں تو قطرہ داری
گوہر ساز کان لیسین است

۱۰ نومبر ۱۹۱۷ء

صاحبِ معراج

لعلِ نگار کی طرح میری حدیث ہے لذیذ
گیسوئے یار کی طرح میرا فسانہ ہے دراز

چاہیئے اہلِ ذوق کو سوز کے ساتھ ساز بھی
نغمہ جو ہو تو جاں نواز نالہ جو ہو تو دل گداز

بادۂ اٰمنُوا پیوں موت کے بعد میں جیوں
مطلعِ فجر کی طرح ہو مری زندگی دراز

جھوم کے پی رہا ہوں میں جامِ مُتِمُّ نُورِہٖ
گھوم رہا ہے جام میں نشۂ بادۂ حجاز

دَعْوَۃَ الدَّاعِ ہو گئی وردِ اِذَا دَعَانِ
یا کہ ہے خوابِ ناز میں چشمِ سیاہ نیم باز

دین تو ہم مصطفیٰؐ رحمتِ عام ہو گیا
آتے ہی اُس کے اُٹھ گیا شاہ و گدا میں امتیاز

تاجوروں کے رشک کو خاکِ دَر بنی ہوئی
سرمۂ دیدۂ بلال غازۂ چہرۂ معاذ

جس کی تمہیں خبر نہیں شانِ رسول ہی تو تھی
جس نے زمینِ خشک میں آ کے چلا دیئے جہاز

لائے براق جبرئیل کس لئے اُس کے واسطے
ہوتی تھی جس کی رات دن گنبدِ عرش پر نماز

۲۵ جنوری ۱۹۲۸ء

نویدِ مسیحؑ

دکھا رہی ہے دعائے خلیل اثر اپنا
ہیں جلوہ ریز نوید مسیحؑ کے انوار

جناب آمنہ کے پہلوئے مبارک سے
ہوا ہے رحمتِ پروردگار کا اظہار

حضور سرورِ کون و مکاں ہوئے پیدا
پیمبری کے گلستاں میں آئی فصلِ بہار

جہان و اہلِ جہاں کی پلٹ گئی کایا
مٹائی مہرِ درخشاں نے ظلمتِ شبِ تار

بڑھی سیادتِ ایماں گھٹی ضلالتِ کفر
چھٹی سیاہیِ باطل چھٹا بدی کا غبار

کرشمہ سنج ہوا ساقیِ عرب ایسا
کہ شرق و غرب مئے حق سے ہو گئے سرشار

جنابِ ختمِ رسل پر ہزار بار درود
ہے جس سے عالمِ امکاں کی گرمیِ بازار

چشمۂ آبِ بقا

منبرِ اسلام ہے خیر الانبیاء کے سامنے
ہیں ستارے جلوہ گر بدر الدجیٰ کے سامنے

میکشو اب بھی اگر پیاسے ہو آ جاؤ یہاں
ہم کھڑے ہیں چشمۂ آبِ بقا کے سامنے

دردمندوں کے دلوں کا چارہ فرما ہے یہی
ہو گئی عاجز تمنا ہر کسی کی دعا کے سامنے

جھک گئی تھیں تاجدارانِ جہاں کی گردنیں
پاسبانانِ حریمِ مصطفےٰ کے سامنے

اشعار در مدح

سلاطین اسلام

نسیم حجاز کی شمیم

بھولا ہوں وہ جبیں دلدار دور کو میں
پھر کیوں بھلا یاد نہیں ابن سعود کو ہم

دنیا کی سب سے گردن آئی ہے سخت تر
ہر ایک سے پر شکست ہے رب ودود کو

پہنچے وہ مسند ارشاد پر جلال سے شہ و اطہر
جس نے کیا ہے فضل در آتش حسود کو

کعبہ ہے جزیرۃ العرب اسلام کا محیط
ہے روح اس کی جان لیجئے اس کے وجود کو

ابرو کے ایک اشارہ سے اس نے دیا بکھیر
باطل کی کارگاہ کے تار اور پود کو

سنت کے اعتدال کے سانچے میں ڈھال کر
آزادیوں کے ساتھ ملا دیا قیود کو

جس تاج و تخت پائے نہ سہ شرع مصطفےٰ
بے بود جانتا ہے وہ اس کی نمود کو

سر چشمہ اس سلطنت اور دست تکلیم
بھولا نہیں وہ عہد سلف کے عہود کو

شامل ہو اس کے حال کو اللہ کا کرم
اپنا کیا ہے جس نے نبی کے عقود کو

۲۳ دسمبر ۱۹۲۰ء

شہسوار نجد

جا کے صبا پیام دے نجد کے شہسوار کو
ہم بھی ہیں تیرے منتظر موڑ ادھر مہار کو

چھائی ہوئی تھی ہر طرف ظلمتِ عالمِ ضلال پر
حشر بپا ہو ہر طرف ترجمہ لگا دو تار کو

قافلہ بھی نسیم مشہدیوں سے آملا
آئے نہیں گی سے دیدہ باغ میں تو بہار کو

ابن سعود کو ملا رتبۂ ید اللّٰہی ہا
تازہ بہانہ مل گیا رحمت کردگار کو

نجدیوں کی بزم میں جلوت نقش کبھی دی
مصطفوی چراغ نے لو بھی شرار کو

ساقیٔ دلنواز نے خمکدہ حجاز سے
دی ہے شراب خانہ ساز ہند کے بادہ خوار کو

کج نگہوں کی گم ہی سے تو گلہ فضول ہے
دیدہ و دل کو کیا کہیں خود جو سمجھے نار کو

موت کی جستجو نہیں مجھ کو تلاش زندگی
دیتا ہوں قبر کے عوض دو سیں ذوالفقار کو

۱۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء

امیر المومنین ابن سعود

جب اٹھایا تم نے حجاب آتشیں ابن سعود — ہو گئی ہے مست تیرے در پر ساقیا ابن سعود

اپنے مولا سے کرا لیتا ہے تو اپنی قبول — کعبہ کی طرف جھک گئی ہے جبیں ابن سعود

جس کو دنیا میں لٹایا تھا رسول اللہ نے — ہے اسی گنج سعادت کا امیں ابن سعود

جب وقت آیا کہ تو اس سے ہو پاک ارض حجاز — بن گیا تقدیر رب العالمیں ابن سعود

اک نہ اک دن ہو گی تطہیر عراق و شام بھی — حل یہ مشکل بھی کرے گا بالیقیں ابن سعود

اس کے قدموں پہ جھکے گی ساری دنیا ایک دن — ہے محمد کا غلام کمتریں ابن سعود

دولت اس کی ہے کنیز اقبال ہے اس کا غلام — سلطنت انگشتری ہے اور نگیں ابن سعود

ایک مدت سے عبث سب گھٹ رہے کہ نہ پڑھ سکتے نماز — گر نہ ہوتا صاحب ذوق یقیں ابن سعود

تاکتی ہے حسرت سے تاتار کو برق فرنگ — لیکن اس کی زد میں آ سکتا نہیں ابن سعود

مژدہ باد اہل اسلام ہے باطل کہ گو تھا بجد ست — رعب اسلام کا شیر عریں ابن سعود

نجد کی لیلیٰ پہ مر جانے لگے مجنوں نئے — شہد کا محمل ہے اور محمل نشیں ابن سعود

ہے لباس کہنہ کا پیوند زریں اس کی شبیب — جیب میں لایا ہے موتی تھی ابن سعود

ملت اسلامیہ کی عمارت پہ سجا — حکمراں ہے اعظم قوم کا تاج نگیں ابن سعود

کہیے اُس کو عادل سلطاں عبد العزیز — کہیے اُس کو ناصر دین متیں ابن سعود

ہم زباں ہیں ہند و سندھ کے کہتے برملا

ہے لقب اُس کا بجا امیر المومنین ابن سعود

مکہ مکرمہ ۲۰ مئی ۱۹۲۹ء

ملی ہے کیوں نہ اسے دولت اٹھانے عمر چلنے ہو انقلاب — نیا شباب کہ جوہر ہو نقاب سینے کا

پہنچ گیا ہے جسے مرد حق کے سینے تک — یہی تو پایہ ہے عرش بریں کے زینے کا

یہ جلوہ گاہ محمد وہ پائے گاہ کلیم — یہی ہے سر کے مرتبہ سیاست تیغ بر ما کم

یہ بادہ بادۂ یثرب ہے سادہ سادہ ہے

نشہ ہے صحن حرم عرب کی شراب پینے کا

۲۵ دسمبر ۱۹۲۵ء

منصب خلافت

اگر اسلامیوں کا سیزدہ صد سالہ نظام — اب بھی تو قائم ہے علی الرغم نصاریٰ و یہود

انگورہ کے اعلان کے باوصف اب تک — آپ کو مانتے ہیں لازم ہے خلافت کا وجود

نا گزیر اب بھی اگر ہے کوئی مرکز ایسا — جس پہ چھا جائیں اشارات شریعت کی حدود

کر سکیں ربط ملت بیضا جس کو — جس کا عکس ہو جلوہ نما سطوت کبریٰ کی نمود

تو یہ فرمائیے بطحا کے سوا اور کہاں — پائی جاتی ہے اسلام کی یہ شان بود

جب کہ جاروب کش صحن حرم بھی ہے یہی — کیوں نہ خلیفہ نہ ہو اسلام کا ہو ابن سعود

عہد سلف کی رونقیں

جگر اور دل ہی نہیں ہے کہ سموؤں ان کے گداز میں
نہ رہیں وہ پہلی سی لذتیں مری داستاں دراز میں

نہیں شکوہ مجھ کو نصیب سے گلہ ہے اگر تو نصیب سے
جو چھپا رہا ہے حبیب سے کہ اس کی شرح ہے راز میں

کئی سو برس جو دبا رہا نگہ عرب سے چھپا رہا
پھر ابھر رہا ہے تتار سے وہی فتنہ رنگ مجاز میں

کوئی ہے جو ترک کو جا کے دے یہ پیام مسلم ہند کا
کہ وہ لذتیں جو ہیں سوز میں کبھی آ سکیں نہیں ساز میں

نہ بچا فریب فرنگ سے کوئی تاجور کوئی باجور
مگر اک حرم کا وہ پاسباں جو ہے سر بسجدہ نماز میں

نہیں فیض ابن سعود کا یہ ہے لطف ربِّ ودود کا
کہ سلف کے عہد کی رونقیں نظر آ رہی ہیں حجاز میں

۱۴ اپریل ۱۹۲۸ء

مستقبل حجاز

ممکن ہے مہر و مہ نہ رہیں آسمان پہ — ممکن نہیں کہ حق نہ ہو جاری زبان پہ
وہ فوج جبرئیل تھے جس کی کمان پہ — پہلا پڑاؤ اس کا پڑا تھا عمان پہ
پنہاں تھی جس میں دیدۂ ہرقل کی خیرگی — وہ تیغ تھی چڑھی ہوئی یثرب کی سان پہ
واحسرتا بلند ہے طاغوت کا علم — اس عہد میں نبیؐ کے قدم کے نشان پہ
کس وقت جانے دیکھئے کھنچتا ہے خطِ نسخ — تثلیث کے عروج کی اس داستان پہ

کس کو نہیں یہ علم کہ مستقبل حجاز — موقوف ہے حجاز کے امن و امان پہ
توفیق اس کی دی گئی ابن سعود کو — روشن ہے یہ حقیقت کبریٰ جہان پہ

محفل کو گرما رہا تھا سبکسار یہ سرود — میں جا رہا تھا ہند کو جب خیبر آں پہ
اور آخری یہ شعر رقم کر رہا ہوں میں — بیٹھا ہوا شریف علی کے مکان پہ

بدھ ۹ یکم جنوری ۱۹۲۹ء — [illegible]

محی الملۃ والدین کی یادِ عزیز میں

مرا دامن بھرا ہے آج یاقوت و مرجاں سے
نہیں لایا انہیں لیکن میں لعل و بدخشاں سے

جگر پگھلا دیا ہے کر دیا ہے دل کو خوں میں نے
نکالے جب کہیں ہیں یہ تو اس معدنِ جاں سے

خدائے پاک بیشک نور ہے سات آسمانوں کا
ان آنکھوں نے مگر اس نور کو دیکھا ہے فاراں سے

چمن پیرائے امکاں گر نہ ذاتِ مصطفےٰ ہوتی
مشامِ جاں معنبر ہو نہ سکتا بوئے عرفاں سے

رسول اللہ کی امت ہے زینت ساری دنیا کی
تمدن کی بھری محفل کی رونق ہے مسلماں سے

ضیائی بزمِ گیتی ملتِ بیضا کے دم سے ہے
فروغِ ملتِ بیضا ہے عثمان علی خاں سے

۴ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

آصف جاہ سابع اور سمرنا

اے کہ درد دل اسلام سے بیتاب ہے تو — جس کی تعبیر مری زیست ہے وہ خواب ہے تو
دل بھی تیرا ہی ہے رقص کناں میری طرح — گرچہ میں ذرہ ہوں اور مہر جہانتاب ہے تو
بے کسی قوم کی آخر تجھے تڑپا ہی گئی — کیوں نہ ہو جوشش رگ دودۂ مطلب ہے تو
اے گداز جگر خستۂ ارباب نظر — دل ملت ہے اگر کعبہ تو میزاب ہے تو
فرض اپنا یونہی عثمان علی خاں پہچان — اے کہ میرے لئے مستغنی از القاب ہے تو

اے سمرنا کی زمیں تجھ پہ خدا کی رحمت — خون اسلام کے چھینٹوں سے سیراب ہے تو
ارغواں پاش ترے فیض سے ہے دیدۂ تر — ریزش اشک کو سرمایۂ سیماب ہے تو
عرش تھرائے تو کیوں فرش لرز جائے نہ کیوں — آہ تیرا ہے تو گریۂ بیتاب ہے تو
آل عثمان کی عزت کی حفاظت کی طرف — کسی تیمور کی غیرت کی عناں تاب ہے تو

تختۂ یوناں کا الٹ کفر کے بیڑے کو ڈبو
جیسے خود خون کے سیلاب میں غرقاب ہے تو

آصف جاہ ہفتم کی مسند نشینی کی تاریخ

عروس بہاراں کی ہے آمد آمد — بصد دلربائی بصد نازنینی
کھلے ہیں ریاحین اقبال و دولت — یہ خوشبو انہیں کی تو ہے بھینی بھینی
مسرت نے وہ رنگ بدلا جہاں کا — کہ زاہد بھی بھولا ہے خلوت گزینی
چھلکنے لگا ہے بلوریں پیالہ — چھلکنے لگی ہے صراحی چینی
لبھانے لگی نکتہ سنجوں کے دل کو — عروس معانی کی ناز آفرینی
اشارہ ہے جس کی رسیلی نظر کا — یہ صہبائے گلگوں تمہیں ہوگی پینی
ادھر ہے شہنشاہ کی تاجپوشی — ادھر ہے شہا تیری مسند نشینی
یہ ساعت جسے کہئے جان سعادت — زمانہ سے اقبال نے میرے چھینی
سکھائی ہے تاج دکن کو مفخر — ترے سر نے شاہا غرور آفرینی
قسم ہے تجھے تیری ظل الٰہی کی — ہے فخر سلاطیں تیری ہم نشینی
ترے عہد دولت میں ہم کو میسر — ہوئیں برکتیں دنیوی اور دینی
ہوئی مردم چشم دولت کو حاصل — ترے سرمۂ عدل سے دوربینی

جلالت کا مظہر ترا فرِّ شاہی
عقیدت کی پتلی مری کمترینی

جلوسِ نظام اور تاریخ میری
کرے گا کوئی اس پہ کیا نکتہ چینی

دکن بلکہ ہندوستاں کی طرف سے
مبارک ہو تم کو یہ مسند نشینی

۱۳۲۹ھ

لاہور ۲۴ ستمبر ۱۹۱۱ء

حضور نظام کی مساوات پسندی

شبِ معراج وہ شب ہے کہ کھولے رب اکبر نے
رسولؐ اللہ پر اسرارِ خلوت گاہِ اَو اَدنیٰ

یہ وہ شب ہے کہ پیغمبرؐ کے سر پر اپنے ہاتھوں سے
خدا نے فخر سے رکھا ہے تاجِ سطوتِ کبریٰ

یہ وہ شب ہے کہ روشن کر دیئے چودہ طبق اس نے
تجلی بن گئی اس کی فروغِ دیدۂ بینا

یہ وہ شب ہے کہ مسلم کو ملی دنیا بھی اور دیں بھی
وہ تعبیرِ فترضیٰ اور یہ تفسیرِ من الاُولیٰ

یہ وہ شب ہے کہ اس کی روشنی سے جگمگا اٹھے
در و بام و رواق و طاقِ قصرِ ملتِ بیضا

اسی دن مکہ مسجد میں جب اگلے دن نظام آئے
تو قدوسی پکار اٹھے کہ سبحان الذی اسریٰ

فضا کو چیرتی نکلی جب ان کی برق پا موٹر
تو نقشہ کھنچ گیا اسلام کے سیلابِ اعظم کا

غبار راہ کیا تھا کہکشاں کی جلوہ ریزی تھی — گلی کوچوں پہ ہوتا تھا گمان سینہ سینا

نظام الملک آصف جاہ مسجد میں ہوئے داخل — تو جھرمٹ میں ستاروں کے نظر لوگوں کو چاند آیا

ندیموں نے روایت تھی نہیں آداب شاہی کی — کمر میں باندھنا چاہا ادب کی راہ سے پٹکا

وہ رمز آموز دیں جو حامئ شرع پیمبر ہے — کلام اللہ کی آیات کا ست کھینچ کر بولا

یہ گھر اللہ کا ہے جس میں ہم تم سب برابر ہیں — یہ وہ دربار ہے جس میں گدا ہے شاہ کا ہمتا

کسی کو گر کسی پر کچھ فضیلت ہے تو اتنی ہے — کہ عِندَ اللہِ اَکرم ہیں وہی جو ہم میں ہیں اتقیٰ

اسی معبود برحق کو یہاں تعظیم کا حق ہے — خداوندان عالم کا یہاں سکہ نہیں چلتا

سنا جب ان حقائق کو تو مسلم وجد میں آئے

وَصَلّی اللہ علیٰ نورٍ کزو شد نورہا پیدا

رجب ۳۳۶ھ

اعلیحضرت میر عثمان علی خاں کی شریعت نوازی

میں یہیں سے اڑتے اڑتے آسمان پہ آگیا
حضرت شاہ دکن کے آستان پر آگیا

ماہ نو کرتا ہے جھک کر جنکو گردوں سے سلام
جن سے قائم ہے مسلمانوں کی دولت کا نظام

دل مسخر کر لئے ہیں جنکے لطف عام نے
گردنیں سب کی جھکی جاتی ہیں جن کے سامنے

جادہ نشناسوں کو بتا دیا انکے دم ہی سے تو ہے
ملت بیضا کا نقش انکے قدم ہی سے تو ہے

کس قدر ہم پر حق اس شاہ حق آگاہ کا
جو سبق ہم کو پڑھائے والسّبحٰن اللہ کا

حسب ۱۳۳٦ھ

نذرِ عقیدت بحضور آصفِ ہفتم تاجدارِ دکن

شاہِ اسلام کے دربار میں دس سال کے بعد
لعل لایا ہوں نہ یاقوت و گہر لایا ہوں

لعل و یاقوت و گہر کی نہیں اس گھر میں کمی
نذر کے واسطے میں خونِ جگر لایا ہوں

میر عثمان علی خاں کی محبت والا
اک دل تھا سو اسی جذبہ سے بھر لایا ہوں

عزتِ ملتِ بیضا کی حفاظت کے لئے
اک اشارہ پہ جو کٹ جائے وہ سر لایا ہوں

خیلِ باطل کے مکاید کی ہزیمت کیلئے
حق پرستوں کی دعاؤں کا اثر لایا ہوں

مرتعش جس سے ہوئے تھے کبھی بدر و حنین
وہی پیغام میں بے خوف و خطر لایا ہوں

صاحبِ بالِ ہما کیا اُسے جس کی خاطر
بالِ جبریلِ امیں کا میں چھوڑ لایا ہوں

وہ دکن جس پہ ہیں سو جان سے مسلماں قرباں
اُس کی آزادئ کامل کی خبر لایا ہوں

۱۹۳۱ء

میر عثمان علی خاں

ذکر آتا ہے جو عثمان علی خان تیرا
نام لیتے ہیں محبت سے مسلمان تیرا

ہے یہی رشتہ جسے کہتے ہیں تائید خدا
ہاتھ دولت کا ہے اور گوشہ داماں تیرا

جان سو بار چلی جائے مگر آن نہ جائے
اس قدر پختہ ہے اسلام پہ ایمان تیرا

زندہ یثرب کی روایات تیری ذات سے ہیں
بھول سکتی نہیں ملت کبھی احسان تیرا

بادشاہی میں فقیرانہ روش جس کی
ان کی فہرست کا دیباچہ میں عنوان تیرا

تیرے خرقہ میں لگے دیکھے ہیں میں نے پیوند
گو جم سے نہیں کم کچھ بھی ہے سامان تیرا

تیری دہلیز کو بوسہ بھی سزاوار نہیں
تجھ کو شایاں ہے کہ انگریز ہو دربان تیرا

پاسباں جبکہ ہے اسلام کے ناموس کا تو
کس لئے پھر نہ ہو اللہ نگہباں تیرا

۱۹ اگست سنہ ۱۹۲۹ء

آصفجاہ ہفتم کی یادیں

دھلا نہیں ہے گل و لالہ کا غبار ابھی — برس کچھ اور بھی اے ابرِ نو بہار ابھی

زبانِ حال سے کہتا ہے قصرِ زار ابھی — ہیں عنکبوت کے گھر میں بہت سے تار ابھی

نہ ہم پہ گر گئی باقی رہے نہ روبنات — مٹے گیں یورپ کے اور بھی نامدار ابھی

کیا جنہوں نے محمد کے نام کو رسوا — وہ ہونے والے ہیں خود بھی ذلیل و خوار ابھی

بدل چکا ہے بدلتا ہے اور بدلے گا — بہت سے رنگ یہ چرخِ ستیزہ کار ابھی

عجب نہیں کہ بیدار ہونے والا ہے — نئی ادا سے کوئی فتنہ تتار ابھی

نقاب الٹ کے تجلی دکھانے والا ہو — سوادِ مشرقِ وسطیٰ کا شہسوار ابھی

بہار سر پہ ہے اے بخیۂ جنوں پھر کیوں — کیا تو نے گریباں کو تار تار ابھی

نہیں کرشمۂ ساقی کی اس میں کچھ تقصیر — کچھ اہلِ بزم جو بیٹھے ہیں ہوشیار ابھی

نگاہِ ناز سے کیا شکوہ بوالہوس کو اگر — نہیں ہوا یہ ناوک جگر کے پار ابھی

ہے اس پہ حیف جو کہلائے مصطفیٰ کا غلام — گمنہ خلافت پہ ہو نثار ابھی

اگرچہ جنگ سے انگریز بھی چراتے ہیں — نہیں ہے صلح کا امکان کچھ اعتبار ابھی

کہاں سے امن ہو قائم کہ لارڈ کرزن پہ — نہیں ہوئی ہے حقیقت یہ آشکار ابھی
کہ ہند و دکو چمک کر کیا تھا جس نے دو نیم — نہیں گری ہے وہ شمشیر آبدار ابھی
کمی نہیں اسدا اللہیوں کی دنیا میں — اور ان کی تیغ سے ہمرنگ ذوالفقار ابھی
زمانہ جس کی تجلی سے جگمگا اُٹھا — ہے جلوہ ریز وہ خورشید زرنگار ابھی
محمد عربی کے جلال کا پرتو — ہے شکل غازی اعظم سے آشکار ابھی
جناب حضرت عبدالمجید خاں کیلئے — کھنچا ہوا ہے وہ افق رہا حصار ابھی
ہے محاصرہ کمسنہ سے تھپڑ انے کو — پڑا لسبنۂ لشکر اسلام بے شمار ابھی
خدا بھی زندہ ہے اس کا کلام بھی زندہ — اساس سطوت کبری ہے استوار ابھی
حیات و شہادت کے ساتھ ملتی ہے — فنا کی امت بقا کی ہے رازدار ابھی
دکن کے باغ میں چھائی ہوئی تھی خاموشی — سنا ہے میں نے نغمۂ هزار ابھی
یہ نغمہ موسم گل کی کہیں نہ ہو تمہید — میرے قفس کی فضا کو ہے جس سے بار ابھی
خدا کا سایہ سر پہ ہے آصف ہفتم — کہ تو ہے ہند میں ملت کا افتخار ابھی
چھپا اس کی شہ بال تیرے راز نور دردل — ہے جس سے سینۂ اسلام داغدار ابھی

نہ یہ کہہ ہی ہے پلٹ کر نگاہ یار ابھی — زمانہ اور بھی بدلے گا اک بار ابھی

(لبیر عثمان علی خاں)

۶

ہے یہ بھی رحمت پروردگار عالمیاں! کہ ہیں زمانہ میں تجھ جیسے تاجدار ابھی
ہیں تند زباں تری تعریف میں ضرور انگریز دبائے بیٹھے ہیں ظالم مگر بیزار ابھی
دکن بھی دولت کابل کی طرح ہو آزاد
بڑھے کچھ اور بھی اسلام کا وقار ابھی

نظام دولت آصفیہ اپنے مرکز پر!

خبر آئی ہے کہ دہلی میں نظام آتا ہے فصل گل کا چمنستان کو پیام آتا ہے
جس کے اک جرعہ میں چھلکے دو جہاں بیش میکشو مژدہ کہ جم لیکے وہ جام آتا ہے
مسند دولت و اقبال کو خالی کر دو آج محفل میں محمدؐ کا غلام آتا ہے
اس پہ سو جاں سے مسلماں نہ کیوں ہوں قرباں کہ وہ ہر وقت میں اسلام کے کام آتا ہے
چاند جھکتا ہے بصد عجز سلامی کیلئے میر عثمان علی خاں کا جو نام آتا ہے
دیکھنا یہ ہے کہ خورشید جہاں انگلیس
پیشوائی کے لئے کب لب بام آتا ہے

۷ نومبر ۱۹۲۸ء

ترانۂ تہنیت عیدِ صیام

بملازمان آصف جاہ ہفتم تاجدارِ دکن

عجم کا فخر تو ہے نازشِ ہندوستاں تو ہے
ہمارے مشرقی خمخانہ کی مہرِ نشاں تو ہے

سریر آرائے دہلی ہے ابھی تک ملتِ بیضا
کہ اب تک یادگارِ دولتِ شاہ جہاں تو ہے

ابھی تک تازہ ہے افسانہ عالمگیرِ اعظم کا
اور اس افسانۂ رنگیں کی سرخی بیگماں تو ہے

ودیعت تیری فطرت میں ہوئی گنجینہ افشانی
گہر خیزی میں دریا ہے تو زر ریزی میں کاں تو ہے

کبھی چھاپا فلسطیں پر کبھی برسا سمرنا میں
وہ نیسانِ کرم تو ہے وہ ابرِ دُرفشاں تو ہے

تجھے دیکھا تو گویا دیکھ لی رحمت پیمبر کی
خدا ہو مہرباں تجھ پر کہ ہم پر مہرباں تو ہے

جزاک اللہ رونق تجھ سے قائم ہے شریعت کی
حماک اللہ ناموسِ نبیؐ کا پاسباں تو ہے

نہ سنگِ راہ کا کھٹکا نہ خوفِ دوریٔ منزل
ہیں بے غم قافلے والے کہ میرِ کارواں تو ہے

مبارک ہو یہ عید اے خسروِ گردوں حشم تجھ کو
مسلماں ہیں اگر انجم تو ماہِ آسماں تو ہے

نگاہیں ڈھونڈتی ہیں تجھ کو اور تیری نوازش کو
خدا وہ دن کرے ہم بھی وہاں پہنچیں جہاں تو ہے

برار آجائے قبضہ میں وہاں بھی ہو تری شاہی
دکن کا جس طرح اس وقت عثماں حکمراں تو ہے

دہلی میں تاجدار دکن کی آمد

کبھی المانیہ تھا جنکے پشتیبی حریفوں میں
دکن اس وقت تک ہے اُنکے تاریخی حلیفوں میں

اگر آڑے نہ آتی ہمت آصفجاہ ہفتم کی
قوی جنکے ہیں بازو جا ملے ہوتے ضعیفوں میں

مگر یا للعجب! جب ساعت آئی حق شناسی کی
مٹا حق کا نشاں منت گزاری کے صحیفوں میں

یکایک ہز مجسٹی بن گئے نیپال کے راجہ
اور اس پر تسلیاں بھی دی گئیں انکو وظیفوں میں

دکن نے اپنا حق مانگا تو لندن سے جواب آیا
کہ احساں کی جزا احساں نہیں ہوتی شریفوں میں

مدد دیتا ہے جو انگریز کو مٹی ہے خوار اُس کی
یہ نکتہ آپ کو میں نے سمجھایا ہے لطیفوں میں

نوا سنجان دہلی کو صلائے عام دیتا ہوں
کہ داد فکر دیں ان قافیوں میں ان ردیفوں میں

لاہور
۲۵ اکتوبر ۱۹۲۸ء

مژدۂ بہار

بہار مژدہ یہ دے کر دکن میں آئی ہے
کہ پھر وہ گھومتی پھرتی چمن میں آئی ہے

گھٹا مدینہ سے پھر اٹھ رہی ہے رحمت کی
برس برس کے ہمارے وطن میں آئی ہے

وہ شمع حق جو کبھی زینت شبستاں تھی
چمکنے کے لئے پھر انجمن میں آئی ہے

وہ موج لائی ہے موتی جو سات دریا کے
جناب آصف ہفتم کے من میں آئی ہے

زباں پہ نام تمہارا ہی آگیا ہوگا
وگرنہ کیوں یہ حلاوت سخن میں آئی ہے

گرہ پڑی ہے پھر اسلام تیرے ابرو میں
قیامت آج پھر اس کے شکن میں آئی ہے

بلاکشان ازل مژدہ ہو کہ گردن حق
پھر آج حصہ دار و رسن میں آئی ہے

وفا کی شان ہماری روش سے پیدا تھی
جفا کی آن تمہارے چلن میں آئی ہے

جناب مالوی و لاجپت کی شان جلال
بدل کے روپ نیا سنگھٹن میں آئی ہے

معاملہ ہے مرے خامہ کو نمایں سے
صبا حدیقۂ سر دشمن میں آئی ہے

۵ مارچ ۱۹۲۵ء

خیابانِ فارس

اشاعت خیابان فارس میں مجکو اعلیحضرت خسرو دکن نے شرف منظوری عطا فرما کر دو ہزار سات سو
روپے کی رقم منجملہ عطا فرمائی۔

میں آتا ہوں پھر شاہ کے آستاں پہ
بصد شوق ہوتا ہوں جبہ فرسا

میں پھر اپنی قسمت پہ ہوتا ہوں نازاں
کہ ہوتا ہے پھر بخت بیدار میرا

میں پھر کشتہ مند ہوں باب اجابت
اثر رہنما بن گیا ہے دعا کا

تصدق ہے امید جس پر آرزو پر
پھر اترائی پھرتی ہے میری تمنا

دلوں میں یہ کیوں ہو جب نذر ہوں امنگیں
نگہباں ہو جب شاہ بینواؤں کا

ہوئیں نعمتیں ساری دنیا کی حاصل
ہمیں تیرے عہد ہمایوں میں شاہا

ملی ہے تجھ سے توقیر عز و شرف کی
ترے ہم ہیں خادم تو آقا ہمارا

وفا اور عقیدت ہے آئیں ہمارا
کرم اور احسان شیوہ ہے تیرا

تجھے تاجداری دکن کی مبارک
دکن کو مبارک ہو سردار تجھ سا

اجازت اگر پیر و مرشد کی پائے
ادب سے یہ کہتی ہے عرض میرا

کتاب خیابان فارس کی نسبت — بہ فرمان حضرت کا صادر ہوا تھا

کہ حضرت کا نام سمیع مبارک — کرے کمترین زیب عنوان اس کا

بجا لاؤں میں شکر اس احساں کا کیسے — بیاں شہ کے اس لطف کا میں کروں کیا

گھٹایا میری بیکسی کو اس نے — میرے جوش ہمت کو اس نے بڑھایا

کیا مجھ کو گستاخ شہ کے کرم نے — میں اب اور کچھ مانگنے کو ہوں آیا [illegible]

اب اس کمترین کی یہی آرزو ہے — خیابان فارس کا ہو طبع نسخہ

ضخامت کہ مقتضی ہو گی اس کی — کہ جائے لپیٹے چار جلدوں میں چھاپا

کم از کم ہیں ہر جلد میں چھ سو صفحے — تصاویر سے حجم پر کچھ بڑھے گا!

پڑے گی ہر اک جلد او سو روپے میں — ہیں لہذا بسکہ اس کے مصارف زیادہ

ہے تیار رکھی ہوئی جلد پہلی — اشاعت میں ہے اب فقط دیر کا وقفہ

مگر جس کی تنخواہ دو سو روپے ہو — وہ انجام دے کس طرح کام ایسا

کہ جس پر ہزاروں کی آتی ہو لاگت — جسے چاہتے اہل ثروت کو کرنا!

میں اس مفلسی کا ہوا مجتنب احساں — ارادت پہ جس نے کیا یہ تقاضا

کہ آصف کی درگاہ کیوں نثار ہیں — مجھے [illegible] طرح ہے صدا!

پہنچ کر وہاں کچھ تعجب نہیں ہے — لہٰذا اگر بادشاہ [illegible]

مدد گر میں غیروں سے مانگوں نہیں ہے — اعانت [illegible] ہے کام ایسا

مگر کھا کے شکر کا نمک دوسروں سے | کروں استعانت یہ مجھ سے نہ ہوگا
غلامانِ درگاہِ شاہی سے مجھ کو | اگر مرحمت ہو چھپائی کا خرچہ
تو اردو کے زیور سے آراستہ ہو | وہ نسخہ کہ ہے یادگارِ زمانہ !!!
کفِ جود و ایثارِ شاہِ دکن سے | جسے چاہتے ابرِ آذار کہنا !

یقین مجھ کو واثق ہے امیدِ کامل
کہ جو میں نے مانگا ہے مجھ کو ملے گا

اپریل ۱۹۰۲ء

قصیدہ

بحضور مہر سپہر جہانداری و صدر صفۂ تاجداری سرتاج خواتین زمانہ نواب سلطان جہاں بیگم جی۔سی
آئی۔ای والیہ بھوپال دام اقبالہا۔
یہ قصیدہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۰۰ء کی صبح کو حضور ممدوحہ کے سامنے پڑھا گیا۔

جلوہ افروزِ جہاں ہے تری دولت کا جمال | اس جمالِ نظر افروز پہ ہو نازاں بھوپال
ہفت اقلیم کا چہرہ ہے اگر کشورِ ہند | تو بلا شبہ ہے اس چہرۂ دلآرام کا خال
کیجئے خوبی کو تیری غازۂ روئے مقصود | تکئے رونق کو تیری سرمۂ چشم آمال

دیجیے اک گلشنِ جاں بخش سے تشبیہ تجھے ... آئی ہو گی نظر آفاق میں کم جس کی مثال
سرو و شمشاد ہیں جس باغ کے علم و دانش ... جس چمن کے سمن و لالہ ہیں فضل اور کمال
سبزہ و گل کو جہاں جود و کرم کہتے ہیں ... لطف و احسان ہیں جہاں بادِ صبا اور شمال
مدرسے ہیں ترے آباد مساجد معمور ... دین و دنیا کی ترقی پہ روش ہے تری دال
یہ تو سب کچھ ہے مگر ہے تجھے اسکی بھی خبر ... کس کا شرمندۂ احساں ہے ترا جاہ و جلال
کس کی انگشت کی زینت ہوئی خاتم تیری ... کون ہے جس نے جڑا اس میں نگینِ اقبال
کون ہے جس کی بدولت نظر آیا تجھ کو ... کہ ہوا روکشِ کلکتہ و پیرس بھوپال
وہ فلک قدر ہے اس بزم کی وجہِ رونق ... جس کے اقبال کے سورج کو نہیں خوفِ زوال
وہ بہارِ صدرِ چمن بند ہے اس گلشن کا ... نہیں پامالِ خزاں جس کے گلستاں کے نہال
کوکبِ تاجِ جہانبانی و عالی نسبی ... صاحبِ تاج و نگیں آیۂ امرازی بال
عہدِ فرخندۂ سلطان جہاں بیگم ہیں ... ہے سر افراز اگر عیش تو غم ہے پامال
اے بہاری ملک سایۂ حسن اکا تجھ پہ سدا ... رحمتیں خاص خدا کی ہوں ترے شاملِ حال
ذاتِ اطہر ہے تری مظہرِ شانِ عظمت ... نامِ اقدس ہے ترا مصدرِ آنِ اجلال
دانش آموز قضا ہے ترا حکمِ محکم ... بینش افروز خرد ہے تری عقلِ فعال
بسکہ خورشید نشاں ہے تری شان و شوکت ... نہیں منت کشِ پیکار کشائی خیال
جی سی ایس آئی کہیں گے بصیرت والے ... تیرے القاب کی تفصیل کا ادنیٰ اجمال

قدردانی ہے تری شہرۂ اطراف جہاں　　　آستانہ ہے ترا کعبۂ ارباب کمال
میرا پرواز سخن ناسخ نطق اقبال　　　تیرا انداز کرم ماحیٔ آئین سوال
بھرے جائیں گے مرے منہ میں ضرور آج گہر　　　گھر میں رانی کے نہیں موتیوں کا ہرگز کال
نکتہ چیں ہوتے ہیں جو ہند کی خاتونوں پر　　　نہیں کچھ کہہ سکتے مگر پیش نظر تیری مثال
ملک اور قوم پہ احسان ہیں بے حد تیرے　　　ہو زباں تیری ثنا گر نہیں اس کی یہ مجال
یہ تو عقل و خرد سے تیری نخل روشن　　　دولت فضل و ہنر سے تیرا گھر مالا مال
تو نے تعلیم کی ڈالی ہے بنائے محکم　　　تجھ کو ہے طبقۂ نسواں کی ترقی کا خیال
مائیں تعلیم کے زیور سے اگر عاری ہیں　　　تربیت پا نہیں سکتے کبھی اچھی اطفال
فلسفہ زن ہوگا زمانہ کوئی دن جاتا ہے　　　ایسی ماؤں کا نہیں دودھ بھی بچوں کو حلال
مرد لیکن یہ اگر چاہیں کہ نسواں کو پڑھائیں　　　ان خیالات سے ہیں سخت محال است و محال
مسئلہ مشکل و پیچیدہ ہے یہ کچھ ایسا ہے　　　کرے گی اسے حل تیری ہی عقل حلال

صد و سی سال رہے ملک پہ سایہ تیرا
ہوں ترے تابع فرماں شب و روز مہ و سال

دکن کا قومی ترانہ

جلی محفل جہاں ہیں شمع شعور — ہوا جس سے پیدا ارادت کا نور
دکن بن گیا غیرت اوج طور! — ہوا سایۂ حق کا جس پہ ظہور

سلامت رہیں بندگانِ حضور

فلک پایہ ہے آستانِ حضور — ہے لطفِ خدا سائبانِ حضور
سکندر سے ملتی ہے آنِ حضور — نہیں بلکہ بڑھ کر ہے شانِ حضور
نوا سنج ہیں مدح خوانِ حضور — کہ پامال ہوں دشمنانِ حضور

سلامت رہیں بندگانِ حضور

پڑا شمس کا ماند سارا نظام — ہوا جلوہ گر جب ہمارا نظام
رعایا کی آنکھوں کا تارا نظام — ہمیں دل سے اور جان سے پیارا نظام
سکندر نظام اور دارا نظام — غرض خسروی کا سہارا نظام

سلامت رہیں بندگانِ حضور

خدا نے دیا ہم کو وہ تاجدار — کرم اور شفقت ہے جس کا شعار

ہوا اُس سے قائم ہمارا وقار ! — وہ آیا تو آئی چمن میں بہار
رعایا ہے سو جان سے اُس پہ نثار — نکلتی ہے دل سے دعا بار بار

سلامت رہیں بندگانِ حضور

یہ سچ ہے حاصل و استانِ دکن — کہ آصف سے ہے صاحبِ قرانِ دکن
ہوئے جب سے تم حکمرانِ دکن — دوبالا ہوئی عز و شانِ دکن
دکن جسم ہے تم ہو جانِ دکن — نہیں بلکہ روحِ روانِ دکن

سلامت رہیں بندگانِ حضور

ترے عدل کی گرم بازاریاں — مٹا دیں گی ساری جفاکاریاں
ترے ہاتھ سے زکیں گہرباریاں — تو دامن کو پیش آئیں دشواریاں
کریں گی ہماری وفاداریاں — ترے قصرِ دولت پہ گلکاریاں

سلامت رہیں بندگانِ حضور

حقیقت ہے آئینہ دارِ حجاز — خدا کی طرح تم بھی ہو بے نیاز
گر بے نیازی پہ ہو کارساز — لقب ہے تمہارا رعایا نواز
ہمیں ہے تمہاری حکومت پہ ناز — اگر تم ہو محمود ہم ہیں ایاز

سلامت رہیں بندگانِ حضور

یہ بزمِ جہاں جب تک آباد ہو — شہا تو ہو اور حیدرآباد ہو

نئی شان اگر کوئی ایجاد ہو — تری شوکت و فر پہ ایزاد ہو
قضا کا ترے حکم پہ صاد ہو — بقا تیری دولت کی ہمزاد ہو!
سلامت رہیں بندگانِ حضور

میکدۂ دکن

عمر حیات ہوئے یا علی امام ہوئے — سب اُس کی نرگسِ مستانہ کے غلام ہوئے
علی امام پئیں اور جعفر پلائیں — دکن کے میکدہ میں یہ بادہ و جام ہوئے

بہار ہیں چمنِ مصطفیٰ کی عثمانی — کہ ان کے خون سے گلگون صبح و شام ہوئے
ہوئے وہ قدس میں جو بیگانۂ حرم کے بچے — ہمارے قتل کے کیا کیا نہ اہتمام ہوئے

ہمارے آنکھ میں نور آئے کیوں نہ آپ سے آپ
کہ شمعِ عقل خیر الوریٰ سے نظام ہوئے

۱ جون ۱۹۴۰

تقریب سعی چہارم سالگرہ

اعلیٰ حضرت حضور نظام بتتبع ذوق دہلوی

مے عرفان سے جب تک روح کا لبریز ساغر ہو — طرازِ صفحۂ توحید تا اللہ اکبر ہو
یم الہام میں کشتیِ قرآں تا شناور ہو — کتب ایماں میں جب تک گوہر دیں پیمبر ہو
الٰہی سایۂ آصف جاہ کا ہم سب کے سر پر ہو
وفا پرور ہوں ہم سب بندے وہ بندہ پرور ہو

ہے طرۂ تاج گلستاں تیری شوکت و حشمت — ہے وجہ افتخار سلطنت تیری دولت و طاقت
معین دین پیغمبر ہے تیری صولت و شوکت — نہیں گردوں فرازوں کو تیری رفعت سے کچھ نسبت
~~[illegible]~~ نہیں ہے جا اگر جمشید درباں تیرا
سکندر جس کو کہتے ہیں ترا ادنیٰ سا چاکر ہو

کرے طے دور جس حد قضا کا مرحلہ جب تک — ہو خدا ستہ جہاں کا خود و تیں تجھ پہ جب تک
نئے انداز دکھلائے عروس تجربہ جب تک — رہے دنیا میں علم و فن کا باقی مشغلہ جب تک
ترے علم و ہنر کی قدر سو فیض گستر ہو — ترا طفلِ دبستاں شانِ افلاطون و سومر ہو

ہے جب تک تمدن سایہ افگن نوعِ انساں پر
ہو جب تک لمعہ افگن پرتوِ تہذیب دوراں پر

فضا جب تک ہے باغِ ترقی کی خیاباں پر
زمیں کے محور کا ہو پاؤں تا گردونِ گرداں پر

مبارک بادشاہا تجھ کو یہ اورنگ و افسر ہو
دکن تیرے زماں میں خالِ روئے ہفت کشور ہو

ہے جب تک آسماں پر برق ظلمت میں درخشانی
ہے جب تک ابر کا زہرہ گرج سے رعد کے پانی

پہاڑوں میں ہے جب تک زلزلہ اور آتش فشانی
ہے جب تک بحر میں طوفان اور دریا میں طغیانی

ترا دشمن وبالِ آفات کے صدمے سے جانبر ہو
بچے ان سے تو اس کا سر تری تیغِ دو پیکر ہو

گماں ہو نرگسِ شہلا پہ جب تک چشمِ فتاں کا
مشابہ سنبلِ رعنا ہو جب تک زلفِ پیچاں کا

تماثل ہو رخِ دلدار جب تک ماہِ تاباں کا
قدِ جاناں پہ ہو اطلاق جب تک سروِ بستاں کا

عروسِ طبعِ روشن تیری رشکِ مہرِ انور ہو
حسینانِ معانی میں نہ اس کا کوئی ہمسر ہو

ہے جب تک مرتب جوش پر بزمِ مہ و پرویں
ہو جب تک تازہ جو رنگِ بہاری سبزہ گل و نسریں

رخِ دلدار پر بل کھاتے جب تک گیسوئے مشکیں
ہو جب تک دخترِ رز کے لئے نقدِ خرد کابیں

تری نسل ہو آباد اور تیرا گلشن ثمرور ہو
ترا ساقی رہے تا حشر نہ خالی تیرا ساغر ہو

ہمارا دل میں جب تک جوش ہے جب تک جوانی ہے ۔۔۔ تعشق میں نیاز اور ناز ہوتا دلستانی ہے
دل و دیدہ کی وہ حالت ہوتا سوز نہانی ہے ۔۔۔ ہوں جیسے مچھلیاں خشکی میں اور آنکھوں میں پانی ہے

تمنا ہے تصدق سب سراپا بادشہ پہ ہو
فدا الفت پہ کہیں دل ہو کہیں جان ہو کہیں سر ہو

گل افشاں باغباں ہر جا ہے جب تک صحن گلشن ۔۔۔ ہے تب تک تیغ انجم سے بہ گرد دل کا تا دامن
زمیں میں نقش و زر کا سب ہے موجود تا معدن ۔۔۔ در و مرجان کا جب تک بحر میں قائم ہے مخزن

ترے فیض و کرم کا شہرہ کان لعل و گوہر ہو
ترے جود و سخا کا قطرہ بحر قلزم سا سمندر ہو

نہ کیونکر ناز ہو شاہا ہمیں تیری حکومت پر ۔۔۔ کب آسکتا ہے حرف ایسے تدبر اور سیاست پہ
ہے تیری سلطنت مبنی اصول عدل و نصفت پہ ۔۔۔ بھروسہ ہے رعیت کو ترے لطف و عنایت پہ

قصیدہ در مدح آصف جاہ سادس

کیوں نظر آ رہا ہے آج رنگ چمن کھلا ہوا — کس لئے ہے بلبلوں میں آج جوش طرب بھرا ہوا
کون ہے جس کے واسطے چشم براہ خلق ہے — کون ہے جس کا انتظار حوصلہ آزما ہوا
کون ہے جس کا شیفتہ بنا ہے بلبل — کس کے لئے نگاہ کا دامن فرش پا ہوا
نقد ارادت آج ہم لائے ہیں کس کے نذر — کس پہ نثار ہونے کو حوصلہ ہے تلا ہوا
آئے وہ کس کے تاجدار باغ میں آ گئی بہار — شکر خدا ہے کردگار نخل امل ہرا ہوا
اے اسد تو ہوا دکن زندہ ترے زمانے میں — تو نے جلا دیا وہ چراغ پہلے جو تھا بجھا ہوا
پہلے جہاں تھے خار زار لالہ و گل وہاں ہیں اب — پہلے جو دشت تھا ہے اب صحن چمن بنا ہوا
بخشے تجھے وہ دور ہما نیک پے و خجستہ فال — جس نے ہمیں بنا دیا راستہ گم کیا ہوا
آصف آسماں جناب سے نہیں ہمکو تقرب — بلکہ قریں آفتاب ذرہ ناچیز ہوا
لاکھوں کروڑوں جان نثار ہیں ترے گرد حلقہ زن — ہر طرف جاں نثاروں سے ہو جیسے قمر گھرا ہوا
اس کو بھی کیا نصیب تھی تیری سی شان خسروی — نام جم کا قصوں میں اپنا بھی ہے سنا ہوا
تیرا ... سیر شہا جام جہاں نما کہیں — خلق کی حالتوں کا حال جس سے نہیں چھپا ہوا

تیری نظر وہ کیمیا ہے جسے ڈھونڈتے ہیں ہم
اٹھی اُدھر نگہ تیری بخت اُدھر رسا ہوا

کیوں نہ غرض کے نقطے سے اپنی نگاہ [illegible]
فضل خدا سے ہے بہت ہم کو نثار دیا ہوا

اٹھ گئے پھر کے دھوئیں ہو گیا ابر آب آب
جلوہ خسروی جب کرم بادشہا ترا ہوا

ان کو دماغ نکہت نسترن و سمن کہاں
جن کے لئے حضور کا لطف شمیم سا ہوا

جب تک اٹھیں اور دعا میں ہو معاملہ ہے
چشم تیری پھری ہوئی رنگ تیرا اجا ہوا

صفحۂ دہر پہ تیرے دشمن بد نہاد کا
حرف غلط کی طرح سے نام رہے مٹا ہوا

فروری ۱۹۰۳ء

آصف جاہ ہفتم اور جامعۂ اسلامیہ علیگڑھ

پس از سی روزہ عید آمد تعالی اللہ چہ عیدستے ‏‏— کہ عشرت را کلید ہشت و دولت را نویدستے
ہمانا شاہدے باشد ملیح و چابک و رعنا — کہ در بر عالمش در حالت مستی کشیدستے
غلط نبود اگر نامیدستش آں قطرۂ شبنم — کہ در ایام گل وقت سحر از گل چکیدستے
بمسند میر عثمان علی جلوہ آرا شد — جہانتاب آفتابے از دکن گوئی دمیدستے
نظام الملک آصف جاہ ہفتم سایۂ یزداں — کہ لیلش لیلۃ القدر است و روزش روز عیدستے
گہر پاش است و زرپاش است دست او بہ بذل آں — بعہد جود او رنگ از رخ حاجت پریدستے

نگاہش گر بہ یونیورسٹی افتد عجب نہ بود
کہ وقت چارہ گیری ز شاہنشہ رسیدستے

بتقریب مراجعت اعلیحضرت آصفجاہ سادس از دہلی

اس قدر فکر کے دریا میں ہے کیوں طغیانی　　کیوں ہے سیلاب مضامیں میں یہ بے پایانی
کس لئے شہپر اندیشہ ہے اس درجہ بلند　　توسن وہم میں اس درجہ ہے کیوں جولانی
جوہر طبع کے آگے ہے ثریا کیوں ماند　　پھیرتا آب سخن نور پہ ہے کیوں پانی
نثر انجم یہ ہے کس واسطے جوں چشمک زن　　گوہر نظم میں اس درجہ ہے کیوں غلطانی
عقل سے مسئلہ جس وقت یہ پوچھا میں نے　　بولی اے غوطہ زن لجۂ سرگردانی
آج دہلی سے پلٹتا ہے دکن کو وہ شاہ　　جو کہ دولت میں ہے جمشید و فریدوں ثانی
ہے شجاعت میں جو یکتا ہے تہور میں جو فرد　　شیر کا زہرہ مقابل میں ہے جس کے پانی
بھی عظمت کا دیا تحفہ خدا نے جس کو　　جس پہ ہے سایہ فگن موہبت یزدانی
طبع وقاد ہے جس کی ہے نویں جس کی رائے　　جس کی ہمت کی بلندی ہے فلک کی ثانی
غیر ممدوح نہ گر مل کے کریں صبح و مسا　　اس کی درگاہ پہ اسکندر و جم دربانی
آج اس خسرو ذیشاں کی ہے آمد آمد　　جو کہ ہے مہبط فضل و کرم ربانی
موجزن ایک نقطہ تجھ ہی میں ہے جوش رہا　　مطلع دہر اسی واسطے ہے نورانی

باغ پھولے ہیں پہ نہیں یوں ہی ترا لاجوبن   بے سبب کاہکشاں کی نہیں ہیم افشانی
مست بے وجہ نہیں کرتی مشام جاں کو   نکہت یاسمن و بوئے خوش ریحانی
ہے اسی واسطے زود دل پہ طبیعت تیری   ورنہ ظاہر تھی تری بے سر و سامانی
یہی باعث ہے کہ آراستہ ہے سب آج گلشن   طوطئ طبع تیری خوش گل افشانی
ہے قلم آج تیرا رشک عصائے موسیٰ   لحن داؤد کی غیرت تری خوش الحانی
نقش ہے آج ترا رشک نگار ارژنگ   اور تحریر تیری غیرت نقش مانی
آج وہ ساعت فرخ ہے بہ نشے بپا ہو ذرا   تجھ پہ گر رشک کریں انوری و خاقانی
عقل سے سن کے حقیقت یہ تمام اور کمال   بات جی ہی میں یہی ہے نئے دیں اپنے ٹھانی
کہ الاپوں میں بھی شعر اس سے جسے چھیڑا تھا   تا ہوا اس کام کی مشکل میں سبب مجھے آسانی
تجھ پہ نازاں ہے دکن جس طرح دین شوکت   ہند کو فخر ہے تجھ پر کہ ہے تو لاثانی
ہند میں عظمت اسلام کی منزل کے لیے   ذات اقدس ہے تیری ختم سے پیشانی
خون بہانے کو ہے تیار رغا کے لیے تیری   ٹپکے جس جا نہ ترا شاہ عرق پیشانی
دیکھتا شیخ و برہمن ہے تیرا آنکھ سے تو   تیرا مذہب ہے اگر کوئی تجھے یزدانی
عہد محبوب علی خان ہے ایسا جس میں   عیش ہے زندۂ جاوید تو غم ہے فانی
قسمت ہو گئی ہے ... بادشاہ   فلک پیر تو اس کی ہے بڑی نادانی
اے دکن ...   نام اور اپنے خود حبل متین سے وابی

ہز امپیریل مجسٹی اور ہز مجسٹی

اے شہنشاہ آفتاب رکاب — اے جہاندار آسماں درگاہ
آصف مظلہ العالی — جس پہ نازاں ہے مسند اور کلاہ
جو کہ چشم و چراغ مشرق ہے — جس پہ دنیا کی پڑ رہی ہے نگاہ
وہ تجھے وجہ قوت بازو — تو اسے موجب فزونیٔ جاہ
ایک سورج تو دوسرا ہے چاند — چرخ دولت کے تم ہو مہر اور ماہ
ہے یہ تیری دلیل رفعت شاں — کہ شہنشاہ تو ہو وہ ہو شاہ
چال وہ چل شہنشہا کہ بڑھے — یورپ اور ایشیا میں رسم و راہ
چوم لے ایشیا قدم تیرے — دیں تجھے ہم دعائیں شام و پگاہ

تو ہز امپیریل مجسٹی ہے
ہز مجسٹی نہ کیوں ہو آصف جاہ

---

۲۲ ستمبر ۱۹۱۱ء

آموں کا شکریہ

بھیجے ہیں مجھ کو آم جلالت مآب نے
ذرے کو سرفراز کیا آفتاب نے

ساقی ہے بادشاہ گدا ہے قدح بدست
کچھ آج ہی تو لطف دیا ہے شراب نے

غالب سے میں نے عالم اشراق میں کہا
تعریف کی ہے آم کی اچھی جناب نے

کثرت ہو اور مٹھاس ہی گر وصف آم کا
اس وصف میں تو نام اچھالا ہے راب نے

پھر کیوں نہ شیرہ پیجیے اور رس ہی کھائیے
جس کے منوں بہائے ہیں کولھو کی داب نے

کہنے لگے سمجھتے ہیں کیا آپ آم اسے
ترکیب جس کو دی ہو نبات اور گلاب نے

میں نے کہا ہے آم وہی جو لطیف ہوں
چھانٹا ہو ان کو پھر نظر انتخاب نے

اور انتخاب بھی ہو حضور نظام کا
شرما دیا ہے چاند کو جن کی رکاب نے

کھائی ہیں میں نے قاشیں ان آموں کی کاٹ کر
پالا تھا شہد ناب کو کوثر کے آب نے

یہ آم وہ ہیں جن کی لطافت مذاق میں
گھولی ہے حور عین کے دہن کے لعاب نے

حسرت سے میرزا نے یہ میرا بیاں سنا
خاموش کر دیا انہیں میرے جواب نے

۱۷ جون سنہ ۱۹۲۰ء

سفینۂ امت

خزاں رسیدہ چمن کو طیور زمزمہ سنج — نوید آمدِ فصلِ بہار دیتے ہیں
زمانہ قید کا برطانیہ کے زندانی — مصیبتوں میں خوشی سے گزار دیتے ہیں
وہاں بڑھی ہوئی جتنی ہے منزلت جسکی — یہاں اسی قدر اس کو فشار دیتے ہیں
نبیؐ جہاز سے طوفاں میں اپنی امت کو — کنارہ پر بسلامت اتار دیتے ہیں

دکن ہے جو سلامت یہی غنیمت ہے
وہ کب نظام کو واپس برار دیتے ہیں

خطاب بہ مسافر اروپا

ترا چوں خلق گوید صاحب تاج و نگیں استی
ہمیں یک حرف بر خوانم امیر المسلمیں استی

امان اللہ اسمے بودہ تو او را مسمّا ئے
ہمانا دولت اِنّا عرضنا را امیں استی

سرت گردم بکام اندر ترا نوش است و نیشے ہم
سم استی دشمناں را دوستاں را انگبیں استی

نہ تنہا کابل از والائیت بر خویش مے بالد
کہ فخر جمع اسلام از مراقش تا بہ چیں استی

مراں از گوشۂ خاطر شتربانانِ بطحا را
اگر بر پشتِ قلزم بستہ زینِ آہنیں استی

لاہور ۱۳ دسمبر ۱۹۲۷ء

اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خاں

امان اللہ خاں برائے دادن جاں خود در راہِ اسلام ہمیشہ حاضر است

خدا ہی دے سکے گا اجر امان اللہ خاں تجھ کو
بنایا جس نے ناموسِ نبیؐ کا پاسباں تجھ کو

رسول اللہؐ خود آکر تری عزت بڑھاویں گے
کہ ذلت ملتِ بیضا کی گزری ہے گراں تجھ کو

دکھا دے چیر کر اسلامیوں کا سینہ یورپ کو
یہ منصب سونپتا ہے کشورِ ہندوستاں تجھ کو

خلافت کی حمایت میں ہمارا نامہ بر ہو جا
بناتے ہیں مسلمانانِ ہند اپنی زباں تجھ کو

نثارِ اسلام پر ہونے کو تو ہر وقت حاضر ہے
مسلماں دیں اور دنیا میں دیکھیں کامراں تجھ کو

---

۲۵ اپریل ۱۹۳۰ء

نقشِ عید برنگِ امید

یہ عید ہو ہر ایک مسلماں کو مبارک — اور کشورِ اسلام کے سلطاں کو مبارک
نکلی ہوئیں اسلامیوں کے دل سے دعائیں — ناموسِ خلافت کے نگہباں کو مبارک
قفقاز و اناطولیہ سے تا بہ سمرقند — یہ وقت ہو ہر صاحبِ ایماں کو مبارک
ہو خسروِ کابل کیلئے صبح یہ مسعود — اور حضرت عثماں علی خاں کو مبارک
یہ عید تو اک زندگیٔ نو کی ہے تمہید — وہ زندگیٔ نو ہو مسلماں کو مبارک
مستقبلِ اسلام ہے ماضی سے ہویدا — اس آئینہ کی سیر ہو دوراں کو مبارک
آنے کو ہے جو فصلِ بہار اپنے چمن میں — سرو و سمن و سنبل و ریحاں کو مبارک
دنیا کی فضا جس سے ہے اب بھی مترنم — وہ نغمہ ہو مجھ جیسے غزل خواں کو مبارک
میں راہ سپرِ کعبہ ہوا ہوں مگر اے کاش — تلوے ہوں مرے خارِ مغیلاں کو مبارک
اے سیدِ عالی گہر اے قائدِ مظلوم — ہوں پاؤں ترے حلقۂ جولاں کو مبارک
غافل ہو فرقنا بکم البحر سے فرعون — یا رب یہ ندا موسیٰ عمراں کو مبارک
ہندی کیلئے شیوۂ ظفر کا بھی ہے محمود — طرزی کی اگر طرز ہے افغاں کو مبارک

سبحان اللہ

غازی امان اللہ خاں کے شکوۂ معلیٰ میں مولودِ مسعود کا تولد

ایسے مولود ہُوا کرتے ہیں کم تر پیدا
جن کی تعظیم کو ہو فتنۂ محشر پیدا

گرچہ معمورۂ قندھار امرکوٹ نہیں
گھر ہمایوں کے ہُوا ہے مگر اکبر پیدا

باپ ہے مہرِ منیر اور ثریّا ماں ہے
کیوں نہ مولود بھی ہو ماہِ منور پیدا

اس کے اقبال کا نقارہ بجے عالم میں
اُسکی دولت سے ہوں دارا و سکندر پیدا

اُس پہ اللہ کا اور اُس کے نبیؐ کا سایہ
اُس کی تائید کو ہوں غیب سے لشکر پیدا

---

۲۳ جنوری ۱۹۲۹ء

الوداع

از نہاد مشرق آہے جستہ مانند شرار برق غیرت شد امان اللہ خاں نامیدمش
تا بہ دہلی از بنارس تاخت بر دلہائے خلق تاجدار کشور ہندوستاں نامیدمش
آمد اندر دل بہ آئینے کہ محشر خواندمش رفت از پہلو بہ تمکینے کہ جاں نامیدمش
از جبینش آشکارا شان تسلیم و رضا کارواں سالار ابراہیمیاں نامیدمش

باش تا بینی کہ تیغش باز گردد بے نیام
منکراں را حجت آخر زماں نامیدمش

---

۲۸ مئی ۱۹۲۹ء

غازی امان اللہ خان

غم امت میں ہے چشم ہمہ اشکبار اب بھی
گہر ریزی میں ہے مصروف ابر نوبہار اب بھی

ہوا ہے دامن گل چاک ہی کو تو ورنہ گلشن میں
وہی ہیں لالہ و گل اور وہی اُن کی بہار اب بھی

دل وحشی سے اس پھندے میں الجھا ہی نہیں جاتا
ہے برہم ورنہ پہلے کی طرح زلف نگار اب بھی

اگر پہلو میں دل ہو اور تڑپ اسلام کی دل میں
برس سکتا ہے ابر رحمت پروردگار اب بھی

سلیقہ مے کشی کا ہو تو کر سکتی ہے محفل میں
نگاہ لطف ساقی تشنگی کا اعتبار اب بھی

گر اپنے خون سے کر سکتا ہو تو اس کی حنابندی
عروس ملک ہو سکتی ہے تجھ سے ہمکنار اب بھی

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اچھالی جس نے ہر طوفاں میں کشتی اہل ایماں کی
مسلمانوں کا بیڑا کر وہی سکتا ہے پار اب بھی

وہی ہے رشتہ جس نے ترک کا افغان سے جوڑا
وہی ہے اُن کا اعدا کو جو کر سکتا ہے خوار اب بھی

وہی ہے جس کے لطف خاص کے پرتو کے صدقے میں
اخوت ہے مسلمانان عالم کا شعار اب بھی

مسلمانوں کی پھر منظور تھی اس کو سرفرازی
خدا نے کر دیا پیدا امان اللہ خاں غازی

۱۹۲۳ء

غازی امان اللہ خاں سے خطاب

بہ تقریب عید اضحیٰ ۱۳۴۷ھ

شرح آں روزے کہ جمع [illegible] امت شود — [illegible] احساں [illegible] امت شود

سلطنت [illegible] دولت ایماں [illegible] — اے امان اللہ [illegible] ایمانِ امت شود

شہر یارا تکیہ بر دستے کہ دولت یافتی — خود [illegible] سازو سامانِ امت شود

اے کہ از تو شاہِ کابل [illegible] — [illegible] قرباں [illegible] امت شود

خرم آں ساعت کہ کابل [illegible] — [illegible] امت شود

[illegible] پایندہ باد

تا بقائے [illegible] امت شود

———

۲۱ مئی ۱۹۲۹ء

افق پہ ہلال عید دیکھ کر

غازی امان اللہ خان کی دعا

اے کہ تیرا لطف ہے وجہ نمود کائنات — اے کہ شامل ہے تیری بخشش خواص و عام کو
اے کہ تیرے نور نے رنگا رنگ روشن کیا — قمقموں کی طرح در و دیوار و سقف و بام کو
اے کہ خلاقی تری نازاں ہے اپنی ذات پہ — جس نے بخشا ہے دوبارہ پھر حیات اقوام کو
بخش جس نے ناتوانوں کو توانائی رہی — جس نے دنیا میں کیا ختم ستم اقوام کو
رہ گیا ہے نام عالم میں مسلماں کا بتا — اپنی یکتائی کا صدقہ پھر اچھال اس نام کو
جو چھپا آتا ہے مغرب میں ابھی تک سر بسر — پھر اسی مشرق سے پھیر دے ہمارے جام کو
عید کا یہ چاند لایا ہے نوید سرخی — تا اس کی روشنی میں گردش ایام کو
کشور ہندوستاں کے سر پہ رکھ عزت کا تاج — تاکہ آزادی ملے مصر و عراق و شام کو
ایشیا کو نغمۂ توحید سے معمور کر
تاکہ ہم پہنچائیں یورپ تک ترے پیغام کو

"ہرنگ چیال"
لاہور

عید نمبر
۱۹۲۹ء

۲۲ مارچ ۱۹۴۸ء

تاجدارِ افغانستان امان اللہ خان غازی سے خطاب

اعلیٰ حضرت کے عزمِ یورپ کی تقریب پر

اے سایۂ جلالِ خداوندِ کائنات ہیں جمع تیری ذات میں اسلام کی صفات
مغرب کے حلقہ حلقہ میں رخشاں ترا فروغ مشرق کے ذرہ ذرہ میں تیری تجلیات
ہیں زندہ تجھ سے غزنویوں کی روایتیں اب تک ہے جن سے لرزہ براندام سومنات
کابل میں تیرے سطوتِ خسروانہ ہے حل ہو رہی ہیں ملتِ بیضا کی مشکلات
ہندوستان کو بھی تری ہمت بلند دیتی ہے درس نکتۂ آزادیِ حیات
یورپ کی سیر کے لئے جا اور خوشی سے جا اور جاتے جاتے سن لے ہماری بھی ایک بات
وقتِ سحر قریب ہے پھٹنے لگی ہے پو اور ختم ہونے کو ہے سیہ بختیوں کی رات
کر جا کے تو دھون یہ کا علم بلند دیں کا جو ہو حلیف ملا اُس کو اپنے سات
اُس چشمِ جادوانہ کی افسوں گری سے بچ اب تک نہ جس سے بابلیوں کو ملی نجات
اسلام رکھ کے ہار دے باقی ہر ایک نرد پھر تیری جیت ہے بہ تقبیلِ مسلمات
شاہا دو رُخ بدہ و دل آرام را مدہ فیل و پیادہ پیش کن و اسپ کشت مات

اسلام کا مہرِ درخشاں غازی امان اللہ خاں

امان اللہ خاں فخرِ سلاطینِ زماں تو ہے
کہ ناموسِ رسولِ ہاشمی کا پاسباں تو ہے

تری دہلیز کو آکر فرشتے چوم لیتے ہیں
کہ خاکِ آستانِ سرورِ کون و مکاں تو ہے

مسلمانوں کی بنیاد پہ آیا ہے نوح کا طوفاں
تو طوفاں میں بہ رنگِ موجِ گوناگوں نہاں تو ہے

ہمارے دردِ دل کی شرح تیری نطق نے کر دی
ہمیں کیا ڈر ہو جب ہم بے زبانوں کی زباں تو ہے

ترا نور ایشیا کو مطلعِ انوار کر دے گا
چراغِ ایزد افروز امان اللہ خاں تو ہے

حدی خواں چارہ گر ہے آپ محمل کی گرانی کا
نہیں کچھ کارواں کو غم کہ میرِ کارواں تو ہے

نہیں برطانیہ کو خوف کچھ بھی امن کا خدشہ تک
رفیقِ تاجدارِ کشورِ ہندوستاں تو ہے

امان اللہ خاں غازی ربّ کعبہ کے آستانہ پر

اے کہ از خطۂ دور بحجاز آمدۂ — جاں فشانے تو کہ اسلام نواز آمدۂ

بر در کعبہ خروش است کہ صد قافلہ جاں — بہر بیعت بہ ستانت کہ بہ نماز آمدۂ

سینۂ ما ہاں تو شد در رش ایماں با غیب — ہیچو ما ہاں تو بہ کعبہ بہ نیاز آمدۂ

سایۂ رحمت سالار دو عالم بہ سرت — کہ بہ رہ عشق اے دوست دراز آمدۂ

وقت آن است ازانت کہ جنگ تاکن

کہ حبیب است کہ بہ بزم نیاز آمدۂ

---

۲۵ اپریل ۱۹۲۸ء

غازی امان اللہ خاں

بھری محفل میں پھر اپنی دل آزا داستاں کہیے
پھر اپنے بخت کو اور اپنی دولت کو جواں کہیے

کہاں تک شکوۂ بے مہری دورِ زماں کہیے
کہاں تک قصۂ بیدادِ ابنائے زماں کہیے

پیامِ تازہ کہیے ملتِ بیضا کی شوکت کو
اور اس کے زندہ پیکر کو امان اللہ خاں کہیے

جسے کہیے کبھی اورنگ زیب اس روزِ فرخ کا
جسے اپنے زمانہ کا کبھی الپ ارسلاں کہیے

مسلمانانِ مشرق کی نگاہیں اس سے قائم ہیں
اُسے ہندوستاں کے بے زبانوں کی زباں کہیے

لگائے چار چاند اسلام کو اس کی نظر سے ہیں
اُسے شرعِ نبی کی آبرو کا پاسباں کہیے

ہے پُر علم و حکمت سے اگر معمورۂ کابل
تو اس کو ماہ کہیے مہر کہیے جاوداں کہیے

مسلماں آج بھی ہیں زندہ جس کا نام لے لے کے
اسے اس سطوتِ کبریٰ کی رفعت کا نشاں کہیے

بنایا کفر کو جس نے حنیفِ پاک کی صورت
اسے دینِ حجازی کی ہی سیلِ رواں کہیے

کبھی خطۂ غزنی کو جس بجلی نے تڑپایا
وہ چمکے ان کے خنجر کے سوا اور اب کہاں کہیے

لاہور ۲۵ فروری ۱۹۲۸ء

نوید غیب

اڑتی سی اک خبر بھی آئی ہے غیب سے
دارالامان میں ایک نئے انقلاب کی

کابل کی خاک لا نہیں سکتی زیادہ تاب
موجودہ دور کے ستم بے حساب کی

یارب ہو قطع سلسلہ ظالم کے جبر کا
شام و سحر دعا ہے یہ اک شیخ و شاب کی

پیاسے جو تھے وہ تا بہ سر آب آ گئے
اور جاننے لگے ہیں حقیقت سراب کی

یاد آ رہی ہے ہر دل احسان شناس کو
آج اپنے تاجدار ثریا جناب کی

ہوتا ہے پھر بلند امان اللہی علم
دیتی ہے جس کو بوسہ کرن آفتاب کی

---

۲۶ مارچ ۱۹۳۱ء

ڈوبے ہوئے بیڑے کے اچھلنے کی تمنا

امان اللہ خاں بد دل نہ ہو وہ دن بھی آتا ہے — کہ پھر چل کر تری دولت ترے گھر سے نکل آئے
ترا صبر آسماں سے کھینچ لائے حق کی رحمت کو — اور اس رحمت کا چشمہ تیرے قدموں میں ابل آئے
پھریرا تیرا پھر لہرائے قندھار اور غزنی پر — ترے قبضہ میں کابل آئے اور ساتھ اس کے کل آئے
بکھیرے اپنے جلوے پھر ترا اقبال مشرق میں — یہ سورج جب عداوت پردۂ شب سے نکل آئے
سعادت پر گوارا ہو نہیں سکتا ترا جانا — نظام ایشیا میں جب کہ جاتے ہی خلل آئے
سمندر میں ناؤ تیری ڈوب گئی ہے یک بیک لیکن — تعجب کیا ہے تیرا بیڑا غرق ہو کر پھر اچھل آئے
کہ ہم نے انقلاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

---

۱۵ جون ۱۹۲۹ء

کابل کے گدھے

ہوا کرتے ہیں پیدا رات دن سقوں کے گھر بچے
مگر ہر روز امان اللہ خاں پیدا نہیں ہوتے

بہت سے تاجدار اب بھی نظر آتے ہیں دنیا میں
مگر اس شان کے صاحب قرآں پیدا نہیں ہوتے

رقیب رو سیہ جس سے سر اپنا رات دن پھوڑے
با آسانی وہ سنگ آستاں پیدا نہیں ہوتے

وہ جب ہوجو دیتے تم ہی تو کس منہ سے یہ کہتے ہو
کہ ناموس نبی کے پاسباں پیدا نہیں ہوتے

نشاں اپنا مٹایا آپ اور اس پہ یہ شکوہ ہے
مسلمانوں کی عزت کے نشاں پیدا نہیں ہوتے

گدھوں کی آج کل کابل میں ہے ایسی فراوانی
گماں ہونے لگا انساں یہاں پیدا نہیں ہوتے

---

۱۸ جنوری ۱۹۲۹ء

اورنگ زیبؒ کی زنارسوزیوں کا افسانہ

کہتے ہیں کھانا نہ کھاتا تھا کبھی اورنگ زیبؒ
بتکدے جس وقت تک چار ڈھا لیتا نہ تھا

تکیہ بستر پہ لگا کر وہ نہ بیٹھا تھا کبھی
مندروں کی مسجدیں جب تک بنا لیتا نہ تھا

بات تک کرنی اُسے دشوار تھی دربار میں
کلمہ جب تک بت پرستوں کو پڑھا لیتا نہ تھا

لوٹتا رہتا تھا انگاروں پہ اگلی صبح تک
آگ میں زنار اگر من بھر جلا لیتا نہ تھا

تیغ کو رکھتا تھا عریاں اندریں جس وقت تک
ہندوؤں کے خوں سے پیاس اسکی بجھا لیتا نہ تھا

کوئی دن ایسا نہیں گذرا ہے اُسکے عہد میں
جب وہ گنتی کلمہ گوؤں کی بڑھا لیتا نہ تھا

گر یہ سچ ہے پھر یہ سب ہندو کہاں سے آگئے
ہوں گے تارے ٹوٹ کر جو آسماں سے آگئے

لا اله الا الله محمد رسول الله

بنظر انور ملازمان صدر صفهٔ شهریاری و بدر سپهر تاجداری خاقان ابن الخاقان سلطان بن سلطان شهنشاه بحر و بر خادم الحرمین الشریفین امیر المؤمنین خلیفة المسلمین اعلی حضرت سکندر شوکت سلیمان حشمت محمد خان خامس مد ظله العالی خلد الله ملکه و افاض علی العالمین بره و احسانه

بسلطان ما ز غلامانش همین یک التجا باشد — که ما در پای او باشیم و او در چشم ما باشد
خلافت مدعا جوید که ما از آن سلطانیم — اخوت مدعا گوید که او از آن ما باشد
مسلمانان عالم را مثال اختران بینیم — محمد خامس اندر اختران بدر الدجی باشد

ز دست رفت اگر رومیلیا دل بد مکن شاها — بدست آور دو ملکی که با جنبش آسیا باشد
مسخر کشور دل را نمود اقبال سلطانی — همی نازیم جانها را که بر رایت فدا باشد
بیک جنبش گر ابروت اشارت می کند مارا — ز مشرق تا به مغرب صد قیامت رونما باشد

هلال از بدر شد کاهید نحسش لازم بود اما — خوش آن کاهش که صد افزونیش اندر قفا باشد

عذابے دشمنانِ ملتِ بیضا ازاں ساعت
کہ در دستِ امیرِ والیے مصطفےٰ باشد

حدیثِ انتم الاعلون از یادم نخواہد رفت
محال ست ایں کہ مغلوبِ امتِ خیر الورےٰ باشد

اگر خونش حیاتِ تازہ بخشد جسمِ زیبا را
بخون غلطیدنِ ملت کیشی بارہا باشد

پیامِ الفت از دہلی بہ استنبول آوردم
مثالِ بوئے گل ہستم کہ بر دوشِ صبا باشد

قسطنطنیہ ۲۷ رجب ۱۳۳۱ھ

غازی محمد عبدالکریم قاید مجاہدین ریف

اے کہ کھینچے ہوئے اسلام کی صمصام ہو تو
آج کل سب سے بڑا غازیٔ اسلام ہے تو

اپنے اوپر تجھے ہسپانیہ کرتا ہے قیاس
یعنی کہتا ہے کہ خورشید لب بام ہے تو

تیری ہیبت سے ہوا لرزہ براندام فرانس
اس کی سطوت کے لیے موت کا پیغام ہے تو

مصطفیٰ مشرق ادنیٰ میں ہے جس پہ نازاں
کر رہا مغرب اقصیٰ میں وہی کام ہے تو

خالد و طارق و محمود تھے جس سے سرشار
اسی صہبا کا چھلکتا ہوا اک جام ہے تو

پھر زمانہ کو دکھا شوکت اسلام کا رنگ
اے کہ کھینچے ہوئے اسلام کی صمصام ہو تو

---

۶ مئی سنہ ۱۹۲۶ء

اسلامی روایات

قتل حسین

[illegible] یاد امام الشہدا کی — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible] گلستاں [illegible]

[illegible] حق [illegible] — [illegible]

[illegible] حسین [illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] یاد کریں گے
[illegible] یاد کریں گے

[illegible]
[illegible]

[illegible] یاد کریں گے
[illegible]

[illegible] یاد کریں گے
[illegible]

[illegible] یاد کریں گے
[illegible]

[illegible] یاد کریں گے
[illegible]

[illegible] یاد کریں گے
[illegible]

[illegible] یاد کریں گے
[illegible]

[illegible] یاد کریں گے
[illegible]

[illegible] یاد کریں گے
[illegible]

[illegible] یاد کریں گے
[illegible]

[illegible] یاد کریں گے
[illegible]

[illegible] یاد کریں گے

کہہ دو یہ سحر آغا سے کہ تو ہے کس کا فرزند
خود اپنے ہی خلف سے طلب امداد کریں گے

ہرگز نہ گدائی کے لئے جائیں گے لندن
ترک کچ سے یہ شیوہ و مقداد کریں گے

نہ لیں گے کا فرش اور لندن جا کے نئی کرسی
مظلوم حبیب اللہ سے فریاد کریں گے

اسلام کے دربار سے جو فیصلہ ہوگا
بالکل اسی فیصلہ پہ صاد کریں گے

علامہ احمد بن نصر محدث بغداد کی شہادت

شاید یہ واثق کا عقیدہ کہ ہر اک شخص
کیوں نہ مانے جو نہیں معتزلی ہے

دشمنی یہ تھی کہ قرآن نہیں مخلوق
نسبت معتصم کی طرح طبع جلی ہے

شیاطین نہیں مومن کہ جو سنت کے ہیں ثبت
ایمان کی تفسیر سے سلطان بھی ہے

اس کشمکش میں ہوا احمد سے قتل
تقدیر یہی تھی جو سلطان کی ڈالی ہے

سر کاٹ دیا تو فرش قتل سے یہ کھیلا
ثابت یہ کیا ان کے شہ وقت کی کج ہے

ہونٹوں سے تلاوت کا ترنم تھا الٰہی کا یہ رنگ
کہ آیات الٰہی کی تلاوت میں وہی ہے

احمد کا لہو آج بھی دیتا ہے شہادت
قرآن کی ہر آیت ابدی ہے ازلی ہے

ہے سنت اسلام الٰہی جو بڑی قدرتی
یہ عمل اہل حق سے چلا ہے چلی ہے

مومن کی ہمت بلند

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جمعیۃ العلماء کے فتوٰی کی تبلیغ

[illegible] — فتویٰ ہی دیا ہم کو انہوں نے علما کا

[illegible] — اس پہ بھی وہ قائل ہیں اسی انداز سے ادا کا

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible]

قانون کی ضبطی تو ابھی ہے خدا کا

۱۵ ستمبر ۱۹۲۱ء

شہیدانِ حریت کی یاد میں

[illegible]   [illegible]

[illegible]   [illegible]

[illegible]   [illegible]

[illegible]   [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فرزندانِ سرحد

ملک الموت کو خاطر میں نہ لانے والے
گولیاں تانے ہوئے سینوں پہ کھانے والے

قبر تک جبر کو سہتے ہوئے جانے والے
صبر کا معجزہ دنیا کو دکھانے والے

رنگ اسلام کا محفل میں جمانے والے
اپنے ہی خون شہادت میں نہانے والے

اپنے اقبال کا نقارہ بجانے والے
ناچ طاغوت کو تگنی کا نچانے والے

دل کی بستی کو محبت سے بسانے والے
شیخ کا جوڑ برہمن سے ملانے والے

ہندوؤں کے لئے گھر بار لٹانے والے
شانِ ایثار زمانہ کو دکھانے والے

کشورِ ہند کو آزاد کرانے والے
نام مشرق سے غلامی کا مٹانے والے

جانتے بھی ہو کہ کس خاک سے اٹھی ہے یہ قوم
جس کے گن گاتے ہیں اغیار بھی گانے والے

فخر ہے صوبۂ سرحد کو کہ اس کے فرزند
ہیں خیبر اس کی شجاعت کا اٹھانے والے

دنگ ہیں دیکھ کے اس قوم کے یہ رنگ ڈھنگ
نام حق بولنے اور اس کو گرانے والے

تجن فرنگ۔ گجرات پنجاب

پیغامِ بقا

مے کشو مژدہ! کہ یثرب کی شرابِ گلرنگ — ہو کے کشمیر کی بھٹی سے کشید آتی ہے
منتظر حلقۂ توحید تھا جس ساعت کا — خوش ہو لاہور کہ ساعت وہ سعید آتی ہے
اسی خطے سے جو کل تک تھا غلامی کا نقیب — آج آزادیٔ کامل کی نوید آتی ہے
قاصد احرار کا چھوٹ گیا خط لیکر — کاغذ سرخ پہ اس خط کی رسید آتی ہے

کچھ بھی وقرِ ملت بیضا کا نہ رہا
لے کے پیغام بقا نعش شہید آتی ہے

لاہور ۳ نومبر ۱۹۳۱ء

جیشِ رضاکارانِ کوچین

ہم دانش و حکمت کے انبار لگا دیں گے — کوچین کو شرق کا غرناطہ بنا دیں گے
ہم قوم کے سینوں میں دولت کے نشیمن ہیں — اللہ کے رستے میں دولت یہ لٹائیں گے
تو پیٹ کے بیٹے ہیں کس بات پہ بیٹھے ہیں — ہم شرک کی رسموں کو بستی سے مٹا دیں گے
ایماں کے حقائق ہیں شامل ہیں رسالت بھی — ہم طبقۂ نسواں کو حق اس کا دلا دیں گے
اوقاف کو سمجھے جو اپنے تصرف میں — قرآن کی وعید ان کو سمجھا دیں گے
اسراف کے شیدائی شیطان کے ہیں بھائی — اللہ سے خود اس کی تصدیق کرا دیں گے
خوشنودیِ پیغمبر ہر شے سے مقدم ہے — ہم اپنے بزرگوں کو یہ نکتہ سمجھا دیں گے
ناموسِ شریعت کا پاس آپ کو کرنا ہوگا — ہم اللہ کے رستے میں آنکھوں کو بچھا دیں گے
لیکن اگر سب ... اس کی — ہم جنگ کی بھٹی بھی فی الفور بجھا دیں گے
ہر گھر میں جہالت کا اک سلسلہ ... — نقش ... ہم ... کو مٹا دیں گے
ہم حق کے سپاہی ہیں باطل کی تباہی ہیں — آ جائیں اگر دشمن میدان سے بھگا دیں گے
جس دل میں کہ بغض ہو ... — ہم قیدِ غلامی سے ملت کو چھڑا دیں گے

قرولِ باغیٔ فتنہ

فرماتے ہیں امامِ شریعت بہار کے — تقلیدِ شیوۂ حسنِ مجتبیٰ کرو
مانا انہوں نے کوفہ کا جس طرح اقتدار — تم بھی قرول باغیوں کی اقتدا کرو
شرعاً اگر روا تھی امامت یزید کی — پھر کیوں نہ آج بھی وہی سنت ادا کرو
امت کو افتراق سے جس نے بچا لیا — اس اسوۂ حسن کا وظیفہ پڑھا کرو
جب جاہلوں سے عہد برآ تم نہ ہو سکے — پھر مصلحت یہ ہے کہ انہیں کا کہا کرو
ان سب کے رہنما کی قیادت کرو قبول — اس وقت کے امام کا جھنڈا کھڑا کرو
اس ملک کی نجات محمد علی سے ہے — جو راہ وہ دکھائے اسی پر چلا کرو
ازبسکہ تم ہو فنِ سیاست سے نابلد — درس اس کے سب نکات کا اس سے لیا کرو
اور ان کے آستانہ پہ لے جائے گر تمہیں — اس کا طواف شوق سے بے شک کیا کرو
گر عالمانِ دین کو سنائے وہ جھڑکیاں — ان پہ گمانِ خلقِ رسولِ خدا کرو
القصہ عافیت ہے اسی میں کہ آج کل — جو کچھ کہے یہ جاہلِ عالم نما کرو
حق میں نہیں ہے تاب کہ ہو خنجر آزما — باطل کا حکم ہے کہ سبھی سے دبا کرو

تلاش کی ہے حضرت سجاد سے یزید
پھر یاد واقعۂ کربلا کرو

سہمے ہوئے ہو کیوں سفہا کی پکار سے
آزادیٔ ضمیر کا نعرہ بپا کرو

ان کا علم گرا ہے اگر کان پور میں
دہلی میں سر بلند تم اپنا لوا کرو

سر سے کفن لپیٹ لو اور اپنی جان کو
ناموسِ شرعِ مصطفوی پر فدا کرو

جب پڑ رہی ہے زد علما کے وقار پہ
لازم نہ تھا مظاہرہ اس عجز کا کرو

کچھ بھی نہیں ہے فائدہ اس سعد دشمنی سے
نسبت تمہیں جو حق سے ہے تو ہم کو حسین سے

---

۲۲ دسمبر ۱۹۲۹ء

سنتِ اسلاف

ملت میں ناچتی ہیں کہاں کی بلائیں
معشوقۂ لندن کی ہیں تازہ ادائیں

خیبر کو ہلا دیں گی بیاباں سے اک دن
پنجاب سے اٹھی ہیں جو گھنگھور گھٹائیں

اسلاف کی سنت کو کریں تازہ مسلماں
اور خون شہادت سے کفن میں نہائیں

زنجیر کی جھنکار سے زندان کو ہلا کر
ان کو بھی جو قید ہیں دیوانہ بنائیں

اسلام اور ایمان کی پہلی ہے یہی شرط
میدان میں کفن سر سے لپیٹے ہوئے آئیں

سر رکھ کے ہتھیلی پہ جو پھر نوک سناں پہ
نظارہ پھر اک بار وہ دنیا کو دکھائیں

بیداد کی لعنت سے کریں پاک وطن کو
آفاق سے آثار غلامی کے مٹائیں

ہے جن کے سبب سے لبِ اظہار پہ مُہر
پیغام بھی آزادیٔ کامل کا سنائیں

انجمن اصلاح تمدن حیدرآباد کا سالانہ جلسہ دسمبر ۱۹۰۳ء

عندلیب زار کو شکل گلشن چاہیے
قوم کو تائید اصلاح تمدن چاہیے

نغمہ وہ سستہ ایام دل وا رستہ تھا
چھیڑتی اب ہم کو شور افگن کوئی دھن چاہیے

اے فلاک قوم عشرت پہ سنگ بیداری کیلئے
تجھ کو بہر رہ اک نیا سنگ فلاخن چاہیے

چاہیئے پیہم گوش ابوق دکو سنس علم پر تل
ہم کو سائنس کی ہر روئی روئیں اور تن تن چاہیے

چاہیے غیروں کو جست اور ہمیں دوڑ اسا ہی
استقامت اُن کو اور ہم کو تلون چاہیے

گھر میں کیا لانے کو نہ ہو شادی بیاہوں میں مگر
قرض ہی لے لے کے پیسا ناہیں پن چاہیے

کچھ نہ ہم سمجھے کہ کیا ہیں معنی لاتسرفوا
صرف تو اپنی حماقت کا تقابن چاہیے

ہم تو نکبت میں گھر سکتا کہاں تک آسمان
آخر اس کی کوئی حد تباون چاہیے

عزم کر بیٹھے معظم جب آدا سنجان وقت
قوم کو اک بزم اصلاح تمدن چاہیے

اس نے ٹھیرایا ہے مقصد اپنا اصلاح رسوم
عقدہ سمجھیں ہیں تو کہنا اس کو ناخن چاہیے

سرپرست اس انجمن کے کرنل افسر جنگ ہیں
تجھ کو بھی اے سخت لب عشق تعاون چاہیے

وقت آ پہنچا کہ ہو مسدود باب انحطاط
جڑ میں اک پیا بڑی رسموں کی اب گھن چاہیے

شکر میں پاس نعمت عظمیٰ کے بھولا تو منا | نعل اسپ شہسوار عرصۂ کن چاہیے
قوم میں پیدا ہو جس سے جوہر مردانگی | ہم کو تفریح ایسی اور ایسا تفنن چاہیے

قوم وہ اچھی ہے جس میں سب کی ہوں اچھی تمام
ہر مہذب قوم میں ہونا یہی گن چاہیے

ہرمزان

وہ تیغ جس کی چمک برق طور سے کے مانند | بنی تھی روشنی دیدۂ جہاں کے لئے
چلائی سعد نے جب قادسیہ میں آ کر | تو قدسیوں نے قدم آ کے تیغ زن کے لئے
اس ایک فتح نے ایران کو کیا تسخیر | رہی نہ کوئی کمی دودۂ کیاں کے لئے
مقاومت کے دکھلائے عدو نے گرچہ جوہر | یہ فخر وقت تھا بازوئے ہرمزان کے لئے
گئی عجم کی غنیمت مدینہ کو جس وقت | کہ تھا وہ منتظر اس گنج شائگاں کے لئے
تو ہرمزان کے بارہ میں سعد نے لکھا | بلا یہ ایک ہے اسلامیوں کی جان کے لئے

ہوا جناب عمرؓ کا یہ فیصلہ اس پر — سزائے موت ہے اس دشمن اماں کے لیے
پھر ہرمزاں نے کہا پہلے قتل سے پانی — پلاؤ مجھ کو خداوند انس و جاں کے لیے
دیا گیا جب اسے آب خوردہ پانی کا — تامل اس نے کیا شاید امتحاں کے لیے
تسلی اس کو جناب عمرؓ نے دی اس طرح — زباں ہے قول کو اور قول ہے زباں کے لیے
تو تیرے حلق سے جب تک اتر لے یہ پانی — حرام قتل ہے ترا خنجر و سناں کے لیے
پٹک کے اس نے پیالہ کہا کہ خوف نہیں اب — ملی نجات تجھے عمر جاوداں کے لیے
اماں ملی مجھ کو ہے فرض عہد کا پاس — حریم احمد مرسل کے پاسباں کے لیے

سنا یہ جان گرامی ہو دین احمد پر
بنا ہے آج سے اسلام ہرمزاں کے لیے

دسمبر ۱۹۱۶ء

اسلام بہ کوریٔ بخت اوہام

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَا تَنْکَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ

مصطفیٰ جب خاک میں بیٹے کو آئے دفن کر — دل شکستہ تھا کلیجہ پارہ پارہ تھا جگر

کہتی تھی شانِ رسالت یہ وقت صبر و شکر — گرچہ تھا دل کا تقاضا رو دے جی کھول کر

تھے صحابہ بھی شریک اس غم میں پیغمبر کے ساتھ — سب کے دل اس صدمۂ جانکاہ سے تھے پُر اثر

اتفاقاً آفتاب اس دن گہن میں آ گیا — ظلمتستان بن گیا جس سے زمانہ سربسر

اک صحابی نے کہا از رہ عقیدت یہ کہ آج — "سوگوار اس غم میں سورج بھی ہے یا خیر البشر"

جو جواب اس بات کا اس کو پیمبر نے دیا — آبِ زر سے نقش ہے صفحۂ تاریخ پر

"کیا تعلق آدمی کے غم سے سورج کو بھلا

اک نشانِ قدرتِ حق ہے کسوف اے بے خبر"

یکم جون ۱۹۱۴ء

فسطاط

مصر کا عمرو بن العاص نے جب عزم کیا
نصرت حق کا ملک لائے فلک سے پیغام

فوج کے قلب میں ہے جلوہ فگن تائید فروج
پاس ہے جھرمٹ میں ستاروں کے گھرا ماہ تمام

جھومتی آتی ہے مستانہ عسکر کی تدبیر
چومتی جاتی ہے تقدیر رکاب اسلام

لاتے والے تھے مقوقس کو وہ کب خاطر میں
ہاتھ میں جا کے بنا آئے جو کسریٰ کو غلام

ان کے اندازہ میں تھی مصر کی دولت کیا چیز
جن کی ہمت سے ہوا فیصلۂ قسمت شام

نیل پہ جا کے غرض ڈال دیا انہوں نے پڑاؤ
نصب کچھ دور ہوئے ریت میں لشکر کے خیام

پہلے ہی دن ہوئے اس راز سے قبطی آگاہ
سر سے لوٹ کے جائیں گے نہ مسلم ناکام

مصر نے جان لڑائی میں لڑا دی لیکن
آ چکا تھا نظر آغاز میں اس کا انجام

جنگ اور اس کے تسلسل کی یہ کیفیت تھی
کہ مہینوں کو جدا ہو گئے شمشیر و نیام

مصر کو جب یہ ہوا سر تو دیا عمرو نے حکم
کہ اب آ کے یہیں پائیں سعادت فرجام

عزم سے آ کے یہ خادم نے کہا خیمہ میں
آشیاں بنا گئی دن سے ہے ایک حمام

انڈے سے بچے بھی کچھ نکلے ہیں اس گھونسلے میں
لا کے چوگا وہ کھلاتا ہے انہیں صبح و شام

حکم اگر ہو تو لیا جائے یہ خیمہ بھی اکھاڑ — لد چکے ڈیرے کے اونٹوں پہ ہیں لشکر کے خیام
عمروؓ نے سن کے یہ بات اپنے ملازم سے کہا — کر دیا خیمہ ہبہ میں نے کبوتر ہی کے نام
میرے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے — میرے آرام پہ ہے اس کا مقدم آرام

شہر اک اسلام نے آباد کیا پُر رونق — تھا کبوتر کا جہاں عمروؓ کے خیمہ میں قیام
خیمہ کے واسطے نام عربی ہے فسطاط — پڑ گیا اس کے لئے فسطاط ہی اس شہر کا نام
جاں فدا اُس چمن آرائے حجازی پہ مری — جس کے اخلاق کی نکہت سے معطر ہے مشام

ہو کبوتر سے جب اسلام کا ایسا برتاؤ
کیوں نہ یہ دیں ہو دنیا کے لئے رحمتِ عام

---

۱۶ ستمبر ۱۹۱۶ء

سلفِ صالحین

وہ مسلماں کہاں اگلے زمانے والے
گردنیں قیصر و کسریٰ کی جھکانے والے

امتیازِ ابیض و اسود کا مٹانے والے
حقِ انساں کو اخوت کا پڑھانے والے

بات کیا تھی کہ نہ روما سے نہ ایراں سے دبے
چند بے تربیت اونٹوں کو چرانے والے

بیر کیا تھا جو آپس میں ملے تھے نہ کبھی
ہو گئے مشرق و مغرب کے ملانے والے

جن کو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکا
بن گئے خاک کو اکسیر بنانے والے

پیشوائی کو نکل آئی خدائی ساری
گھر سے نکلے جو محمد کے گھرانے والے

خم و خمخانہ بھی ہے مہر و نشاں بھی ہے وہی
نہیں ملتے ہیں مگر خم کے لنڈھانے والے

وہی نیساں ہے گہر بھی ابھی تک لیکن
نظر آتے نہیں گوہر کے لٹانے والے

کیا سکھاتے ہیں تمدن کی حقیقت ہم کو
آج قرآن کی دولت کے چرانے والے

فیض کس کا ہے یہ اس پر بھی کبھی غور کریں
اپنی تہذیب کا افسانہ سنانے والے

بادشاہی میں فقیری کا چلن رکھتے ہیں
دوش پر بارِ امانت کا اٹھانے والے

نہ دبے ہیں کبھی باطل سے نہ دب سکتے ہیں
گردنیں فتنے کے رستے میں کٹانے والے

آشنا ذوق اسیری سے ہو میری مانند
شعر کہتے ہوں اگر وجد میں لانے والے

خلافت کی بنیاد

نئی اک قبا کو سلاتے ہو سنئے
خلافت کی بنیاد اکھیڑو گے تم

تو اچھی طرح سے سمجھ لو یہ بات
خود اپنے ہی بخئے ادھیڑو گے تم

عرب تو عجم سے الگ ہی ہو
کہاں تک یہ جھگڑے نبیڑو گے تم

نہ دیں گے تمہیں چین سے جینے کبھی
ستائے ہوؤں کو جو چھیڑو گے تم

بچا لو گے ہندوستاں کو اگر
ذرا پاؤں اپنے سکیڑو گے تم

۶ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء

اخلاقِ مرتضویؓ

روایت ہے کہ اک سرکش یہودی
ہوا جنگ آزما شیرِ خدا سے

نہ تھا اس امر سے شاید وہ آگاہ
کہ یہ کشتی وہ لڑتا ہے قضا سے

جو اپنی جان کا ہو آپ دشمن
وہی الجھے علیؓ مرتضیٰ سے

ہوا واقف وہ پہلی ہی پکڑ میں
علیؓ کے زورِ مرحب آزما سے

زمیں پر آ رہا گر تا ہے جس طرح
خزاں کا آخری پتہ ہوا سے

گھڑی تھی موت اس کے سر پر اس وقت
نہ تھا اس کو مفر سیلِ فنا سے

بہ نوکِ ذوالفقار اس کے لہو کے
نظر آتے تھے عرش و فرش پیاسے

یہودی نے یہ جب دیکھا کہ ہرگز
نہیں ممکن ہے بچنا اس بلا سے

مقابل چاند تھا تھوکا اسی پر
طبیعت کے پرانے اقتضا سے

کہ نکلے آخری نفرت کی حسرت
اسی جلے دلِ کفر آشنا سے

یہ گستاخانہ اور بے ہودہ حرکت
جونہی سرزد ہوئی اس ناسزا سے

معاً رد کا علیؓ نے ہاتھ اپنا
وہ جو دو ہاتھ آگے تھا قضا سے

کیا تھا گو معاف اور یہ خطا بھی — مئے احساں سے تھا لبریز کاسہ
جو پائی ہے نوازش کچھ سوا تھی — عطائیں پہنچتی جاتی تھیں خطا سے
یہودی بن گیا تصویرِ حیرت — امیر المومنین کی اس ادا سے
لگا کہنے کہ اے سردارِ ذی جاہ — یہ سب کچھ کیوں ہے پیچھے اور کس بنا سے
مجھے کیوں آپ نے مجروح رکھا — مرے مغلوب ہونے کی بنا سے
کیا کیوں میری اس گستاخی سے اغماض — جو سبقت تھی مرے دشمن کی انتہا سے
سنا تھا آپ کے حلم کا یہ تصور — ہے بالاتر مری ہر فکرِ رسا سے
جواب اس کو دیا بانکے کمال نے — ملا اس کو سبق کلکِ قضا سے
جو تو تھوکا تو مجھ کو غصہ آگیا تھا — مجھے اس غیظ سے فعلِ ناروا سے
مگر یہ مقصد رکھتا تھا تعلق — فقط یہ بھی تو تھی نفسِ خود کا سے
ہوں اس حالت میں تجھ کو قتل کرتا — تو ہوتا عمر کی خود سے خدا سے
کریں جو کام بھی کرتا ہوں ایسے میں — غرض ہوتی ہے مولا کی رضا سے
یہودی سن چکا تقریرِ حبیب — یہ ارشاد انتہا کی ابتدا سے
پکار اٹھا کہ ہے اسلام سچا — ہے دینا تھا تم اس دینِ ہدیٰ سے
تہی داماں رہا ہوں آج تک میں — چھوڑتا ہوں اب اس دنیا سے سرا
مرا گلہ شکستہ اور غلام ہوں گا — اب اس شمعِ فروزاں کی ضیا سے

دستر تاپی کروں گا آج سے کے بعد   خدا سے اور محمد مصطفیٰ سے

شکوۂ مسلم

۱۸۳

تجھے مسلم اپنی کمی کی ہے خبر کہ ہے شیوہ کم طلبی ترا
ہے بلند اگر کبھی ہوئی تو سبب تو ہے عربی ترا
تو ہے آسکے کہیں نہ جھکیں پلک تجھے سجدہ کیوں نہ کرے فلک
کہ خدا ہے ہم نشیں ترا تو نبی سے ہے مطلبی ترا
ہے شراب جس کا نشہ وہی کہ اٹھا اضطراب فراق سے
کبھی کولہو ہے کبھی ترا کبھی شیشہ ہے حلبی ترا
پہ غلام جائیں گی آپ کل ہے نصرت شہ دوسرا
اگر ان کے کان میں پڑ گیا کبھی نالہ نیم شبی ترا

شہید کربلا

حسین ابن علیؓ نے کی ہے قائم اک مثال ایسی
کہ تقلید اس کی تدبیرِ حیاتِ جاودانی ہے

قناعت ہو تو ایسی ہو نظر ہے آبِ تیغ پہ
ورآں حالیکہ بہتا پاس ہی دریا میں پانی ہے

زمینِ کربلا بھولی نہیں ہے اس کے تیور پہ
کہ یاد اس کو حسینؓ و یزید کی اب تک کہانی ہے

جھلکتی ہے حقیقت کی یہ آنکھوں میں
کہ زندہ ہو تو اسلام اور جو کچھ ہے وہ فانی ہے

ہوئیں گل ہو کے جو شمع طریقوں کی
مگر لاکھوں دلوں پر اب تک اس کی حکمرانی ہے

حسین ابن علیؓ کی زندگی قرآن کی صورت
رسول اللہ کی دنیا میں اک روشن نشانی ہے

مسلمان کی شان

تو نے اے مسلم کچھ اپنی قدر پہچانی بھی ہے
تو ہے انساں تجھ میں لیکن شانِ یزدانی بھی ہے

فرش پر ہیں پاؤں تیرے عرش پر ہے سر ترا
نصف تو خاکی ہے لیکن نصف نورانی بھی ہے

جس جگہ سے تو چلی ہے تیرے چشم فرزگاہ
سرمہ آنکھ کا تیرے نقشِ پا کی حیرانی بھی ہے

نیل کی موجیں اگر کرتی ہیں تیری جستجو
ڈھونڈتی پھرتی ہے تجھے گنگا کی جولانی بھی ہے

ہمت تجھ کو ہوا احساں بھی اور فضل بھی
تیری دانائی میں شامل تیری نادانی بھی ہے

تیرے دل میں درد اگر ہے آنکھ میں آنسو بھی ہیں
آگ سوزاں ہے لیکن لب پہ ہی پانی بھی ہے

ساری دنیا کے فضائل تجھ کو ترکے میں ملے
تیری حکمت بیشتر ہے اور یونانی بھی ہے

مشرق و مغرب کے گنجینوں سے تو ہے بہرہ ور
تیری الماری میں لاطینی بھی ہے قرآنی بھی ہے

تو چمکتا ہے ہر اک کشور میں بن کر آفتاب
تو اگر ہندوستانی ہے تو برطانی بھی ہے

مرتبہ جس کی بدولت تجھ کو یہ حاصل ہوا
کوئی اس کا آج کے دن تک ہوا ثانی بھی ہے

ڈال رکھی ہے گلیمِ فقر اس نے دوش پر
اس کے سر پر ساتھ ہی تاجِ جہانبانی بھی ہے

وہ خدا سے دور بھی ہے اور خدا کے پاس بھی
وہ رسول اللہ بھی ہے اور ظلِّ سبحانی بھی ہے

نظم میں آجائے حسانؓ ابن ثابت کا جو رنگ — شعر کہنے کا مزا الطاف شنا خوانی بھی ہے
مدح خواں ہوں میں رسولؐ اللہ کا میرا صلہ — عالم باقی بھی ہے اور عالم فانی بھی ہے
میری تندر گوہریں پہنچے گی اُن تک خود بخود
موتیوں میں گرد رخشانی بھی غلطانی بھی ہے

۲۲ ستمبر ۱۹۱۶ء

دین کی لم

پیمبر سے سفیانؓ نے عرض کی — کہ سمجھا دیجئے دین کی مجھ کو لم
بہر اکثرہ میں جب بولے آپ نے — قُل اٰمنتُ باللہِ ثُمّ استقم

(حدیث)

اللہ والے

مَن کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

قدموں میں ڈھیر اشرفیوں کا لگا ہوا
اور تین دن سے پیٹ پہ پتھر بندھا ہوا

ہیں دوستوں کے واسطے سیم و زر و گہر
اپنا یہ حال ہے کہ ہے چولہا بجھا ہوا

کسریٰ کا تاج روندنے کو پاؤں کے تلے
اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا

دست دعا انہیں کے لیے عرش تک بلند
ہے جن کی آستین میں خنجر چھپا ہوا

بوتے رہے جو رستے میں کانٹے تمام عمر
پھولوں میں ایک ایک ہے آکر تلا ہوا

احسان کی نظر ہے سپید و سیاہ کو
سب کے لیے دریچۂ رحمت کھلا ہوا

جن کے یہ سارے کام ہیں اللہ کے لیے
پھر کیوں نہ مرتبہ ہو ان کا بڑھا ہوا

خورشید و ماہ و انجم و نیل و نہار پر
ان کی یداللہی کا علم ہے گڑا ہوا

تیور بدل گئے تو زمیں کانپنے لگی
ابرو کے اک اشارہ سے محشر بپا ہوا

یثرب سے آج بھی یہ صدا گونجتی سنو
وہ جو خدا کے ہو گئے ان کا خدا ہوا

۱۹ اپریل ۱۹۲۶ء

اسلام کی شناخت

اللہ کو پسند ہیں وہ خصلتیں تری	جو تیری جانب اس کو ہیں لاتی التفات
مسلم ہے بردبار بھی اور ذی وقار بھی	اسلام کی شناخت ہے اَلْحِلْمُ وَالْاَنَاۃ

حدیث

رشتۂ اسلام

ہٹے بالشت بھر بھی تم اگر ملت کے دامن سے
تو کٹ کر گر پڑے گا رشتۂ اسلام گردن سے

حدیث

عالم و عامل

خدا سے وصل اور دنیا میں شامل — رسول اللہ ہیں انسان کامل
محمد مصطفےٰ کا نام پاک لکھ کر — منور ہو گئے میرے انامل
خدا کا قرب ہے گر تجھ کو منظور — رسول اللہ کی ملت سے جا مل

نقطے سے چند حرفوں کا الٹ پھیر
وگرنہ جو ہے عالم سے وہ عامل

۱۲ نومبر ۱۹۱۷ء

اطاعت و استطاعت

جب اک دن حضرت کون و مکاں کو دست قدرت سے — سمعنا و اطعنا کہہ کے کچھ لوگوں نے بیعت کی
تو شان رحمۃ للعالمینی کا تقاضا تھا — کہ اس بالسمع والطاعۃ میں قید استطاعت کی

الحدیث ۱

آیۃ اللیل

تباہی شان کہ اسلامیوں کی
بڑھا ہر سمت سے کفار کا سیل

ستم گاروں سے مجتبیٰ پہ
مسلط ہو گئے یورپ کے پڑیل

شب کفر اپنی حد سے بڑھ کے اس طرح
گئی جب مطلع اسلام پہ پھیل

مجھے یاد آئی قرآں کی عبارت
پڑھا میں نے محونا آیۃ اللیل

کسی دن مہر دیں جب ہی سکے
یونہی بکھر جائیں گے اعدا بے سبیل

خس و خاشاک کی مانند سب کو
بہا لے جائے اسلام کی سیل

ماں باپ کا ادب

اک دن نبیؐ نے حلقۂ احباب میں یہ لفظ
دہرائے تین بار کہ "ناک اس کی کٹ گئی"
اصحاب نے کہا کہ یہ کم بخت کون ہے
توقیر جس کی حضرتِ باری میں گھٹ گئی
ارشاد یوں ہُوا کہ وہ فرزندِ ناخلف
گھر جس کے جنت آئی اور آکر پلٹ گئی
ماں باپ کا جسے نہ بڑھاپے میں ہو خیال
اُس ناسعید بیٹے کی قسمت اُلٹ گئی

(حدیث)

اعظم الجہاد

سب لاگ بات بال برابر لگی نہ لکھ
فرما گئے ہیں حضرت خیر البشرؐ یہی
اظہارِ امرِ حق میں نہ ہو خوفِ دار و گیر
ہے اعظم الجہاد بحکم خبر یہی

(حدیث)

حسین ابن علی

(شریف مکہ)

اک وہ بھی حسین ابن علی تھا کہ سر اُس نے
مر کر بھی نہ فاسق کی حضوری میں جھکایا

خود چل کے گیا معرکۂ کرب و بلا میں
دنیا کو قیامت کا سماں جس نے دکھایا

تھا سینہ سپر ایک ہزاروں کے مقابل
باطل کے اس انبوہ نے اُس کو نہ ڈرایا

اسلام کی حرمت پہ امام الشہدا نے
سر شمر کے خنجر سے بصد شوق کٹایا

دیکھا جو یہ سر نوک سناں پر تو فرشتے
سمجھے کہ سوا نیزے پہ سورج اُتر آیا

مٹنے نہ دیا نقش روایاتِ پیمبرؐ
خود اپنے تئیں سبطِ پیمبرؐ نے مٹایا

اک تو بھی حسین ابن علی ہے کہ ترا ہاتھ
اُس ہاتھ میں ہے جس نے گھر اسلام کا ڈھایا

نسبت ہے ترے نام کو بھی آلِ عبا سے
تو نے مگر اس نام کو خود بٹہ لگایا

برباد ہوئی خود تری کوشش سے وہ بستی
جس کو ترے اسلاف کی ہمت نے بسایا

کل تک عرب آزاد تھے لیکن ہیں غلام آج
راعی کو رعایا ترے ہاتھوں نے بنایا

ہیں کعبہ کی دہلیز پہ جس خون کے چھینٹے — خود صحنِ حرم میں ترے خنجر نے بہایا
شام اور عراق اور فلسطین کے اندر — جو فتنہ ہے برپا اُسے تو نے ہی جگایا
پیوند عرب تیری ہی مقراضِ جفا نے — دامانِ اناطولیہ سے قطع کرایا
تو مر نہ گیا کس لئے اس وقت سے پہلے — تثلیث نے جب پرچمِ توحید گرایا
اس پہ ہے یہ خواہش بھی کہ مل جائے خلافت — فیصل ہوں ترے ہاتھ سے امت کے قضایا

خفاش سیہ روز ہو خورشید کا ہمچشم
اندھیر یہ کیسا ہے زمانے میں خدایا

ایمان کی شناخت

رکھ لی زباں نے اس دلِ عشق آشنا کی شرم — علم اس کے وسوسوں کا اگرچہ خدا کو ہے
یہ وارداتِ قلب صحابہ کبار کی — سُن کر کہا نبی نے کہ ایمان یہی تو ہے

(حدیث)

فلسفۂ شہادت امامؑ عالی مقام

کیوں ماتمِ حسینؑ میں یہ شور و شین ہے
کیوں گریہ و بکا کیلئے ہے یہ بندوبست
خوں نابہ بار کس لیئے ہے آنکھ آپ کی
کیوں ہمت آپ کرتے ہیں اسلامیوں کی پست
کیا یہ بھی کوئی گریہ و زاری کی بات ہے
قربان ہو گیا رہِ دیں میں وہ حق پرست
تم کربلا کی خاک اڑاتے رہو مگر
ہم خوش ہیں دی حسینؑ نے طاغوت کو شکست

آوازۂ خلیل ز بنیادِ کعبہ نیست
مشہور شد از اں کہ بآتش نکو نشست

۲۸ ر اکتوبر ۱۹۱۷ء

الجنۃ تحت ظلال السیوف

کہتے ہیں یہ صوفی کہ ہے فردوس حق اُس کا ۔۔۔ جس پہ ہو شکر گنج کی دیوار کا سایہ
لیکن ہے پیمبرؐ کا یہ ارشاد کہ جنّت ۔۔۔ ملتی ہے اُسے جس پہ ہو تلوار کا سایہ

صوفی ہے وہی جس کو ہو خدا سے سروکار ۔۔۔ صوفی وہ نہیں جس پہ ہو سرکار کا سایہ
اے گولڑہ کے پیر نہ ڈر دار و رسن سے ۔۔۔ جب خود سرِ منصور پہ ہے دار کا سایہ

اللہ کا سایہ ہے زمیندار کے سر پہ
پنجاب کے سر پہ ہے زمیندار کا سایہ

---

۲۲ اکتوبر ۱۹۲۱ء

عیدی

یہ عیدی آبِ زر سے آج لکھی ہے ملائک نے — جسے سن کر ہر اک افغان کا بچہ شادماں ہوگا
کہ گلشن میں بہار آنے کے ساماں ہوتے جاتے ہیں — وہ سامانِ گل بداماں جس سے مشرق کا جہاں ہوگا
صبا اٹکھیلیاں کرتی ہوئی پھولوں میں گذرے گی — طیورِ صبح خواں کا قافلہ آتش بجاں ہوگا
شرابِ زندگی خمخانۂ یثرب سے ابلے گی — ملے گی جن کو یہ صہبا نصیب اُن کا جواں ہوگا
نئے جلوے بکھیرے گا ہلالِ عید گردوں پر — اور اُس کے نور میں ڈوبا ہوا دارالاماں ہوگا
ملے گا پھر محمد زائیوں کو تاجِ آبائی!!! — بہت جلد اپنے بندوں پہ خدا پھر مہرباں ہوگا
پھر آجائیں گے اقبال اور دولت اپنے مرکز پہ — سریر آرائے کابل پھر امان اللہ خاں ہوگا
وطن کو جس کی دارائی نے بخشی تھی توانائی — علمدار اُس کی سطوت کا وہی صاحبقراں ہوگا
جنہوں نے بیوفائی کی شہنشاہ غازی سے — اب اُن سب کی وفا کا از سرِ نو امتحاں ہوگا

یہ سارے غیب کے اسرار جس دن منکشف ہوں گے
ہمیں معلوم ہے اس روز نادر خاں کہاں ہوگا

[illegible]

۷ مارچ ۱۹۳۰ء

سفینۂ اسلام

بجواب پرتاب مورخہ ۱۲- نومبر ۱۹۳۱ء

یک رنگ ہے سفینۂ اسلام کا سوار   ہو تنگ وہ اور جن کے ہیں دو کشتیوں میں پاؤں
میں وہ نہیں کہ منہ ہو سفید اور دل سیاہ   ہو اور ہی کسی کو مبارک یہ دھوپ چھاؤں
میں شیر ہوں جو گونج رہا ہو کچھار میں   بلی نہیں جو گھر ہی میں کرتی ہے میاؤں میاؤں

کہتی ہے یہ پولس کہ نکل جاؤ شہر سے
اب جا کے ہم بسائیں گے جنگل میں کوئی گاؤں

---

۱۴ نومبر ۱۹۳۱ء

عیدِ صیام

مجھ جو ہم آج مسلم کو یہ جاں پرور نوید آئی
کہ کل شب آسماں پر چاند چمکا اور عید آئی

ہلالِ عید کی رویت کو مانع تھے یہاں بادل
مگر اطراف کشور سے شہادت چشم دید آئی

دکن کے آسماں پر ماہِ نو کی جلوہ ریزی سے
خمستانِ عرب کی میرے ہاتھوں میں کلید آئی

دعائے غلبۂ اسلام کی تھی میں نے رو رو کر
حریمِ مصطفےٰ سے استجابت کی رسید آئی

مبارک ہو نظام الملک آصف جاہ ہفتم کو
کہ اُن کے واسطے یہ ساعت آئی اور سعید آئی

پئیں گے بادۂ لَا تَقْنَطُوْا کے جام بھر بھر کر
کہ شیرِ سبے شرابِ امید کی ہو کر کشید آئی

عید الفطر

مگر دم اہلِ ایماں کو یہ جاں پرور وعید آئی
کہ کل شب آسماں پر چاند چمکا اور عید آئی

ہلالِ عید کی رویت نے آنکھوں کو کیا روشن
شہادت اُن ضیا افشانیوں کی چشم دید آئی

مسلمانوں نے جس سے کفر کی رگ رگ کاٹی
وہی تیغِ مہِ نو پھر سپہرِ قطع و برید آئی

حیاتِ جاوداں کا مژدہ پہنچایا بادہ خواروں کو
کہ تیرے تشنہ لب پہ زندگی پر کشید آئی

ضرورت ساغرِ جم کی رہی کیا اس جہاں میں کچھ
چمنستانِ عرب کی جس کے ہاتھوں میں کلید آئی

دعا جب ہم نے مانگی فتح نے آکر قدم چومے
بہاروں ساختہ ہم یقیں کی رسید آئی

پرستارانِ خاکِ کعبہ تم سب کو مبارک ہو
تمہارے واسطے نعمت الٰہی وعید آئی

---

۳۰ رمضان ۱۳۵۲ھ

جنگِ طرابلس

کھیل بچوں کا سمجھا تھا اٹلی نے وہ جنگ
کر دی ہے قافیہ اس کے جوانمردوں کا تنگ

خاک بن کر اڑ گئی روما کے دل کی آرزو
خون ہو کر بہہ گئی پاپا کے پہلو کی امنگ

اینٹ ڈکٹ کی گری پتھر محمد کا چلا
قول سعدی ہے کلوخ انداز را پاداش سنگ

ہیں ترے بیٹے ہمارے آگے اٹلی جباب
ہم ترے ایروپلینوں کو سمجھتے ہیں پتنگ

نعرۂ اللہ اکبر جب زباں پر آئے گا
تیرے ہاتھوں سے چھڑا دیں گے ہم اے روما تفنگ

جھونک دی اٹلی نے چشم ایماں میں خاک
چڑھ گیا آئینۂ انصاف پر یورپ میں زنگ

آسماں سے ابن مریم آج اتر آئیں اگر!
دیکھ کر اخلاق روما بے گماں رہ جائیں دنگ

دل میں تاریکی ہو اور حرص کا پوشیدہ چور
سرمست فرعونی نمود اکبر کی ظاہر میں ترنگ

مدعا یہ ہے کہ مٹ جائے مسلمانوں کا نام
واسطے اس کے تراشے جا رہے ہیں عذر لنگ

ناتواں ضعیف کا کب تک نہ ہو ستم کیے
چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کو کچلے جاتے ہیں ہنگ

کیا یہی شائستگی پر ہے مسیحیت کو فخر
کیا یہی تہذیب ہے سرمایۂ نازِ فرنگ

آج کل یورپ میں قوت اور تعصب کا ہے زور
شاہ ڈنر پیتے ہیں پادری پیتے ہیں بھنگ

کیوں پڑھاتا ہے سبق شاگرد کو ایماں کا
جبکہ خود ایماں سے عاری ہے استاد فرنگ

بے گناہوں کے لہو کی بہہ رہی ہیں ندیاں
تاکہ ایماں خونِ عصمت سے ہو لالہ رنگ

آج ایماں ہے تو کل کابل کی باری آئے گی
گر یہی ہے روسیوں کی چال ڈھال اور رنگ ڈھنگ

آہ ہائے انصاف ہم ڈھونڈیں کہاں جا کر تجھے
سینٹ پطرسبرگ جب مغرب اور لندن ہو جنگ

اب بھی سر ایڈورڈ کاش اپنا طریقہ بدل دیں
ہو گر انگلشیہ کا کچھ بھی پاسِ نام و ننگ

یہ بھی مسلم اور ہندو اس دیس میں مل جائیں گے (یونہی)
لگ گئیں پریاگ میں جس طرح جمنا اور گنگ

اتحاد اس ملک کا مشکل نہیں ہے جس میں ہو
ایک تہذیب ایک بولی ایک صورت ایک رنگ

ناخن سے گوشت یہ سکتا نہیں ہرگز جدا
چھوٹ سکتا ہی نہیں ہے چولی اور دامن کا سنگ

۱۹۹۹ء

ربِّ کعبہ سے ایک عاجزانہ التجا

کاٹی سے تین تین کہیں گے یہ مولوی — اللہ ایک ہے سے نہیں ہیں تثلیث کے قدم
کس کو ہے اس ابتلا کی خبر تھی کہ ایک دن — ہم پر ہمارے ہی ہمنوا ڈھائیں گے ستم
جس کو انہوں نے کافر اکفر دیا قرار — جاتے ہی اس کے کھل گیا اسلام کا بھرم
دارالامان کے سر پہ قیامت گذر گئی — پھر سلسلے کے پھٹنے لگے آسماں سے ہم
وہ گردنیں جو غیر کے آگے جھکیں نہیں — آج اس کے آستاں پہ نظر آ رہی ہیں خم
اے ربِ کعبہ ہم سے کہاں تک یہ بے رخی — کیوں ہو گئی تیری نگہ التفات کم
آخر تیرے رسول کے دامن گرفتہ ہیں — جس کے غلام ہوتے ہیں اسکندر و دارا و جم
کب تک رہیں گے دست و گریباں فرنگ سے — کب تک نہ آگے بڑھیں گے کشتی قضا سے ہم

قندھار کو دیکھ در خدایا کہ عنقریب
کابل میں پھر بلند ہو توحید کا علم

۹ فروری ۱۹۲۹ء

حق اور باطل کی آویزش

بسکہ ہے دین مبیں کو سست پیمانوں سے ضد
عالمِ اسلام کج کلاہوں سے بدظن ہو گیا

اس کی گیرائی سے تھا تاب کل تک تند باد
شعلہ زن آج اس کی دارائی سے گلشن ہو گیا

کوہ داماں سر بسر کھلتی ہے عزنی تک وہ آگ
جس سے جل کر خاک بد خواہی کا خرمن ہو گیا

وہ شکار افگن فرنگ آویز تھی جس کی کمند
کشتۂ نازِ بتانِ ساحری فن ہو گیا

جگمگانے کو ہے پھر دارالاماں میں وہ چراغ
جس سے روحِ غیرتِ افغاں سے ایمن ہو گیا

رو رہے ہیں چھپ کے پیرو کہ خمیر سینہ شمشیر
ان کی بزمِ رنگا رنگ امیدوں کا مدفن ہو گیا

اب کہاں وہ عندلیبوں کی نوا آرائیاں
شاخِ گل کا سایۂ افعی نشیمن ہو گیا

دل جلانے کا سلیقہ جان پر کھیلنے کا ڈھنگ
اٹھ گیا جس سے وہ بے شک کامل الفن ہو گیا

قیمت اس اک قطرۂ خوں کی ہے ساری کائنات
جس سے مظلومی کا سینہ ابن مزیّن ہو گیا

اک بنارس کے برہمن نے لئے موتی وہ رول
جس سے خالی شیخ دہلی کا دامن ہو گیا

پیدا وہ رہ ہو کہ جس سے ملت کے سر بسر شفیع
اور امان اللہ خاں ایماں کا رہزن ہو گیا

کیا چھپے نظروں میں پنہاں جب اٹھائے گئے
ہند کی بست و کشاد کا نام روشن ہو گیا

وہ وفا کی پتلیاں جن کی شجاعت دیکھ کر
دنگ چرخِ چل رہ گیا حیران ارجن ہو گیا

آج باطل سرنگوں ہے اور حق ہے سر بلند
فتح سیتا کی ہوئی مغلوب راون ہو گیا

گجرات سپیشل جیل
۲۵ دسمبر ۱۹۳۰ء

انجمن حمایتِ اسلام

اے ساکنانِ بلدۂ لاہور آج شام
میں آپ کو سناؤں گا باتیں کھری کھری

میری یہ داستاں ہے مرے درد کا نچوڑ
دل سے نکل رہی ہے کہانی یہ درد بھری

چھتیس سال گذرے کہ کچھ اہلِ دل بزرگ
اٹھے کہ اپنی قوم کی سن کر ندائیں بری

ڈالی اک انجمن کی بنا اپنے ہاتھ سے
اسلام کے لئے ہوئی جو وجہ برتری

اس انجمن کے واسطے اپنی تمام عمر
کرتے رہے یہ دین کے خادم گداگری

تا آنکہ آگئی چمنِ علم میں بہار
اور شاخِ دینِ مصطفوی ہو گئی ہری

لاہور نورِ علم سے رخشندہ ہو گیا
شرمندہ جس سے ہو گیا خورشید خاوری

پھر یک بیک ہوا گئی پنجاب کی پلٹ — گردش میں آخر آ ہی گیا چرخِ چنبری
رجعت پسند ہو گئے ملت کے سنگ راہ — اسلام کی اُجڑ گئی کھیتی ہری بھری
باطل کا غلغلہ ہوا افلاک تک بلند — قرآں میں بند ہو گئی حق کی نوا گری
چاندی سمجھ رہے تھے جسے ہو گئی خزف — ہیرا جو تھا وہ بن گیا پل بھر میں کنکری
سر جھک گیا حمایتِ اسلام کا وہاں — تھکتا جہاں تھا گنبدِ گلگلِ سروری
اس وقت ہم کو کوئی سلیماں چاہیئے — باطل اگرچہ دیو تو ہے انجمن پری

اے قوم مژدہ ہو کہ سلیماں بھی آ گیا — باطل ہوا جنہ کا دعویٰ خود سری
جبر و ستمیوں نے دیں کا ڈنکہ بجا دیا — طاغوتیوں کی اب نہ چلے گی فسوں گری
وقت آ گیا کہ ہو علم اسلام کا بلند — اقبال اس انجمن کے سفینے میں سکر ری
نوابِ ذوالفقار علی خاں ہیں اس کے صدر — کیوں جلوہ ریز اس میں نہ ہو شانِ حیدری
چشمہ ابل رہا ہے محمد کے نور کا
اب ہم ہیں اور اس میں ہماری شناوری

نظربندانِ ہند

ابوالکلام آزاد

آپ پر لکھتے ہیں کچھ حق حضرت آزاد بھی / کشتۂ الفت جو شیریں ہے تو ہے فرہاد بھی

فضل الحسن حسرت

آپ کے الطاف پیہم کا ہمیں کو استحقاق ہے / شاید اسی زمرہ میں شامل حضرت ناشاد بھی

محی الدین احمد قصوری

بے قصور ایسا ہی محی الدین احمد کا اگر / آپ تو احسان کر سکتے ہیں دے کر داد بھی

فرزندان مرحوم ایوب خاں جنت آشیاں

آپ ہی اس کے بگڑنے کی کا سبب پائیں / جب نہیں ایوب خاں کو طاقت فریاد بھی

کیوں قفس میں بند ہیں یہ قمریاں چمن کا گلہ / طوق سے آزاد کر سکتا نہیں صیاد بھی

دوسرے نظربند

امداد یار کا ہو دوں کو بھی ہے انتظار / بندہ پرور دیجئے گا ان کی آپ پائیں داد بھی

۱۵ ستمبر ۱۹۱۶ء

ہنگامۂ نو

عید الفطر ۱۳۴۷ھ

اگر جاگا جہاں ایشیا خواب گراں سے ہے
چلا اک تیر اگر اس شوخ کی بانکی کماں سے ہے

اگر پھوٹی ہیں خورشید درخشاں سے نئی کرنیں
اگر چھوٹی یہ نور افشاں ہوائی آسماں سے ہے

اگر ٹپکا ہے جوش فصل گل رگ ہائے ریحاں سے
اگر آلودہ دامن لالہ کا خونِ خزاں سے ہے

اگر چھیڑا ہے مظلومی کی فریاد نے گردوں کو
اگر اک آہ نکلی سینۂ ہندوستاں سے ہے

اگر آئی ہے عید اور لائی ہے پیغام آزادی
اگر یہ غلغلہ مشرق میں گلبانگ اذاں سے ہے

اگر قندھار میں بجتا ہے آج احرار کا ڈنکا
اور اس کی گونج ٹکرانے لگی دار الاماں سے ہے

تو یہ ہنگامہ ہے مخلوق فیض خواجۂ یثرب
اور اس ہنگامہ کی رونق امان اللہ خاں سے ہے

پیغامِ سحر

اسلام کی شوکت کا افسانہ سناتا ہوں
کیا اصل و حقیقت ہے دارا و سکندر کی

مسلم کی وہ طینت ہے کہ جو ساقیِ یثرب نے
وحدت سے معنبر کی ایماں سے مخمّر کی

پیغامِ سحر لایا پھر صبح کا سیّارہ
خورشید کے چہرے سے پھر چادرِ شب سرکی

امامِ ... تسبیح

وہ صبح صبح نہیں ہے وہ شام شام نہیں
بلائے تازہ کا جو لا رہی پیام نہیں

کھنچی ہوئی ہے ملیبار میں مہینوں سے
وہ تیغ اب بھی جو شرمندۂ نیام نہیں

کسی کو دار پہ کھینچا کسی کو ذبح کیا
یہ اور کیا ہے ہمارا جو قتلِ عام نہیں

بوقت ذبح وہ بسمل سے کہتے جاتے ہیں
یہ انتظامِ حکومت ہے انتقام نہیں

گریز ابھی سے کہاں ہو ابھی تو ہے تشبیب
قصیدہ اُن کی جفا کا ہوا تمام نہیں

وہ کون ہے جو نہیں آج کل اسیرِ فرنگ
سی۔ آر۔ داس نہیں یا ابوالکلام نہیں

تمام ملک ہے جکڑا ہوا شکنجے میں
پھر اس پہ کہتے ہیں ہندوستاں غلام نہیں

بحسرت اس پہ کہا ایک دوست نے مجھ سے
کہ اس گروہ میں شامل حسن امام نہیں

کسی سہی جبکہ وہ رندی میں کم نہیں ہیں تو کیوں
شکستِ توبہ میں سرگرمِ اہتمام نہیں

وکیل بھی ہیں تو ننکانہ کے ہمنت کے ہیں
یہ اُن کے واسطے کیا شرم کا مقام نہیں

اگر حرام موالات مجھ غریب پہ ہے
تو ایسے چوٹی کے لیڈر پہ کیوں حرام نہیں

کہا یہ دوست سے میں نے وہ مرغِ دانا ہیں
حریصِ دانہ ہیں لیکن حریصِ دام نہیں

نہیں یہ قاید قوم اپنی قید کا قائل
شمارِ دانۂ تسبیح میں امام نہیں

ڈھگے اور گاؤدی

آکر ملا ہوں مولوی احمد سعید سے
یہ دن مرے لئے نہیں کم روز عید سے

سرگرمی اُن کی دیکھ کے عقدہ یہ حل ہوا
کھلتا ہے باب علم عمل کی کلید سے

مستشفعانہ ننگ کی تصویر کھینچ دی
مستبعدانہ رنگ کی گفت و شنید سے

لیکن اس اجتہاد میں مجھ کو کلام ہے
عنبر کا رشتہ آپ نے گانٹھا ہے لید سے

نا کہ لیگ کرتی ہے ڈھگوں کی پرورش
پنجابیوں کی لابہ گری کی خرید سے

پیدا ہوئے ہیں دلی میں بھی تو یہ گاؤدی
پروردگار شملہ کے لطف مزید سے

جن کا عقیدہ ہے کہ دیا جان بل نے چھین
وہ قرب جو خدا کو ہے حبل الورید سے

جو قفل اُن سے کھل نہ سکا خود بخود کھلا
پنجاب کے خلافتیوں کی کلید سے

دکھلا دیا مغالطہ کا نقشہ کھینچ کر
سرکار نامدار کے خونِ امید سے

اس طرح سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا
جائز ہے کس اصول قدیم و جدید سے

کس وقت سے ہو انظرِی لا تنابزوا
دہلی کی محفلوں کے کلام جدید سے

کارزارِ طرابلس

چمک اے تیغ روما کا نشاں ہے تو مٹانے کو ۔۔۔ گرج اے توپ اٹلی کی دھوئیں ہی تو اڑانے کو
چڑھا اے ایماں اس چوٹی پہ جس پر کفر قابض ہے ۔۔۔ بڑھ اے اسلام اور شوکت دکھا اپنی زمانے کو
ابھی تک گونجتی ہے کان میں آواز خالدؓ کی ۔۔۔ سنیں گے ہم نشیں سے ہم اسی اگلے فسانے کو
مسلماں لاکھ بوٹے ہوں مگر نام محمدؐ پہ ۔۔۔ خوشی سے اب بھی حاضر ہیں وہ اپنے سر کٹانے کو
خبر لیں حرمِ اٹلی کی اٹھ کر حضرت پاپا ۔۔۔ کہ لشکر ترک کا ہے برق مضطر تلملانے کو
یہ پوچھے آسماں پر جا کے عیسیٰ سے کوئی کہہ دو ۔۔۔ کہ نکلی آپ کی امت ہے قصرِ امن ڈھانے کو
تری تعلیم نے ان کو بنایا گرگ مردم در ۔۔۔ تجھے اے پوپ پیٹرس نے جو بھیڑیں چرانے کو
یہ ڈاکو وہ بھی ان سے چھیننے پر ہیں تلے بیٹھے ۔۔۔ مسلمانوں کو روکھی سوکھی جو ملتی ہے کھانے کو
نہ مارا چھاپہ کیوں الجیریا پر اہلِ اٹلی نے ۔۔۔ یہیں کیا مشعلِ تہذیب باقی تھی جلانے کو
بنایا ہے خدا نے مہذب تجھ کو زمانے کا ۔۔۔ اٹھ اے برطانیہ امن و اماں قائم کرانے کو
ہماری طرح عالم کے مسلماں جان اور دل سے ۔۔۔ تجھے حاضر ہیں سر پر اور آنکھوں پر بٹھانے کو
مسلمانوں کے دل کی آرزو اس وقت پوری ہو ۔۔۔ کہ انگریزی میں سن لیں جارج پنجم اس ترانے کو

نالۂ صبح گاہی

حد بھی ہے کوئی اس ستمِ بے حساب کی
کب تک بتوں کی جان کو رویا کریں گے ہم

کیا یوں ہی جاگتی رہے گی قسمتِ فرنگ
اور یوں ہی اس کے سایہ میں سویا کریں گے ہم

بٹہ لگائے جائیں گے مذہب کے نام پر
ملت کی آبرو کو ڈبویا کریں گے ہم

آنکھیں بچھائے جائیں گے غیروں کی راہ میں
کانٹے خود اپنی راہ میں بویا کریں گے ہم

بنیاد ڈھائے جائیں گے ارکانِ شرع کی
جو پاپ پچھلے ہیں اُن کو بھی کھویا کریں گے ہم

دل کو پگھلنے کے لئے ایک عمر چاہئے
جب سے جبیں کے داغ کو دھویا کریں گے ہم

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

جس کے ایثار سے ملّت کی دوبالا ہوئی شان
اس جماعت کے ہیں سردار حبیب الرحمٰن

ان کے ماحول کو لاحول سے دیجے تشبیہ
کہ ہوا پاس پھٹکتے ہی ففرّوا شیطان

جمع ٹوڈی ہوں جہاں گر یہ پہنچ جائیں وہاں
نہیں ممکن کہ کسی طرح وہ ماریں میدان

تختے دیتے ہیں الٹ سارے وفاداروں کا
آتے ہی ان کے خطا ہوتے ہیں سب کے اوسان

کاسہ لیسانِ جہاں کی رگِ جاں کو حق میں
دمِ شمشیر ہے اس شیرِ خدا کا ایمان

جس کے ایثار سے ملت کی ہوئی کثرت شان + اس جماعت کے ہیں سردار حبیب الرحمٰن

اسلام

۵۵۹

انسان کی آزادی کا اسلامی تصوّر

فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا

عمرو بن عاص کے بیٹے نے الجھ کر مارا — مصر کے بازار میں اک قبطی ناشاد کو
اپنے گھر کی سلطنت سمجھی ہوئی تھی غیر ملک — فرصت ہی کچھ سے ہاتھا دعوتِ بیداد کو
کون طاقت جبر کو ان کی کر سکتی نہ تھی — قیصر و کسریٰ بھی آ سکتے نہ تھے امداد کو
ان کو وہ عدل ملا بیگانہ اس سے کے بعد میں — سر چھپانے کی جگہ ملتی نہ تھی بیداد کو
جن کی نظروں میں یہی آقا و مسلم ایک تھے — جس نے مسمار کر دیا ایوانِ بیداد کو
پہنچ کر تھا آنکھ تک سے سیدھے اسلام — سن رہا تھا قبطی مظلوم کی فریاد کو
مدعی سے آپ نے مجرم کو پٹوا کر کہا — کر دیا پھر استوار انصاف کی بنیاد کو
نصیحت کی سلطان کو اس وقت آپ نے — دیں نہیں کہتا ہے وہ ایسی روشِ بیداد کو
ہے جو دل پر نقش ہے فاروق اعظم کا یہ قول — ہم نہ بھولیں گے کبھی اس آپ کے ارشاد کو

آدمی پیدا ہوا آزاد ماں کے پیٹ سے — کب سے تم لوگوں نے سمجھا ہے غلام آزاد کو

کاش یورپ جان لے کوئی نکتہ داں اور سبق
اٹھ سکے جس سے تہذیبِ انسانی کے اس انبار کو

کفر کے دروازے پہ اسلام کی دستک

بادشاہِ ملکِ حبش کا تھا نجاشی باکمال — جو طرف لیتا تھا مظلوم کی باطل پہ غضب

جو ملا ہوتا تھا سینے میں چھپا اور کا — جس کی عزت سب کیا کرتے تھے اپنا ہو کہ غیر

جن کے ہاتھوں کو ملی شرق و غرب کی عمل — جن کے قدموں میں گرے تھے کئی شاہِ عرب

اہلِ اسلام کے ابو جہل سے تنگ آ چکی تھی — جن کی گلی سے تھے جو یثرب کے قریب

ایک قافلہ اسلام کا پہنچا تھا وہاں — [illegible]

[illegible] — [illegible]

آفتاب آج بھی ہے جس کے گرد و نشاں کا — آہ ظلمت کدہ ہند میں ہے [illegible]

کس طرح آنکھوں میں پایا تھا یہ اپنا منظر — [illegible]

مجلسِ وعظ تو امروز ہی ہے بعد از الحال — لا جیب راہ شہ سے کہتے ہیں کہ مرغوب

ترک سے کیجئے اب شیوۂ بدعت کا — لا لیجیے اپنے تمدن کے بدلے اسلوب

شیخ جی ہم کو تو ہاں ہی ہے کہ ذوق — کہ نہیں ان سے زیادہ ہمیں کچھ بھی مطلوب

ہو کہیں شعر کے آنے کے لئے آمد نہیں — کفر کا دست نگر دین ہمیں ہو کیا خوب

ظالم ہے کہ یہ دن رات کہا کرتے ہیں — کہ ہیں گمراہ نصاریٰ تو یہودی مغضوب

گھر میں دونوں سے ہے ان وقت ہی کو بات میں کم — ہم تو کہلاتے ہیں محبوب خدا کے محبوب

اتنی خدمت کی ہی یا ہم تو لئے کرتے ہیں

کیسی بے دردی سے ان پیر ادا کی خوب

---

۱۸ مارچ ۱۹۲۵ء

نعرۂ اسلام

یہ نظم مسلم رضا کاران خلافت پشاور کے لئے لکھی گئی۔ اور انہیں یاد کرائی گئی تاکہ وہ علی الصباح اسے گلی کوچوں میں گاتے پھریں۔ اور مسلمانوں کو نماز کی دعوت دیں۔

علی الصباح خدا کو پکار لے مسلم
نکل کے گھر سے وضو کر کے یار لے مسلم

پڑے جو کان میں حی علی الصلوٰۃ کا شور
خدا کے گھر میں جا کر قرار لے مسلم

اتار پردۂ غفلت کو اپنی آنکھوں سے
اور اپنی عاقبت اپنی سنوار لے مسلم

ہے چند روزہ یہ زندگی غنیمت جان
خدا کی یاد میں اس کو گزار لے مسلم

نماز فرض ہے اس فرض سے نہ ہو غافل
بڑا یہ قرض ہے اس کو اتار لے مسلم

ہے سلطنت کی تمنا تو ایک سجدہ میں
عراق و نجد و حجاز و تتار لے مسلم

۲۰ فروری ۱۹۲۵ء

اسلام کی لوری اپنے بچوں کو

میں ترے واسطے پیغام بقا لایا ہوں
اور اسے گھٹی و پستان میں ملا لایا ہوں

میں ترے قصر کی بنیاد [illegible] پاکر
[illegible] لایا ہوں

تیری تاریخ کے ایوان کی زینت کیلئے
بدر سے سرخی خون شہدا لایا ہوں

[illegible] کی تلک کیلئے میں
عرش اعظم سے فرشتوں کو بلا لایا ہوں

صبح توحید کی [illegible]
[illegible] لایا ہوں

[illegible] لایا ہوں قرآن کا پیغام
اور ترے واسطے قرآن بقا لایا ہوں

اسلام کے کرشمے

اب نمایاں ہیں جو کچھ عالم میں تاثیرات
یہ سارے کرشمے ہیں فقط اسلام کے

ہو گئے تھے کہیں ہر طرح سب بت غلاموں
یوں ہی جنگ ہائے گرمی کا نشاں ہے نام کے

تھام جو جانے لگے سب عاشقوں کا پاس پاس
لشکر والے ہیں پہچان میں اسلام کے

کھلا اسرار نہیں جن سے لیا ان سے جدا
کھل گئے ہیں جہاں میں شیریں شام کے

فضل اولیٰ کا صحیفہ جو عرشِ الٰہی کا تحفہ
بخشے ہیں قسمت سے یوں جب ہیں پیغام کے

دشمن دین حق کی تعلیم کا سب جواب
یہ نکلے ہیں جو علم میں اللہ کی نبی دین اسلام کے

خواجہ خضر تھے جن سے منزل کا کتاب دیکھ
دشمنان حق بھی خوش ہیں جس سے حق نام کے

گالیاں دیتے تھے کافر آپ سنتے تھے دعا
تھے یہ انداز آپ کی رحمت کے لطف عام کے

آج پھر پیش نظر آنے لگی سب کی کمی
لب پہ جنت لگے جس سے یہی ہے نام کے

جس کی گردش میں دنیا کا چکر آئی ہے
ہم ہیں اپنے سے لیے ہیں جنہوں نے عالم

بخشے ہوئے سب کیا جن نے خدا کا اعتبار
ہم بنانے کے لیے ہیں آخری پیغام کے

تم نے ملک میں پھیلی ہے سب اسلام کی
ہم نہیں ہیں ختم عراق و شام کے

کان امر اللہ مفعولا کے معنی ہیں یہ
کہ ملک ان کی ہو جو بندے ہوں اسلام کے

صراط مستقیم

لاکھ قرآں کے مقابلہ میں — مدعی لائے زند اور پازند
رہنما بس ہے جو ہے رسولؐ کا قول — حق وہی ہے جو ہے خدا کو پسند
یہی وہ راہ راست ہے جس سے — کبھی بھٹکے نہیں سعادت مند
گو جو باطل پرست چلتے ہیں — ان کو پہنچا نہیں ہر طرح سے گزند
پست لیکن وہ ہو نہیں سکتے — مرتبے جن کے ہیں ازل سے بلند
نہیں بھولا میں قول سعدی کا — شیر بجنگل به آرزو خواهند

مصنفہ اقبال ارادوالملک نوشہ جاہ

---

۱۸ جمادی الثانی ۱۳۲۹ھ

اسلام کی شہنائی

ہیں نوا پیرا آج بھی کانوں میں وہ شہنائیاں
جن سے گونجی تھیں کبھی آفاق کی پہنائیاں

آج بھی لاتی ہیں جا کر عرشِ اعظم کی خبر
نعرۂ اللہ اکبر کی فلک پیمائیاں

آج بھی آنکھوں میں ہیں اسلام کی وہ [illegible]
امتِ عیسیٰ کی [illegible] کی جبیں فرسائیاں

حسن اسلام [illegible] بھی ہیں آج تک
اس کی قامت سے شبابِ عشق کی رعنائیاں

نقش ہیں ہندوستاں کی لوحِ جاں پر آج بھی
ملتِ بیضا کی [illegible] آرائیاں

[illegible]
آج بھی [illegible]

پاک [illegible] آج اگر
[illegible]

سب اکبر سے [illegible] ہمارا استوار
[illegible]

اسلام

ہے کوئی مذہب کی جنت کس کا گر عقل سلیم
ہے وہ مذہب مذہب اسلام [illegible]

جس شبستاں میں چراغ عقل بھی تھا [illegible]
ہے وہ دل اسلام [illegible] شمع اور خود ہی [illegible]

کیوں [illegible] بشر کے حق میں [illegible]
ہے وہ دین لایا ہے جس کو ایک [illegible] یتیم

رحمۃ للعالمین پیغمبر اسلام ہے
ہے خدا اسلام کا جس طرح رحمان و رحیم

کون دین اسلام سے بڑھ کر [illegible]
ایک [illegible] ہے اس کی [illegible]

پیرو مذہب ہوں [illegible] بشارت جس کی [illegible]
ہے وہ مسلک [illegible] جس کی [illegible] کلیم

پیروی سے نقش ثانی [illegible]
پیروی سے نقش اول [illegible] تعلیم

جس قدر [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

فطرت انسان [illegible]
[illegible]

[illegible] اللہ اکبر [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

قیصر و کسریٰ کی گردن ان کے آگے جھک گئی
ادا کرتے تھے جو محمد کی تعلیم

اتحاد و صلح و مساوات جہاں جا کے رہی
ہیں غلام اس میں برابر سکھاتا ہے دل کا حریم

چھوٹ نہیں سکتا فرض اول سے اب تک کوئی
ہے کتاب اسلام کے قرآں کی اپنی تعظیم

ساری دنیا میں اجالا ہو گیا توحید کا
شیخ محفل جب نہیں آیات قرآن کریم

بیت جان مصطفیٰ آل ہاشم سے ملی ہیں
باغ جنت میں چلی ہیں وقت خدا کی نسیم

سچی تو مساوات اہل ایمان کا یہ ہے شرف
مرتبہ درجہ میں برابر ہیں شاہ و عظیم

جو بیکس ہیں جن میں ننگ اسلام کو فخر ہیں
جہاں ان سے کہیں ہو سکتا صراط مستقیم

تا ابد یہ شمع پھیلی روشنی ان تمام میں
راہ دکھا دی سب کو سچے دین کی عظیم

نصیحت محمد کی یہ ساری دنیا میں ہے [illegible]
اور اسلام کی [illegible] ہے [illegible]

اسلام کی ہمہ گیری کا راز

کل ملے اک پادری صاحب مجھے بازار میں ۔۔۔ خلقِ شیریں میں تھا اُن کا مثالِ انگبیں
جمع اُن کے گرد تھے کچھ آریہ کچھ مولوی ۔۔۔ بن رہے تھے پادری صاحب مدارِ کفر و دیں
معترض سب ہندی الاصل اور وہ انگلش نژاد ۔۔۔ ایک ہم رنگِ فلک اور ایک ہم رنگِ زمیں
آریہ صاحب کبھی کرتے تھے اُن پر اعتراض ۔۔۔ مولوی صاحب کبھی ہوتے تھے اُن پر نکتہ چیں
اعتراض اس کا درشت اور نکتہ چینی اس کی سخت ۔۔۔ یہ مجسم خشم و قہر اور وہ سراپا غیظ و کیں
ایک کہتا تھا کہ بھارت کو کیا تم نے بھرشٹ ۔۔۔ ایک کہتا تھا کہ دجال ہے تو اے لعیں
خندہ پیشانی سے سنتے تھے وہ سب کے اعتراض ۔۔۔ گالیاں کھا کے بھی ابرو پہ نہ لاتے تھے وہ چیں
دیکھ کر یہ شیوہ اُن کا جس نے میری آنکھ میں ۔۔۔ کھینچ دی تصویرِ حسنِ رحمۃ للعالمیں
میں تو اپنوں کی حالت پہ نہایت ہی ملول ۔۔۔ اور کہی غیروں کو میں نے بے تامل آفریں
پادری صاحب کی خدمت میں یہ میں نے عرض کی ۔۔۔ اے جنابِ عیسیٰ مریم کی ملت کے امیں
آپ کے اخلاق کی وسعت ہے دامن گیرِ دل ۔۔۔ آپ کا طرزِ عمل ہے دل پسند و دل نشیں
قاضی الحاجات کی بھی ہے عنایت آپ پر ۔۔۔ آپ کی جیبیں ہمیشہ کھنکھناتی ہی رہیں

آپ کے ہاتھوں سے جب پایا کسی نے اضطراب
کچھ دنوں سیم اور زر کے مینہ کی جھڑیاں لگ گئیں

ڈھنگ جینٹل مین بنانے کا بھی معلوم آپ کو
ان سے واقف کوئی بھی دنیا کے پادری نہیں

آپ کی دانشمندی سے جو عقدہ نہ ہو سکتا ہو حل
کھول دیتی ہے کسی لیڈی کی زلف عنبریں

ہم تو ہیں آپ کی تبلیغ دیں میں قائل ہیں
پھول کے مانند کھل کر بھی جو کلیاں ہی رہیں

دیکھ کر جن کی ادا سے خارج از امکاں ہے بات
کھو نہ بیٹھیں مولوی صاحب بھی دل کو ساتھ ہی

آپ کو حاصل ہے دست کی بھی ہیں آسانیاں
ہیں بچی وہ بیٹیں ساری کلیسا کی مسیں

حسن کی دولت کی اور اطاعت کی تینوں دولتاں
جھک کے سے جلوہ کلیسا پہ گشتی ہی رہیں

جب یہ سب کچھ ہے تو پھر کیوں ساری دنیا میں نظر
ہم کو ہر جا عالم تثلیث کا آتا نہیں

کس لئے ویران ہو جاتی نہیں ہیں مسجدیں
شیخوں میں پھیلتا جاتا ہے کیوں دین مسیح

مندروں میں بیٹھ کر کیوں بیٹھتا رہتا ہے ہم
بت پرستوں کو مسیحیت سے کیوں الفت نہیں

میری یہ باتیں اسی اپنی خوش اخلاقی کے ساتھ
کان دھر کر پادری صاحب نے آخر تک سنیں

جو جواب ان ساری باتوں کا مجھے ان سے ملا
اس کو لکھے دیتا ہوں میں ان کی زباں کی طرح

پادری ہے پادری ہو خواہ وہ پاپائے روم
حضرت پاپا ہیں پاپا مگر ہیں نہ بھلا ہیں

تم کہتے پادری صاحب ہو سکتے یوں وہ رشتاں
اور تثلیث کا مسیحیت سے نقش اولیں

ہیں مطابق فہم انسانی کے سب اس کے اصول
علم و حکمت کو قریب اور عقل و دانش کو عزیز

کافروں کی شوخی طبیعت سے سمجھا کہ
آج تک روح القدس کا فیض ان میں نہیں

[illegible] اسلام نے [illegible] — [illegible] ایسی [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible]

[illegible]

اتمام نور

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

کہہ دو انہیں جو مٹانے کے لیے ہیں تُلے ہوئے
نقشِ یمن کا نشاں یہ مٹایا نہ جائے گا

سطوت میں ہیں غلام محمدؐ کی تربیت
ایسا یہ درجہ مجھ سے کہ گھٹایا نہ جائے گا

ہیں کیسے پامال ہوں کبھی یار کا شانات
ہمسر ہوا کی سے جو اٹھایا نہ جائے گا

آیا ہے جو خدا کے سر سے کچھ غضب یہی
اپنا سر نیاز جھکایا نہ جائے گا

کرتا وہ ہے جو ہیں ان کے لیے گھر
انھوں سے کا قول مجھ سے بہایا نہ جائے گا

کہہ خدا سے کفر سے علم خانہ میں گیا
ان شب کدوں میں تجھ سے تو لایا نہ جائے گا

پر جس کو شہر پہ بجز سے شادمانی
کیا تجھ کو پھر وہ بادہ پلایا نہ جائے گا

ہیں جو ہمیشہ سے جو خلق نبی
کیا تجھ کو پھر وہ نغمہ سنایا نہ جائے گا

ہاں اے ستم رسیدہ جو اٹھ کے آگے دل
اب تجھ کو بیٹھ کے نیند کے سلایا نہ جائے گا

سر پر جب آگئے گا رنج شہنشہی
ہم سے یہ بوجھ اٹھایا نہ جائے گا

اب بھی عرب میں اور عجم میں ہے گھر ترا — اس گھر میں اور کوئی بسایا نہ جائے گا

تثلیث کو بچا کے سنا دو کہ آج سے — ثانی کا تاج ہم کو پہنایا نہ جائے گا

اے کفر ہاتھ پاؤں سے ٹیڑھی راہ میں — سر پہ گریباں سے وہ کٹایا نہ جائے گا

اضافے سے ہند میں قائم ہوئی ملت

یہ پرچم اب کسی سے مٹایا نہ جائے گا

کاتب کا فرو سیاہ کا اعداد سے

تمام نظموں اور غزلوں

کا لفظ زار اردو ہے

مولانا کے کلام کو آزاد اور منتظم کر دیا

جو ہر لحاظ سے دیدہ زیب ہوگا

عنقریب تیار ہو جائے گا

یوم تصنیف

یہ ثابت ہے جو ہم کو بتلا نہیں ہوگا — کہ ان کل جہاں میں [illegible] نہیں ہوگا

وہ وقت آ گیا ہے عجب [illegible] ہو گی — [illegible] خون ہم سے [illegible] نہیں ہوگا

شراب معرفت [illegible] ہو گی پیالوں میں — [illegible] سے [illegible] ہوگا

اب سے بھی ہو جائیں گے ایمان کامل کے — یقین [illegible] ہوتا ہوا حق ایسے نہیں ہوگا

[illegible] — [illegible] ہوگا

بجے گا سطوتِ کبریٰ کا ڈنکا ساری دنیا میں
زمیں بالکل یہیں ہوگی فلک زیرِ نگیں ہوگا

خلافت اقتدار اپنا زمانے پر بٹھائے گی
مطاع و مہبطِ تنظیمیہ کا مسند نشیں ہوگا

اُڑائے جائیں گے ابلیس کے قانون کے پرزے
کتابِ عدل کا شیرازۂ مسند آئیں ہی ہوگا

اسیرانِ جفا کی کاٹ دی جائیں گی زنجیریں
مگر خود ظلم کی گردن میں طوقِ آہنیں ہوگا

غلام آزاد ہوں گے تاکہ بخشا جائے تاج اُن کو
جہاں میں عدل ہوگا لیکن احساں کا قریں ہوگا

ہر اک چھوٹا بڑا آزاد ہوگا فکرِ دنیا سے
نہ زید افسردہ دل ہوگا نہ عمرو اندوہگیں ہوگا

یہ سارے تخریب کے اسلحہ جس دن شکست ہوں گے
بلند آفاق پر اُس دن نشانِ مستضعفیں ہوگا

سیناستان

پیر کی اقتدا میں گر قصر ہو عصر کی نماز
کیا عجب اس سے منکشف مجھ پہ بھی خضر کا ہو راز

بادۂ امتوا پیوں موت کے بعد میں جیوں
مطلع فجر کی طرح ہو مری زندگی دراز

جھوم کے پی رہا ہوں میں جام مُتشمُز نوُزہ
گھوم رہا ہے جام میں نشۂ بادۂ حجاز

دعوتِ داع ہو گئی درگرۂ اِذَا دَعَان
یا کہ ہے خوابِ ناز میں چشمِ سیاہ نیم باز

دینِ قویم مصطفےٰ رحمتِ عام ہو گیا
تم سے ہی بس کے اٹھ گیا شاہ و گدا میں امتیاز

لعل نگار کی طرح میری حدیث ہے لذیذ
گیسوئے یار کی طرح میرا فسانہ ہے دراز

میرے لیے ھُوَالَّذِیْ آپ کے واسطے اَنَا
آپ کو مجھ پہ اعتراض آپ سے مجھ کو احتراز

چاہئے اہل ذوق کو سوز کے ساتھ ساز بھی
نغمہ جو ہو تو جاں نواز نالہ جو ہو تو دل گداز

تاجوروں کے شک کو غالب دینی ہوتی — سرمۂ دیدۂ بلال غازۂ چہرۂ معاذ[1]
جس کا ہیں قمر نہیں شان رسول ہی تو ہے — جس نے زمین خشک پر تھے کے چلا دیئے جہاز

عالم اعتبار سے ہے سلسلۂ امید و بیم — شرط ہبوط ہے صعود وجہ نشیب ہے فراز
مسلم سادہ کی بھی صاد اس پہ ہو گیا ضرور ہے — شوق سے لیجئے نکال کفر کی صورت جواز

علت اولیں ہے وہ علت آخریں ہے یہ
غور جو کیجئے تو ہے ایک بروز اور براز

---

۵ نومبر ۱۹۱۶ء

[1] تبدیل الذال بالزاء بقاعدہ سخنوران عجم

اعتماد علی النفس

اے مسلماں غیر کیوں ہوں تیرے حق کے پاسباں
جب یہ طاقت خود تجھے مانع تری آزادی میں ہو

کیا حریفوں کا ہمیں ڈر جن کو ہو خوفِ خدا
اور پھر اس پر اکثریت جن کی آبادی میں ہو

توڑ ڈالو ایک جھٹکے میں غلامی کی قیود
شیر مردو! تم پلے آغوشِ آزادی میں ہو

ہو مبارک کانگریسیوں کو وطن کی دوستی
شامل اُن کے بناؤ کیوں تم اسکی بربادی میں ہو

برہمن لایا ہے پھر شیخ نے باندھا ہے عقد
کیوں پھر مسلماں عروسِ ہند کی شادی میں ہو

بھیج دو پنجاب اُسے اپنی تشفی کے لئے
شک جسے اسلامیوں کی نکتہ ایجادی میں ہو

---

۵ ستمبر ۱۹۲۸ء

نازِ طبیب سے بے نیازی

اتنی ہی آرزو ہے مرے دل میں اے خدا
اسلام کو زمانہ میں تو نظروں میں سربلند

دنیا میں سرنگوں علمِ مصطفیٰ نہ ہو!!!
ہم خواہ خود ذلیل ہوں اور خواہ ارجمند

میداں میں قیس سے یارب رسوا نہ ہو
پھر قطب کائنات کو توحید کا سمند

مسلم خود اپنے درد کی تجویز کر دوا!
نازِ طبیب کا نہ کبھی ہو نیاز مند

ضامن ترا ہے نسخۂ تعویذ مصطفیٰ
پہنچائے یہ زمانہ تجھے کس طرح گزند

خواہی کہ خاکِ پاک رسولِ خدا شوی
دل را بیادِ خواجہؐ طاعت دو بہ بند

آئی فلک سے کان میں احسنت کی صدا!
نظمِ دل کشا ہے فرشتوں کو بھی پسند

لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ

اقبال کے زوال کا پیغام آ گیا — یہ آفتاب ڈھل کے لبِ بام آ گیا
برطانیہ کو مل گئی دولت عراق کی — اور حصۂ فرانس میں بھی شام آ گیا
فرطِ ادب سے جھک گئیں یاروں کی گردنیں — سر جان سائمن کا جہاں نام آ گیا
رجعت پسند کو نہ ملی جب کوئی دلیل — جھنجھلا کے اک خریطۂ دشنام آ گیا

خوش خوش تھے یہ حریف کہ اتنے میں دفعۃً
لَا تَقْنَطُوْا پکار کے اسلام آ گیا

---

۱۶ فروری سنہ ۱۹۲۸ء

اسلام کی بجلی اور شدھی کا خرمن

چڑیں گے کن علامت نمازوں میں اب اسلام کو گھلے
کہ بھر دیں کفر کے ڈھوروں نے بھارت کی چراگاہیں

اجازت مل گئی ہے آریوں کو مالوی جی سے
کہ حلقہ ڈال دیں شدھی کا جس کے کان میں چاہیں

کسی عورت کو بہکایا کسی بچے کو پھسلایا
دھرم ارتھ اُن کو دینا ہے اسی مطلب کی تنخواہیں

کہیں فقر اور ناداری کہیں جہل اور ہوسناکی
حرم کے رہزنوں نے بتکدوں کی کھول دیں راہیں

ہر اک مسجد پہ جھنڈا اوم کا لہرانے والا ہے
ہر اک مندر میں ہیں گرم ان دنوں ایسی ہی افواہیں

گریں گی بجلیاں ان سارے منصوبوں کے خرمن پہ
اگر ابھریں یکایک سینہ سے اسلام کی آہیں

لاہور ۱۴ جنوری سنہ ۱۹۲۷ء

جلال آباد

جو کڑک کر گر چکی ہے ہالجن داد پر
آج ٹوٹی ہے وہی بجلی جلال آباد پر

پالکل کابل میں حق ہے اور ہے باطل سربلند
استوار ارکان دیں ہیں جہل کی بنیاد پر

میرے بچوں کو نہ یوں اے ظالمو کافر بناؤ
دیکھیے اٹھتا ہے کون اسلام کی فریاد پر

مرٹا ہے دیں کیا جس نے امان اللہ کو
آفریں تہذیب اسلامی کے اس استاد پر

ان کی آنکھوں میں کبھی کھٹکا نصاریٰ کا کبھی کفر
ہے نظر جن کی امان اللہ کے اسحاد پر

میں جو آزاد اس لئے کافر بھی ہوں ملحد بھی ہوں
حکمتیں صد ہا نثار اس کے اک اس ارشاد پر

غیب سے آتا ہے اس کی مسلمانوں کی طرح
قتل ہیں ہم سارے ہے جہد وہی اگر اماد پر

لاکھ مومن ہو مگر تسبیح پا سکتا نہیں
شور بازاری غلام اک عاشق آزاد پر

عالمان سرکش اعظم کی ہا شست سے شاد
میرے تسبیح ملتہ س کی بشری اقتدا پر

---

۹ مارچ ۱۹۲۹ء

جواہر پارے

(۱)

جائزہ ہند میں اسلام کا ہم نے جو لیا — تو مساجد کے عوض چند شوالے نکلے
نہ غزالی ہے نہ رازی ہے نہ کتب خانوں میں — میز پہ ناول ہیں تو بستر سے مکالے نکلے
شرکتِ جلسہ کے پہ کہدو کہ ہے تو چندہ دیں — جو نہ روکے سے رکے اور نہ نکالے نکلے

وادیٔ عشق میں کانٹوں سے نہ نکلا جب سر — پیشوائی کیلئے پاؤں کے چھالے نکلے

اُس شرافت کے عوض جس کی تجلی ہو دولت — چند بوسیدہ و فرسودہ قبالے نکلے

نہ فضیلت رہی باقی نہ شجاعت قائم
ریتیں ہو گئیں یاروں کے دوالے نکلے

(۲)

جب نشتر مصالح سنائیں اُس نے مجھے تو میں نے — سیدھی سی بات کہکر سب پول کھول ڈالے

ہے مدعی قلندر اور طعنہ اُس کا بندر ... آیا ہے۔ قلندر گردن میں ڈھول ڈالے

تارِ نظر سے بٹ کر جادو کی ڈور میں نے ... چاہ ذقن کے اندر الفت کے ڈول ڈالے

نعت رسولِ اکرم اک گنج شائگاں ہے ... تھے اس میں جتنے موتی سب میں نے رول ڈالے

عقل گرہ کشا نے ایمان کی بدولت

سب عقدہ ہائے مشکل ناخن سے کھول ڈالے

(۳)

"مولویت ظفر علی خاں کی" ... سرخیِ "الفضل" کی ہے یہ بانگی

حضرت میرزا بشیر الدین ... جو ہیں تصویر شانِ یزداں کی

جن سے ہونا گناہ کا ہے محال ... کب ہے تخصیص یہ تو انساں کی

ہم "قلم" "الصباح" کے ہو کر ... بن گئے شکل مد و طوفاں کی

طعنہ دیتے ہیں سہو کا ہم کو ... ہیچ لکھ کر ہمارے نسیاں کی

کہ کہا ہم نے "بعض" کو کیوں "بعد" ... مسخ کیوں ہم نے شکل قرآں کی

بات یہ ہے کہ آپ کے گھر سے ... ہم کو نسبت ہے دست و داماں کی

ہم کو مشاطگی ازل سے ملی ... آپ کے کاکل پریشاں کی

گالیاں ہم کو اور دے لیں آپ — جس سے رونق ہو تازہ دکّاں کی
قادیاں کی بلا سے ہم کو پناہ — لی شہِ یثرب سے بے سر و ساماں کی
فخر اپنے گناہ پہ ہے ہمیں — کہ ہے رحمت حجاب عصیاں کی

کل رفو ہوگا آپ کا دامن
آج جو شکل ہے گریباں کی

---

۱۲ ستمبر ۱۹۱۷ء

صلیب و ہلال

جو کشمکش ہے آج صلیب و ہلال میں
گذری نہ تھی کبھی یہ کسی کے وہم و خیال میں

حق پائمال ہے باسفورس کے کنارہ پر
باطل ہے سر بلند درِ دانیال میں

لہرا رہا ہے بام حرم پر لوائے کفر
لپٹا ہوا ہے کعبہ کا پرچم ضلال میں

اقصائے شرق و غرب میں اک حشر ہے بپا
پھیلا ہوا ہے فتنہ جنوب و شمال میں

وہ زخم دل کشائے ستم سے ہیں پھر نئے
آنے نہ پائے تھے جو ابھی اندمال میں

مسلم کے قتل سے ہیں مشرق و مغرب میں لالہ زار
گذرے ہیں سات سال جدال و قتال میں

شرعِ نبیؐ ہے دست خوشِ جہالتِ فرنگ
سب فرق مٹ گیا ہے حرام و حلال میں

بیدرداتوں کے صبر رضا کا ہے امتحان
طاغوتیوں کے درس کے اشتعال میں

یہ حال اپنے دوست کی امت کا دیکھ کر
بل پڑ گیا خدا کی جبینِ جلال میں

پہلے تھی ہم سے کفر کی اب ہے خدا سے جنگ
کچھ شک نہیں رہا ہے اب اس کے زوال میں

شراب تبریز کا ایک جرعہ

اٹھے بار دو کے مانند خود اور سے اٹھے مجھ کو
میرا پیمانہ ساقی اس شراب تیز سے بھر دے

نہ اس سے ڈر کہ ہوگا دوسرا ساغر تمنا آور
اسے اک اور صہبائے جنوں انگیز سے بھر دے

ابھی چھوا کا نہیں ہے اور بھی دو چار گھونٹ آئیں
خمستان میں مری دولت کا خم انگیز سے بھر دے

اگر خمخانہ خالی ہو چکا ہے مے سے غالب کا
تو اٹھ اور ایک کشتی من کی تبریز سے بھر دے

اٹھانا ہے رخ دلدار سے پردہ اگر تجھ کو
لوٹی لا کے کچھ شیراز اور تبریز سے بھر دے

پلا کر بادۂ رنگیں مرے سوئے شبستاں کو
پری رویان شوخ و شنگ بے پرہیز سے بھر دے

دلوں پہ پھر چشم نرگسیں کے ڈال کر ڈورے
مشام جان کسی کی زلف عنبر بیز سے بھر دے

اگر کرنی ہو گلچینی گلستان معانی کی
تو داماں خیال اس خامۂ گلریز سے بھر دے

---

۱۴ جنوری سنہ ۱۹۱۷ء

اسلامی نظمیں

صادق پریس لاہور بیرون موری دروازہ میں باہتمام حکیم محمد عبد الرحیم پرنٹر و پبلشر چھپ کر
مکتبہ اسلامیہ پنجاب بیرون موری دروازہ سے شائع ہوا

قرآن مجید

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی اس کی شان میں آیا ہے
رحمتِ عالم ہو کے اک اُمّی یہ پیغام لایا ہے

نکتہ شناسی نے کر دیئے پیش یہاں سے عَلَّمَ الْاِنْسَانَ کے رموز
جن کو سمجھ کر خاک کے آگے قدسیوں نے سر جھکایا ہے

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اس کی زبان پہ آتے ہی
کفر کے برجِ سر بفلک پہ پرچم دیں کا لہرایا ہے

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا لکھ دیا ہے حق کو فروغ
جس کے بیاں نے کیے دل اس نے راست دل گرمایا ہے

بت کی خدائی سے کیسی فَتَعٰلَی اللّٰهُ الْمَلِكُ
بالکل سے نقشِ توحید اس نے کھنچوایا ہے

صورت صورت اس نے رستہ نکالی ہے کوہِ اسباب سے گیا
قطرہ سے قلزم پہ سے گلشن پیدا کر کے دکھایا ہے

دامن بھر رہی تھی گلستاں تھا آنکھ کو دامن گلچیں کا
سو رہے جہاں بہار نے جب بنا ابر کرم برسایا ہے

جن کے عقدہ میں تھی غلامی اُن سے نے انہیں آزاد کیا
نوع بشر کی لوح جبیں سے اُن کے یہ داغ مٹایا ہے

اسپین یا صور و مصر و افغانستان ایران و ترکی
سب کو بتا کے ایسی ہی لینے آئے ہی گھر اپنا بسایا ہے

سطوت سیر و تمکنت شاہاں و حکومت بھی دولت و جم
لٹی ہے کیونکہ اُس نے یہ نکتہ دیدہ ور دل کو بتایا ہے

تم بنا طول شکستہ ہوا ہے ساغر جسم بھی ٹوٹ گیا
تا ابد وہ جام چکے گا اُس نے جسے چکھایا ہے

کون و مکاں سے عرش تک اُس کا جلوہ چھایا ہوا ہے
ایک فقط انسان ہی کا سینہ جس میں یہ نور سمایا ہے

اسلام کی مشکلات

پھر شوق ہے شعروں کا نظارہ ہے جنوں کا — طلب ہے طریقت کا اور تماشا ہے افرنجی

یارب مجھے بخشش ہو ادا سے ذوق نواسنجی

پیدا ہے جو شور لبیک کا اسلام کے اقوال ہیں — اے کفر ہی ... پیر مسلک کو ہے کجی

یارب مجھے بخشش ہو ادا سے ذوق نواسنجی

مجھ ہی سے کچھ اری ... کی ... — ... کی ... تو ... کی شطرنجی

یارب مجھے بخشش ہو ادا سے ذوق نواسنجی

... کب تک ... آپس کی ... کجی

یارب مجھے بخشش ہو ادا سے ذوق نواسنجی

۱۶ جولائی ۱۹۲۶ء

نماز

پڑھتے نہیں ہیں قوم کے لیڈر نماز کیوں
کم ہو گیا ہے قوم سے یہ امتیاز کیوں

ہوتی نہیں ہے سجدہ فشاں صبح اور شام
درگاہِ کبریا میں جبینِ نیاز کیوں

ارشادِ ایزدی سے یہ اعتراض کس لئے
فرمودۂ رسول سے ہے یوں احتراز کیوں

آقا سے کیوں غلام نے کی ہے یہ سرکشی
محمود سے ہوا ہے عناں تاب ایاز کیوں

ہم کو خبر سلف کی روایات کی نہیں
نا آشنا ہے شانہ سے زلفِ دراز کیوں

قرآن پہ جب عمل ہی مسلمان کا نہ ہو
ہو طاقت ادا سے حقیقت مجاز کیوں

غیرت سیاق ان کی نہ ہو سکے تو پوچھئے
شوہر کہیں رہے تو مجھے ہے یہ ناز کیوں

تم سے نماز ہو تو یہ الزام ہے بجا اگر
لیکن سبب بتاتے ہو وجہِ جواز کیوں

بہتر یہی ہے چپ رہو پردہ تمہارا ڈھکا رہے
دیتے ہو مجھ کو زحمتِ افشائے راز کیوں

آنکھیں خدا نے دی ہیں مگر دیکھتے نہیں
اپنوں سے منہ پھیر کے پھر جانماز کیوں

دنیا گزشتنی ہے تو دولت گذاشتنی　　اس ڈھلتی پھرتی چھاؤں پہ اس درجہ ناز کیوں

ساقی شراب غرب سرور آفریں نہیں
دیتا نہیں ہے مجھ کو نشہ خانہ ساز کیوں

---

۲۰ جون ۱۹۵۲ء

سعادت ازلی

اللہ سے کچھ جو رضا سے کبھی پوچھتا　　سن لیں یوں تحقیق کی ہے سعید کو
شیطان ساتھ ساتھ شکل بدلتا　　سب کی یہ پوچھ کا پانی پید کو

مدینہ منوّرہ

چشمہ ابل رہا ہے مدینے میں نور کا — ہر اس کی موج رقص ہے میرے شعور کا

چھنتا ہے جلوہ اس کی فضا سے لطیف تر — صبحِ ازل سے نورِ سعادت ظہور کا

ایک ایک سنگ پیر داور کا مرے لئے — ہمرنگ ہے خدا کی قسم کوہِ طور کا

بہتا پگھل پگھل کے ہے آنکھوں کی راہ سے — اک جام تھا یہ میرے دلِ ناصبور کا

دہلیزِ مصطفیٰ سے مرا سر لگا رہے — طالب نہیں میں جنت و حور و قصور کا

سر خاک پر ہے اور تصور ہے عرش پر — پھر کیوں نہ ہو نصیب مواجہ حضور کا

اے رب کبیر میری خطا کو معاف کر — نزدیک ہے اگرچہ مجھے دعویٰ ہو دور کا

آداب جانتا نہیں شیدا جمال کے — کچھ بھی نہیں ہے پتہ مجھے ان امور کا

اس سے کمی نہیں ہے مرا مدعا کچھ — رکھتا ہوں دل میں ذوق طوافِ حضور کا

تسلیم پڑھ رہا ہوں سلام میں — میرا یہ زمزمہ ہے ترانہ زبور کا

دل میں جو ہے وہ آ نہیں سکتا زبان پر

خود اعتراف ہے مجھے اپنے قصور کا

مدینہ منورہ

ہندوستان کے مسلمان کا گناہ

ان کی جبیں پہ چیں ہے اور ابرو میں ہے شکن
چہرہ ہے خشمناک تو آنکھیں ہیں قہر پاش

دیتے خطاب ہیں کبھی اٹھ کر کسی کا
مجھ کو پکارتے ہیں کبھی کہہ کے بدمعاش

میں خود ہی اپنے جرم کا ہوتا ہوں معترف
ناحق وہ کر رہے ہیں مرے جرم کی تلاش

بے شک میں بدمعاش بھی ہوں اور شریر بھی
آنکھوں پہ ان کے میرے یہ الفاظ ہیں جاں خراش

میری خطا یہ ہے کہ انہیں میں نے کہہ دیا
سنگ جفا سے شیشۂ ایماں کو پاش پاش

میرا قصور یہ ہے کہ ان کی گلی میں کیوں
گاڑی ہے میں نے کیوں دل مبتلا کی لاش

میرا گناہ یہ ہے کہ کیوں میں نے کہہ دیا
راز غلامی صد و پنجاہ سالہ فاش

سپاس

آفتابِ اسلام کا آیا ہے مشرق الاس پر — ہو گئے چودہ طبق روشن عوام الناس پر
زندگی اسلامیوں کی آنکھ سے مخفی نہیں — شاہراہ ان کی رہبری ہے خضر و الیاس پر
کیا سے کیا پھر بنے ہو اپنی تہذیب اور تلوار کو — جب نظر آیا ہمارے قلب کے احساس پر
زندگی کی آن سے جو سخت دشمن کی ہے یار — جو طرح نادان کھیلے وادیِ ہر فی قیاس پر

جا کے لیا آسماں سے یہ زمیں سنگلاخ
ہو گئی طاری یہ ہر جا مشعلِ جوہر سپاس پر

محمد سپاسی
۲۹ ستمبر ۱۹۴۵ء

لا تقنطوا من رحمۃ اللہ

تضمین بر غزل حافظ

مسلمو از دیر آمد رحمت یزداں غم مخور
باز گردد این پریشانی پریشاں غم مخور

یوسف گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور
کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

مسلم ناشاد میں [illegible]
[illegible] حافظ غیب کی آواز سن

اے دل غم دیدہ حالت بہ شود دل بد مکن
وین سر شوریدہ باز آید بسامان غم مخور

کیا ہوا گر چند روز سے [illegible] ہے سرگشت
[illegible]

دور گردوں گر دو روزے بر مراد ما نگشت
دائماً یکساں نباشد حال دوراں غم مخور

[illegible] اسلام کے دشمن یہاں کرتا ہے ظلم
[illegible]

در بیاباں گر بشوق کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خار مغیلاں غم مخور

[illegible]
[illegible]

گرچہ منزل بس خطرناک است و مقصد ناپدید
ہیچ راہے نیست کو را نیست پایاں غم مخور

تجھ کو کیا معلوم کیا ہے کلفت سفر غریب
کب میں پڑتا ہے تجھے پردیس میں بار غریب

ان شہیدوں میں ہیں اس آفت کے انداز عجیب
پاشکستہ ہو دو بازی ہاے نہاں عشق و عجز

ایک دن آباد ہوگا تیرے آسیب سے او وطن
پھر تو سہتا ہے تجلی ہی کچھ کلاہ آن تک

گر بپا عمر پاش باز جیسے ہیں سب چمن
پھر گل ہے سرکشی اسے سبز و خوش خوان بہم

ہم گدا و غم سہے کب سے معلوم انجام نصیب
کیا غم و محنت سے کیوں جیتے فایدہ تا مقیم

حال باد و غم تو ہے پامال ابرا ہم نصیب
جو پہ جھ دانہ خاک سے تھا حال گرداں عشق و عجز

سب خدا کی سوغات ہے سب رنج نصیب ایک بھی
تجھ کو کیا پیدا کیا ہے تجھے سے کیا کچھ

اے سودا الجھ مت بیان تا نیاد ہم ترے کہ سبب
تجھ پہ تا قلم کچھ ست کیش بات طرح بیان بہم

پختگی اور خامی

خود کام ہم نہیں ہیں کہ وہ کچھ خوش نہ ہوں
ہر بات پہ شاد کام ہیں ناکامیوں میں ہم

امت رسول کی ہیں امانت خدا کی ہیں
ہیں جنت النعیم کے انعامیوں میں ہم

تم پوچھتے ہو حال ہیں کس رنگ ڈھنگ میں
گو انقلاب دہر سے ہیں بدنامیوں میں ہم

ہمت عطا ہے بات سے کہ ناموسیوں میں ہم
اور کچھ حیات سے گمنامیوں میں ہم

سوائے شرع کی سحر و شب کو دیکھ
دیکھیں گے پختگی کو ابھی خامیوں میں ہم

اسلام سے جدا نسب کا شریف ہے
کیا کام ہے جو شرف کہیں سلامیوں میں ہم

ہندوستاں ہو رہے گی ہر جا شریک
کیا ہے آج شامیوں میں ہم

دنیا میں ہے جو شیخ یا رہے ترقی کا نام
خود کچھ نہیں ہیں گمنامیوں میں ہم

گردش میں ہیں جام شکستہ ہے
کچھ کر سکے نہ نام ہو ہیں آشامیوں میں ہم

طاقتوں سے جنگ، تیز ہواؤں سے صلح
یہ جنگ اور صلح کے پیمانوں میں پیام

۲۲ فروری ۱۹۶۵ء

تجاہلِ عارفانہ

خدا کیا ہے؟ یہ پوچھا شریعت نے ملاؤں ۔۔۔ تصوف نے کہہ کر پکارا ظہورِ ازل
وہی باغ ہے اور وہی باغباں ہے ۔۔۔ وہی ہے خود ہی گل اور ہے خود ہی بلبل
مکاں بھی وہی ہے مکیں بھی وہی ہے ۔۔۔ صراحی بھی ہے خود ہی اور خود ہی قلقل
کبھی ہے وہ مے سے کبھی جام بھری ہے ۔۔۔ کبھی ہے [illegible] ہے کبھی ہے وہ گل
ابھی تھا وہ موسیٰ ابھی تھا وہ عصائے خدا ۔۔۔ وہ اس کا طرح ہے اس کا بدل
کل بھی ہے خود ہی اور [illegible] بھی ۔۔۔ وہ اس کا حاصل ہے اس کا محصل
زمیں بھی وہی ہے زماں بھی وہی ہے ۔۔۔ وہ اس کا تنگ ظرف ہے اس کا تخیل

شریعت نے لا قول پڑھ کر کہا یوں — یہ باگ کسی اور کو دے دیجئے جبل

جہالت کو سمجھی تھی یہ ترقی یا نہ — مگر یہ تو سب علاوہ تقابل

خدا کے خیال ہو غلط بھی ہو

حقیقت سے ہے دور وہ تخیل

[illegible]

ساعتِ قدر

شب قدر ہے جوانی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بل [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پھر وہی تو اور وہی تیرا شبستانِ غم تھا

أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ

وہ کون ہے جو مضطر کی دعا قبول کرتا ہے۔ بلاؤں کو ٹال دیتا ہے۔ اور تم کو مستحقین کی خلافت عطا کرتا ہے۔ کیا وہ خدا کے سوا دوسرا ہے تم سوچو تو اس سوال کا جواب دے سکتے ہو۔ مگر تم بہت کم ہی فکر کرتے ہو۔

الٰہی میں نے کل شکوہ کیا تھا — کہ بگڑی جا رہی ہے میری تقدیر
سحر خیزی مری جاتی ہے بیکار — دعائیں ہیں مری خالی تاثیر
ابھی پیشِ خدا میں گر رہا تھا — ندا آئی کہ کیوں ہوتا ہے دلگیر

بھروسہ رکھ ہماری رحمت پر
کہ جیسا تو نے چاہا تھا وہی تدبیر

---

۲۸ اکتوبر ۱۹۵۰ء

[illegible]

[illegible]   [illegible] اچھا

[illegible]   [illegible] اچھا

[illegible]   [illegible] اچھا

[illegible]   [illegible] اچھا

[illegible]   [illegible] اچھا

[illegible]   [illegible] اچھا

[illegible]

[illegible] اچھا

سحر حلال

[illegible] تک ہے
[illegible] تک ہے

[illegible]
[illegible] تک ہے

[illegible]
[illegible] تک ہے

[illegible]
[illegible] تک ہے

[illegible]
[illegible] تک ہے

[illegible]
[illegible] تک ہے

[illegible]
[illegible] تک ہے

[illegible]
[illegible] تک ہے

[illegible]
[illegible]

ترک

[illegible] کے [illegible] ہونے کا وقت آیا
[illegible] کے بادشاہ ہونے کا وقت آیا

طلوع صبح دین [illegible] کی سمت آ پہنچی
جہاں میں حق کے باطل سے جدا ہونے کا وقت آیا

گھٹا آیا ہے رحمت ہر طرف سے [illegible]
سرِ دل پر سایۂ لطفِ خدا ہونے کا وقت آیا

ھو اللہ احد ہے نغمۂ زیبا بہ گلشن
قفس سے [illegible] بلبل کے رہا ہونے کا وقت آیا

[illegible] کی صحبت سے ہر مشکل
ہر دل [illegible] کے مشکل کشا ہونے کا وقت آیا

شراب [illegible] ساقی [illegible] شہادت ہو
زلال زندگی کے [illegible] ہونے کا وقت آیا

[illegible] یہاں [illegible] زندہ دلی کی
[illegible] سے [illegible] ہونے کا وقت آیا

[illegible] حق سے [illegible]
تم [illegible] ہو [illegible] ہونے کا وقت آیا

[illegible] ایک قطرہ [illegible]
ہر اک قطرے سے [illegible] طوفاں بپا ہونے کا وقت آیا

[illegible]
ان آیات مبیں کے [illegible] ہونے کا وقت آیا

اکیلا [illegible] نہیں سکتا
کسی سے [illegible] نہیں سکتا

تکمیل ایمان

زکوٰۃ اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا اور نماز اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

دل ان کا خوف غیر اللہ سے خالی نہ ہو جب تک
مسلمانوں کی آزادی کا ساماں ہو نہیں سکتا

وہ ہوگا اور ہی کوئی جو رکھتا ہو لگی لپٹی
میں اپنی صاف گوئی پر پشیماں ہو نہیں سکتا

غضب انگریز کا ان سب مری باتوں کی قیمت ہو
قیامت تک مرا رخ اس سے گرداں ہو نہیں سکتا

نکالیں مجھ پہ غصہ کمشنر کلکٹر سب مل کر
میں ان کے الٹی میٹم سے ہراساں ہو نہیں سکتا

---

۲۵ مئی ۱۹۲۲ء

انقلاب کے انقلاب!

زمیں ہے بے سر کہیں آسماں ہے جو سرنگوں — کہ ہے مقابلہ اسلام کہیں کہیں آفت کا
اب اُن کے نام سے کوئی شناور نہیں — دو دو ہیں اُن کی بھی سر پر شہ لطافت کا
رذیل چھوٹے ہیں جو ہیں جگہ شریفوں کی — جنازہ اُٹھ گیا آفاق سے شرافت کا
معاش کی ہوئی سختی تو لوگ دامن گیر — تو ختم ہو گیا ایسا شعار صحافت کا
اب اودھ پنچ اس سے کہ گالیاں دے کر — کسی کو دے کے پیغام ہے ظرافت کا
اثر ہے وہ جو خدا ناشناس انقلاب کا شکار — مخالفت کا ہے وقت جنگ ہے خلافت کا

مگر وہ پھر بھی غضب ہیں جن کی مجلس میں
ہمیں کو طعنہ دیا ہے گیا سیاست کا

اہل حدیث اور فتنہ فرنگ

شاہی میں جب کہ سلطنت دہلی ہوئی تنگ | تب قوم فرنگ نے کیا ہی سب پہ جا نہ کو
شاطر وہ سب مشرق اور مغرب عراق کو | ابن سعود شاہ سے شریعت نواز کو
جو سلطنت کے تھے یہاں ان سے کیا جہاد فاش | دین میں بھی سکھ کے پردہ صد سال ناز کو
اسلام کو مٹانے لگے انگریز بے نصیب | کرنا وہ چاہتا نہیں اس سرزمین حجاز کو
شاہ ان کو جب نے فرنگی سے کہہ دیا | لندن کی آستاں پہ جبین نیاز کو
اک بڑا ان سے علما پہنچ گئے | ہمارا نہیں کی حکمت باطل طراز کو
دہلی میں رہا کے چھپے ساتھیاں نہ | پہنچ کے فرنگ کی شان و ناز کو
کتنی ہی کتب جلیں پچھلی کی ہی بدحال | کر کے نماز ہی میں حسن و داد کو
لیکن بچا لیا کچھ گئے اہل حدیث بھی | انہوں نے کی اس حقیقی شکست ناز کو
ان کا تو سب سے بچے دین یار بجا سے | پھٹکے نہ ہی سے کوئی تھا راز کو
بے شک ہے چمن نماز پیا بندی سنن | رفع یدین شرط ہے جب سے کہ جواز کو
آمین بھی بعد فاتحہ ہو اس لیے بلند | فوراً ہی کان ہوں فلک حقہ باز کو

لیکن جو کام آ سکے نہ ابنِ سعود کے
چاہیں لگانے شہد ہم ایسی قضا کو

---

۱۱ جنوری ۱۹۲۹ء

تاجِ سلیمانؑ

شکست اہلِ یوناں اگر کھا رہے ہیں — تو اپنے کیے کی سزا پا رہے ہیں
سنبھل جائیں جنگ آزمایانِ یورپ — کہ ترکانِ احرار گرما رہے ہیں
وہ گرزِ گراں جب سے البرز لرزے — سرِ کوہ پر ترک برسا رہے ہیں
خود اپنے حریفوں کے ہاتھوں سے گردن — حلیفوں کا تخت الٹوا رہے ہیں
ہوا مصطفےٰ کا جلال آشکارا — حنین اور بدر آج یاد آ رہے ہیں
فرشتوں کے جتھے آسماں سے اتر کر — خلافت کو امداد پہنچا رہے ہیں

یہ غارت گری ہو کہ افسوں گری ہے — مرا گھر مجھی سے وہ لٹوا رہے ہیں

کہیں فتنہ بنا فتویٰ کہیں بنا جلسے — تشدد کی آگ آپ بھڑکا رہے ہیں
مگر بلندی یہ ہے کہ خود ہو سکے ملزم — سب الزام گاندھی پہ چپکا رہے ہیں
تقاضا ہے جیسے اپنی جیب بھرنے سے کام تا — یہی ثبوت شوکت سے ہو رہے ہیں
وہ کشمل کی ٹوپی سے تاج سلیمان — محمد علی کو جو پہنا رہے ہیں

یہ مہدی کی آمد کے سامان ہیں سارے
یہ ظاہر ہے کہ مہدی قریب آ رہے ہیں

قیادت اور علمائے کرام

شکایت ہے جن کو کہ مسلم ہیں بے شعور ا — تاکہ دنیا میں بلند اسلام کا جھنڈا کریں
دشمنوں سے جو سال گزرتے ہیں ہمیشہ — ملت بیضا کا بیڑا پھر سے ابھارا کریں
کہ عجب ایسا تھا جیسے ہے دل ابھی پاک — اپنے اندر وہ مقصد میں جذبہ پیدا کریں
روح سے قوت باطل کو بخشی شکست — دین کی رکھیں آبرو اور کلمہ گوئی کیا کریں

دعوتِ ارشاد سے تو ہیں طلسم ابتداء — نقشِ شمعی کا جو اٹھا ہے اسے چلتا کریں

سینۂ قرآن ہوا دریا آنکھ کے تل میں چھپا — کوزہ کو دریا میں بھر دیں ذرہ کو صحرا کریں

ما طغیٰ کا نہیں کا اِل چشم بینا کیجئے — والضحیٰ سے دیدہ بینا کو نابینا کریں

وکفیٰ کے نکتہ کو اک افسوں سے پڑھیں نگہ — منتظر ایسا ہو کہ بیٹھے مدتیں دیکھا کریں

ہیں مبارک عاملانِ دین کی یہ سب گھڑیاں — جن سے ہو جو ملت کی رونق نہیں ایسا کیا کریں

پھنکی [illegible] بولے [illegible] ہیں آگ [illegible] — [illegible] آگ [illegible] کریں

[illegible] کے سب [illegible] گھر کی لیں خبر — [illegible] کریں

[illegible] کو [illegible] — [illegible] کریں

[illegible] — [illegible] کریں

[illegible] — [illegible] کریں

عاملانِ دین ہی [illegible]
[illegible] کریں

لہ منشی غلام احمد قادیانی بانیٔ فرقۂ قادیانیاں

ہر مردے و ہر کارے

شتربانوں کو بخشی جا رہی ہے پھر جہانبانی
عرب کی ریت کے ذرّے بنے گردوں کے سیّارے

حجاز اور اس کی تطہیر آئی حصے نجد والوں کے
کہا سچ کہنے والے نے کہ "ہر مردے و ہر کارے"

خدا کی رحمتیں ابن سعود اور اُس کی دولت پر
جسے ڈھب یاد ہیں اقبال کی تسخیر کے سارے

الٹ جاتی ہے جب تقدیر کام آتی نہیں طاقت
نہ چل سکتی ہیں تدبیریں نہ اڑ سکتے ہیں طیارے

علی اور اس کے اخوان ایک بھی میدان نہیں جیتے
سعود اور اس کے اخواں ایک بھی بازی نہیں ہارے

بداوت کو حضارت سے پڑا پالا تو دیکھو گے
دھرے رہ جائیں گے قانون افرنجی کے پشتارے

سکھاتے ہیں تہذیب آج بھی صحرا نشیں اُن کو
جو ہیں اس دور کی شائستگی کے عرش کے تارے

حرم کی طرح جدہ پر بھی اہل نجد قابض ہیں
مخاطب کس سے جا کر ہوں اب اہل جدہ بیچارے

سلامت گنبدِ خضرا کو جا کر جب وہ دیکھیں گے
عجب کیا ہے جھکا لیں اپنی گردن شرم کے مارے

اُبلنے لگ گیا پھر چشمۂ نور اُن اماکن سے
جو تھے ایام سابق میں سیہ بختی کے گہوارے

حجاز اب ملتِ بیضا کی رعنائی کا گھر ہوگا
بجیں گے اب یہاں اسلام کی شوکت کے نقارے

۲۶ دسمبر ۱۹۲۵ء

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

کچھ اس کی بھی خبر ہے تجھ کو اے مسلم کہ اپنی
وہ ساعت جو نہ ہو سکنے سے بھی لگتی تھی ٹلنے کا

بھڑک اٹھی وہ آگ اسلام نے جو دل میں بھری تھی
کیا ہے کفر نے ساماں تیرے خرمن کے جلنے کا

بجھی ہیں بیڑیاں پیر سنے اغیار آلودہ ہونٹوں پر
تماشا دیکھ لے حسرت سے تیرے ہم کو ملنے کا

تجھے تہذیب مغرب سیر باغ اپنا دکھاتی ہے
یہ ساماں ہو رہا ہے تیری نیت کے پھسلنے کا

ترا اخراج قسطنطنیہ سے شاید نشاں ہوگا
ابھی ہوتا ہے بر حق کے میداں میں نکلنے کا

اگر قرآں کو وحدت پیچ کچھ شک نہیں جیسا
تو وقت آ ہی گیا ہے کفر کا سورج کے ڈھلنے کا

رسول اللہ خود کر لیتے ہیں دل کو تھام لیتے ہیں
سمجھ او بے خبر ہر وقت موقع ہے سنبھلنے کا

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

---

۲۲ اپریل ۱۹۲۰ء

زہر اور اس کا تریاق

کسو گے تم نہ جب تک پیچ پرزے شرع کی کل کے
شکنجہ مغربی تہذیب کا ڈھیلا نہیں ہوگا

خروشِ کفر تھم سکتا نہیں گردوں کے حلقوں میں
سرودِ رتّل القرآن ترتیلا نہیں ہوگا

مسلماں تھام لیں گے جب رسول اللہ کا دامن
مؤثر کافروں کا کوئی بھی حیلہ نہیں ہوگا

ڈسیں گے پھر بھی یہ افعی کہ ڈسنا ان کی فطرت ہے
مگر اس وقت ان کا ڈنک زہریلا نہیں ہوگا

شجر اسلام کا پھولا پھلا ہوگا خزاں میں بھی
کوئی برگ اس درختِ سبز کا پیلا نہیں ہوگا

مضیٰ ما مضیٰ

کچھ آج اپنی مصیبت کا ماجرا کہیے
مگر جو کہیے وہ سچ کہیے اور سچا کہیے

ہر اک جفا کی حقیقت الگ الگ کہیے
ہر ایک ظلم کا قصہ جدا جدا کہیے

کبھی تو خود اپنے چلن کی برائیاں کہیے
اور اس کو اپنی خانہ خرابی کی ابتدا کہیے

درازیِ شبِ فرقت کی داستاں ہے اگر
کمی رہی ہو تو کوتاہیِ قضا کہیے

عرب کی خاک اڑی ہو گیا عجم پامال
ستم ہوئے ہیں وہ اسلام پر کہ کیا کہیے

یہ کیا غضب ہے کہ گھر کو لگا لے آپ ہی آگ
پھر اس کو شوخیِ تقدیرِ نارسا کہیے

کیا ہے حملہ خود اپنی ہی فوج پر ہم نے
ستم ہے اس کو بھی دشمن کی کج ادا کہیے

ہماری تیغ ہمارے ہی خون میں پھر گئی
اسے بھی شوق سے قاتل کی اک ادا کہیے

جھکا ہوا علم اب سر بلند سے ٹوٹے
خشوع ور خواہ اسے مومنین کی دعا کہیے

رگِ حرم سے بہا ہے جو خونِ ناب اس کو
عروسِ بخت کی رنگینیِ حنا کہیے

عجم کی خاک ہے گل رنگ خونِ مسلم سے
اسے قبا تو اسے تمغۂ قبا کہیے

دلِ عرب کبھی ترکوں سے مل نہ سکتا تھا
ملا تو اس کو خلافت کا خوں بہا کہیے

بزعم عیسیٰ مریم لما سبقتانی — نہ کہیے بلکہ جو کہیے تو ساقیٰ کہیے
برسم مومن قانت شب بلا سر سے — جو ٹل گئی تو مضیٰ کہہ کے ما مضیٰ کہیے
نہیں رہا ہے در اندازیٔ رقیب کا خوف — اب اٹھ کے بزم میں جو کہیے برملا کہیے

بقول غالب اگر پار اتر گئی کشتی
"خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے"

صفیرِ سروش

فلا تعجل علیہم سن کے بھی تجھ کو نہ صبر آیا — مگر یہ اضطراب شوق تقاضا ہے تیری فطرت کا
نظر آتے تجھے معلول و علت کے نہ عالم — اٹھا سکتا اگر تو پردہ ایزد کی مشیت کا
تری آنکھوں سے اوجھل وہ حیات اب ہے دنیا کی — تصرف جس میں پنہاں ہے خدا کی دست قدرت کا
وہ امت کی حیات جاوداں کا ساز و ساماں ہے — تجھے فتنہ نظر آیا ہے جن کو جو قیامت کا
جسے سیلاب حوادث سے کیا تو نے — حقیقت میں وہ اک امڈا ہوا دریا ہے رحمت کا
سمجھتا ہے تباہی تو جسے اسلام والوں کی — وہ در اصل اک نیا انداز ہے احیاء ملت کا

حرم کیا ہے فقط اک جذبہ ہو جس کی جہانگیری
خراج اقلیم جاں سے آکے لیتی ہو اخوت کا

فنا سا بانیاں اِس میں نہیں ہیں اینٹ پتھر کی
بگڑنا کس طرح ممکن ہے پھر اس عمارت کا

یہ جو کچھ ہو رہا ہے ہو رہا ہے ایک مقصد سو
تحفظ اس سے ہے مقصود ناموس شریعت کا

ڈبوئے جارہے ہیں ہر طرف کفار کو بیڑے
مٹایا جارہا ہے ہر طرف نقش انکی عظمت کا

کہاں ہیں رومنات اور ہو گئی کیا سلطنت انکی
ابھی کل تک جہاں میں غلغلہ تھا جنکی صولت کا

کدھر ہیں پیر گیلو کیا ہوئی انکی شہنشاہی
کہ تھی عثمانیوں کے حق میں اک پرکالہ آفت کا

فدائی کتنے ہوا سے مٹ گئے اور مٹتے جاتے ہیں
وہی رہ جائیں گے کچھ پاس ہے جن کو امانت کا

خدا ہرگز نہیں کرتا فراموش اپنے بندوں کو
اگر بندے ادا کرتے رہیں فرض اس کی طاعت کا

بڑھا ہے چاند گھٹ گھٹ کے بڑھی ہے صبح مٹ مٹ کے
اسی انداز سے ہوگا عروج اک دن خلافت کا

نہیں آتش بجانوں کا حیات دہر پر حق ہے
جو رکھتے ہوں بھروسہ پرورش میں سعی شہادت کا

مسلماں جی نہیں سکتا ہے مر لیتا نہیں جب تک
یہ دریا چڑھ نہیں سکتا اتر لیتا نہیں جب تک

فریادِ جرس

کل کہہ رہے تھے ایک محبِّ وطن بزرگ
ہندوستان رہنے کے قابل نہیں رہا

انساں سے چھین لی گئی آزادیِ ضمیر
لیلیٰ کے ناقے کے لئے محمل نہیں رہا

تھا دشنۂ حق کا تیز کبھی خوشنما تیز بھی، مگر
کچھ دن سے درخورِ رگِ باطل نہیں رہا

لندن کی عافیت کبھی جس کے لئے تھی تنگ
زنداں میں اب وہ شورِ سلاسل نہیں رہا

سچ اور جھوٹ میں نہیں باقی رہی تمیز
اور امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا

ہم آپ اپنی راہ کے سنگِ گراں بنے
رہبر کو فکرِ دوریِ منزل نہیں رہا

آزادیِ حیات کی جن دل میں تھی تڑپ
اب پہلے سے وطن میں وہی دل نہیں رہا

جو کوششِ آشتی کی ہوئی رائیگاں گئی
اور کوئی اتحاد کا قائل نہیں رہا

پھر کس سے یہ شکوہ کہ لطفِ خدائے پاک
ہندوستاں کے حال کو شامل نہیں رہا

ہندو کی آنکھ کاش زمانہ ہی کھول دے
مسلم تو اپنے فرض سے غافل نہیں رہا

حنفیت

وہ اگلے زمانے کے مسلمان کہاں ہیں
اسلام کی عزت کے نگہبان کہاں ہیں

جو چھوٹ نہ سکتا تھا وہ سررشتہ کیا ہوا
جو ٹوٹ نہ سکتے تھے وہ پیمان کہاں ہیں

وہ آنکھ کدھر ہے جسے کہتے تھے جہاں بیں
حق بات جو سن لیتے تھے وہ کان کہاں ہیں

جھکتی تھیں جہاں قیصر و کسریٰ کی جبینیں
اُس قصر فلک بوس کے دربان کہاں ہیں

جو چھین لیا کرتے تھے اعدا کے دلوں کو
یاروں کے وہ اخلاق وہ احسان کہاں ہیں

پڑ جائے ابھی زلزلہ آفاق میں لیکن
ابرو پہ شکن پڑنے کے سامان کہاں ہیں

ظالم کی بدی کی بھی ہوئی تھی جو روادار
رحمت بھری اُس فقہ کے عنوان کہاں ہیں

منہ پر حنفیت ہے مگر دل میں خرافات
تقلید کریں جن کی وہ نعمان کہاں ہیں

---

۱۴ دسمبر ۱۹۲۶ء

ما را نص کے باید نہ فص

خیز تا خرقۂ صوفی بخرابات بریم

بُرے حال والو سمجھتے بھی ہو تم
لگا سکتے راز حیاتِ امم کو

جو وقت ہو باز دیں اور دل میں ایمان
تو ہستی مٹا دو گے نقشِ عدم کو

سمجھ کر لگا موت کو زندگی تم
تصوف کی پٹی پڑھاتے ہو جم کو

بہایا ہے اسلام کا خون تم نے
پھر اس خوں سے کرتے ہو رنگیں حرم کو

گرایا زمیں پہ ہمیں آسماں سے
بنایا گدا تم نے دارا و جم کو

خدا تم کو شرمائے تم نے بنایا
مرادف الف لام میم اور الم کو

ولایت کو سمجھا رسالت سے افضل
خدا کی جگہ پہ سجھتے ہو صنم کو

طریقت تمہاری شریعت ہماری
مبارک تمہیں عیش اور لاش ہم کو

یہاں آ کے قرآن تم کو پڑھائیں
لئے پھرتے ہو کیا فصوص الحکم کو

عبرت

وہ امت جو دنیا میں خیر الامم تھی
ارادہ تھا جس کا خدا کی مشیت

ہٹی ہند میں اپنے مرکز سے ایسی
کہ آج اس کا مذہب ہوا لامرکزیت

نہ خوفِ خدا ہے نہ شرمِ پیمبر
شریعت ہے بازیچۂ نفسیت

بنایا تھا حیوان کو جس نے انسان
اُس امت سے خود گم ہوئی آدمیت

نہ دنیا کی رفتار کا علم ہے کچھ
نہ اسرارِ دیں سے ہمیں واقفیت

جسے بارہا کر چکے تھے یہ پامال
ہے اب ہم پہ بھاری وہی اکثریت

پرایوں سے پہنچا نہیں رنج اتنا
ملی ہم کو اپنوں سے جتنی اذیت

بدل جائیں جب خود طریقے ہمارے
تو پھر کیوں نہ بدلے حریفوں کی نیت

---

۲۵ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء

ہمارا ماضی و حال

کبھی بامِ ثریا سے بھی اونچی جو عمارت تھی
وہ قصرِ سطوتِ کبریٰ کی رفعت سے عبارت تھی

ہوئی حجت خدا کی ختم آخر نوعِ انساں پہ
مگر دی گئی جس کی زمانہ کو بشارت تھی

نہ ملتا تاج اُسے کیوں رحمۃ اللعالمینی کا
کہ اس کو دی گئی بزمِ نبوت کی صدارت تھی

اک امّی ایک ٹھوکر سے کرے سو فلسفی پیدا
نہ پوچھا فلسفہ اس کا یہ اک ایسی عبارت تھی

نمازیں آبِ خنجر سے وضو کر کے پڑھتے تھے
اسی پانی سے مومن کی ہوا کرتی طہارت تھی

اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ اپنی فراغت کا وسیلہ تھا
جہانداری کو مسلم کے لئے بڑھ کر تجارت تھی

قبا ہوتی تھی اوپر اور نیچے فقر ہوتا تھا
وہ دنیا میں نہ تھے جس میں ہیں اس کو حقارت تھی

ہمارا ظاہر و باطن ڈھلا تھا ایک سانچے میں
بصیرت تھی دلوں میں اور آنکھوں میں بصارت تھی

نہیں ابجد شناس اغیار اب تک ہو سکے اس سے
ہمیں جب علم پہ قدرت تھی جب فن میں مہارت تھی

ہمارا سر نہ جھکتا تھا کسی فرعون کے آگے
رگوں میں شیر خوں تھا اور اس خوں میں حرارت تھی

تجاوز کر نہ سکتے تھے حد اُن سے احسن جو
کہ حسنِ خلق کی اوراقِ قرآں میں اشارت تھی

اگر ہم آج کے دن وہ نہیں ہیں جو کسی دن تھے
تو یہ قسمت کی شوخی تھی مقدر کی شرارت تھی

طاقتِ ایمان

وطن کو میں چمنستاں بنا کے چھوڑوں گا
اور اس کی صبح کو خنداں بنا کے چھوڑوں گا

ہر ایک وقت کے دارا کو اور سکندر کو
میں اپنے قصر کا درباں بنا کے چھوڑوں گا

میں نام لے کے محمدؐ کا ہر اک زیر دستوں کو
حریف رستم و دستاں بنا کے چھوڑوں گا

ادب نماز کے اوقات کا وہ سیکھے گی
میں کانگریس کو مسلماں بنا کے چھوڑوں گا

لہو شہید کا لوں گا اور اس کی سرخی کو
میں غازۂ رخِ ایماں بنا کے چھوڑوں گا

قدر و جبر میں پنہاں ہے جس کی دشواری
میں اس کو صبر سے آساں بنا کے چھوڑوں گا

سنٹرل جیل لاہور
۲۸ دسمبر ۱۹۳۶ء

فخر و ننگ

کیا اپنی قوتوں کو اگر منتظم کروں | گردون خیرہ چشم کی گردن کو خم کروں
اعلائے حق سے لشکر باطل کو دوں شکست | اعدائے حق کو عرصۂ تیغ دو دم کروں
ٹوٹے طلسم شرک ھُوَ اللّٰہ کا نشاں | آئینۂ افق پہ اگر مرتسم کروں
اک بات میں شریف گرے ساتھ ان کے | میں سر کے بل جو عزم طواف حرم کروں
لکھوں اگر خلافت عظمیٰ کی داستاں | ہر ہر ورق کو رشک صحن ارم کروں
گاندھی خود آئے چل کے محمد علی کے گھر | پڑھ کر اگر میں سورۂ اخلاص دم کروں
ہے امر خواجۂ دو سرا اَخرِجُوا الیہود | سارا جہاں ہو پاک جو میں ان کو کم کروں
ہو غلغلہ لقد صدق اللہ کا بلند | فتح قریب کی جو بشارت رقم کروں

پہلا سبق ملا ہے الف لام میم کا | پھر کیا ضرور ہے کہ میں شرح الم کروں
یارب ترے کرم سے شکایت ہو کیا مجھے | میں جان ناتواں پہ جو خود ہی ستم کروں
چندے لگاؤں آپ اسے اوروں کے نام کو | اپنی غرض کو کفر کے مقصد میں ضم کروں

اپنوں سے تاج چھین کے دشمن پہ لُٹائے کو
برطانیہ کی نذر عرب اور عجم کروں

اپنا گلا بھی کاٹ لوں اپنے ہی ہاتھ سے
پھر مرثیہ بھی آپ ہی اپنا رقم کروں

ہے میری ذلتوں کا مضمون بہت وسیع
وسعت کہاں کہ اس کو سپردِ قلم کروں

مئے باقی

نو بہار است ساقیا برخیز
مئے باقی بجامِ مسلم ریز

ماسوی سے ہے سوا ہو کم جس کا
کیف جس کا ہو روح برق سے تیز

جس میں ہو نشہ شرابِ حجاز
جس کے پینے میں ہو نہ کچھ پرہیز

جس کی مستی میں سامنے آجائیں
مردِ شیراز و مشہد و تبریز

ہو گلِ نو دمیدہ روح اُس کی
یا نگہ ایک شاہدِ نوخیز

مطرب اک نغمۂ نشاط انگیز
ساقی اک جرعۂ سرور انگیز

نالۂ دلکش بہ نوحۂ فرعون
جامِ بخشش بہ دورِ چنگیز

آ گئی باغِ مصطفیٰ میں بہار
کیوں نہ میرا قلم بھی ہو گلریز

عطر میں بس رہی ہے آج نسیم
اور شمال و صبا ہیں عنبر بیز

کوکبِ صبح جلوہ پیرا ہوا
شب نے کی اختیار راہ گریز

عرش پر ایک پل میں پہنچوں گا
آج جولاں ہے فکر کا شبدیز

نامِ مصطفیٰ سے اب تک نقش
مٹ گیا نامِ خسرو پرویز

دین دولہا ہے اور دلہن دنیا
عرش کابین ہے اور فرش جہیز

قطع جنت کی راہ ہوتی ہے
علم توسن ہے اور عمل مہمیز

عارض ہے والضحیٰ شبیہ ترا
زلف وَاللَّیل میری دستاویز

صبح اسلام سے ہوئی جس کی
اُس سے کیا کر سکے گا چرخ ستیز

توکّل

ہے ارشاد کُلُوا بھی سمجھا تو اِشْرَبُوا بھی
کبھی یاد آیا ہے لَا تُسْرِفُوا بھی

جہاں غل مچا ہے فَلْیَعْبُدُوا کا
لگا ایک تو نعرہ جَاهِدُوا بھی

اطاعت اُولِی الْاَمْر کی ہے مسلّم
اگر اس میں مِنْکُمْ کی ہو جستجو بھی

یہ مانا کہ سچ ہے یہ عدل اس کا
مگر شانِ رحمت ہو لَا تَقْنَطُوا بھی

وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبْ پر
ہے ایمان تو کر لے توکّل کی خو بھی

سکھانا اپنی تہذیب بچوں کو اتنا
نہیں آدمیت گئی ان کو چھو بھی

مباح ان کو مذہب میں سب کچھ کیا تھی
حلال ان کو شہرگ کا اس کی لہو بھی

خدا اپنے بندوں سے غافل نہیں ہے
نہ بھولا جو تجھ کو نہ بھول اس کو تو بھی

کس بیدردی سے کاتب نے اشعار کو قتل کیا ہے! کاتب نہیں بلکہ قاتل ہے

برکاتِ ماہِ صیام

ہوا شعبان

ہوا انتظامِ کل شب ختم اور ماہِ صیام آیا
ازل کی صبح کا اک آئینہ ہو کر تمام آیا

سعادت کے جلو میں رحمتِ پروردگار آئی
مسلمانوں کے گھر عرشِ خدا کا لطفِ عام آیا

فرشتوں نے جگایا فطرتِ آدم کو سوتے سے
حیاتِ جاوداں کا ابنِ آدم کو پیام آیا

دیے قانونِ وحدت کے جبریل نے لاکر
تجلی تو جیسے ہوا گردش میں وہ جام آیا

وہ حکمت عرش سے اتری جہاں میں کہ جس میں
اخوت اور مساوات اور آزادی کا نام آیا

مبارک ہیں وہ انساں جن کی خاطر اس مہینے میں
کلام اللہ سے کہ دولت جس سے سلام آیا

مسلمانوں پہ ہوتی ہے دل کی حق سے نثار کرنے کی
ادب کا اور تعظیم کا شعور والی مقام آیا

وہ اقبال جس کی حکمت نے کلامِ حق کو پہچانا
تو جنت میں ان کے ایک کام آیا

دوا بے پرہیز

ہے جستجو دوا کی دل دردمند کو
اور پھر دوا بھی وہ جو ہو پرہیز کے بغیر

بے لطف ہے فسانۂ گل و عندلیب کا
شیراز و مرو و مشہد و تبریز کے بغیر

سوز حیات سے ہے پیرایۂ نشاط
مینا لطیف سے ہے طبع طرب خیز کے بغیر

نثری نماز تیرہیں شعری شعار شعر
لاؤں کہاں سے کلک گہر ریز کے بغیر

بن نام مصطفیٰ ہی کہ آتا نہیں مزا
اس قصۂ لذیذ و دل آویز کے بغیر

ظلمت سے نیب نو کہ بزم بتوں کی
رونق نہیں ہے خسرو و پرویز کے بغیر

خم خانۂ حجاز کے مستوں کی زندگی
بیکار ہے ایاغ مئے تیز کے بغیر

دیوانگی نہ ہو تو یہ فرزانگی نہ ہو
مسلم ہے ہیچ عقل جنوں خیز کے بغیر

سارے جہاں کی پیاس بجھانی محال ہے
اسلام کے پیالۂ لبریز کے بغیر

آزادی کا راز

مسلمانو یہ ہے آزادی کا اک سہل سا نسخہ
محمد کی غلامی کا کمر سے باندھ لو پٹکا!

نشاں مٹنے نہ پائے دیکھنا امت کے ماتھے سے
وہ سجدہ خواجۂ یثرب کے دروازے کی چوکھٹ کا

مدارا دشمنوں سے ہو تو ملت دشمنوں آتی ہو
نہ جو اس راز کو سمجھا وہ سیدھی راہ سے بھٹکا

تری تعلیم سے گِرشتگی تھی جب سے پل بھر ہیں
زمیں پہ آسماں سے ملت بیضا گرے پٹکا

سہارے دین کے دنیا میں خلل کیا اس کا پتا ہو
بچا پاسنگ گر ہندو سے یا انگریز کیا جھٹکا

گلا کاٹو نہ تم اپنا اگر خود اپنے ہاتھوں سے
تو ہو سکتا نہیں کچھ بھی تمہیں تقدیر کا کھٹکا

یکم جنوری سنہ ۱۹۳۱ء

چودھری فضل حق

میں نے مانا دشمنِ ملت جواہر لال ہے
جس کی چالوں سے مفادِ اسلام کا پامال ہے

گر مذمت اسکی کونسل میں نہیں اب تک ہوئی
خود ہمارا ہی یہ پھیلایا ہوا اک جال ہے

کیوں جنابِ افضل نے کھولی نہیں اپنی زباں
آج تک خاموش کیوں اس بارہ میں اقبال ہے

یوں برستا ہے پھر فضل حق ہی پہ کیوں انقلاب
کیوں اسی بیچارے کے حق میں یہ قیل و قال ہے

وہ تو پھر بھی قوم کے کام آ ہی جاتا ہے کبھی
بیکار گنجوں کی حق میں جوتہ زلزال ہے

شہیدی جتھا

کٹے ہیں جس قدر سر گنگسر کے گوردوارے میں
ہے درج ان سب کی قربانی جزا کے گوشوارے میں

نہ کل رک سکی تھی جن کو نشانہ میں آنکھ اُن کی
انہیں بھی اس نے تڑپا کر ہی چھوڑا اک اشارے میں

بچے ہیں کی تفنگوں سے نہ ننھے ننھے بچے بھی
ہے کیا تہذیب مغرب کا اب ارشاد ان کے بارے میں

ابھی دیکھا ہی کیا ہے تم نے اس خونی تماشے کو
بہت سے کھیل باقی ہیں مداری کے پٹارے میں

جفا کی گرمیٔ بازار مظلومی کی رونق سے ہے
رہا کرتی ہے ظالم کی تجارت ہی خسارے میں

پلٹ کر زیر دست آزار کو اک دن الٹ دے گی
یہی گردش جو ہے اس وقت بختوں کے ستارے میں

بہائے ہیں جنہوں نے بے کسوں کے خون سے دریا
وہ خود بہ جائیں گے تقدیر کی ندی کے دھارے میں
تمہیں بخشا گیا ہے دیدۂ بینا تو دیکھو گے
ہزاروں راکھ کے ڈھیر ایک تابہ کے شرارے میں

ملکہ وکٹوریا

ملکہ وکٹوریا کی سالگرہ کے جشن کی تقریب میں شملہ یونین کلب میں ایک جلسہ ہوا، جس کے لئے ایک فارسی قصیدہ میں نے لکھا تھا۔ یہ بھی گم ہو گیا، چند اشعار یاد رہ گئے جو لکھے جاتے ہیں۔

زمانہ گشت دگرگونہ چون رنگ بہار   عروس دہر بیاراست چہرۂ چو نگار
دگر شفق بہ فلک چہرہ ارغوانی کرد   دگر نقاب ہمی افگند مہ از رخسار
دگر شدہ است عذار زمین برنگ عنبر   بسان لعل و عبیر و بسان چین و تتار
دگر شدہ متبسم بہ بوستان غنچہ   دگر شود متکلم بہ گلستان انوار

دگر ز سبزه صبا فرش مخملی گسترد
دگر به باغ به رقص آمدست بید و چنار

دگر صفیر عنادل به شاخ گل برخاست
دگر به نغمه درآمد جلاجل اشجار

دگر صریر قلم گشته است زمزمه سنج
چو مرغ صبح کند این دعا به صد تکرار

که باد قیصرهٔ ما به جشن سال گره
زمین و دولت و حشم و ز بخت برخوردار

به پشت آینه گیرد کجاست اسکندر
کجاست جم که به پیشت شود صبح بیدار

به گاه رزم لباس تو عرصه‌ها خونی
به گاه بزم به کاس تو دیده‌ها گلنار

به عهد معدلت تست جای کلیسا را
به جا رسان مساجد بنی به دستور کار

به آسمان زمین تو مهر انور را
غروب نیست که با طلوع چون یکبار

به دفن حکم تو گردد همی عوام و شتوار
به حسب خواهش تو باشند لیل و نهار

هزار سال گذشته چنان که امروز است
مبارکت بود این سال و بیج عز و وقار

مولانا ... زمانہ میں
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے
سیکرٹری تھے

۱۸۹۴ء

1894

مولود مسعود سرکار عالی مہاراجہ کشن پرشاد

جہاں قسمت سے ہے صدر اعظم ہمارا — سخاوت میں ہے حاتم تحمل میں دارا
جلال اور اقبال سے کے آسماں پر — چمکتا ہے اس کے مقدر کا تارا
خدا نے کیا اپنے فضل و کرم سے — عطا اس کو فرزند اک ماہ پارا
ہمارا یہ کہنا ہے مثل ہلال یہ — ہوا ہے نصیب ازل کا اشارا
نکلتا ہے دریا سے جس طرح گوہر — گلستاں میں کھلتا ہے جیسے ہزارا
یہ مولود مسعود اسی طرح بن کے — نشان سعادت ہوا آشکارا
تمہاری جوانی کو جو اس سے رونق — تمہارے بڑھاپے کا ہے یہ سہارا
ملی ہے وہ دولت تمہیں جس کے آگے — سمرقند کیا چیز اور کیا بخارا
یہ بچہ ہو دل کے لیے جی کی ٹھنڈک — یہ بچہ ہو بابا کی آنکھوں کا تارا
خدا لائے وہ دن کہ گھر میں تمہارے — مبارک سلامت کا غل ہو دوبارہ
ہوئی فکر تاریخ جس وقت مجھ کو — تو قرآں سے میں نے کیا استخارا
مجھے داد دی دل سے واہ واہ ذہے — یہ سر جلوۂ دولت شاہا پکارا

داستانِ شیخ

کتابِ چمن کی تو سُن لی ہے تو نے ذرا اُس سے اب شیخ کی داستاں بھی
ہم اُس کے ہیں جس نے سکھائی ہیں ہم کو جہاں بانیاں بھی جہاں بخشیاں بھی
نہیں اک فقط کعبہ ہی کے نگہباں مسلماں ہیں بُت خانہ کے پاسباں بھی
محمدؐ کے ناموس پر کٹ مرے ہم فدا اُن کی عزت پہ دل بھی ہے جاں بھی
مسلمانوں کی میراث روزِ ازل سے اگر باختر ہے تو ہے قیرواں بھی
عرب بھی ہمارا عجم بھی ہمارا ہماری ہی دولت ہے ہندوستاں بھی
خریدیں گے ہندوستاں کو مسلماں بکے خواہ ہستی کی ساری دکاں بھی
مسلماں کا خوں بہا کون دے گا کم اس خوں کی قیمت ہے دو نو جہاں بھی
سنا لارڈ اِروِن سے گاندھی کا دوہا سنیں اب ہماری غزل خوانیاں بھی
زمیں شورِ تکبیر سے کانپ اُٹھی لرزتا ہے اس نعرہ سے آسماں بھی

مسلماں کے آغوشِ رحمت میں آجا
اس آغوش میں امن بھی ہے اماں بھی

بچہ سقا کی پشت پر استعمارِ مغرب کا مشکیزہ

عید الفطر ۱۳۴۷ھ

مگر وہ آج مسلم کو یہ جاں پرور نوید آئی
کہ کل شب آسماں پہ چاند چمکا اور عید آئی

پیوں گا بادۂ لا تقنطوا کے جام بھر بھر کر
خمستانِ عرب کی میرے ہاتھوں میں کلید آئی

دیا پیغام نصرت قدسیوں نے عرش اعظم سے
اور اس پیغام کی قندہار سے برقی رسید آئی

سنا ہے سیستاں میں اک نیا رستم ہوا پیدا
بسالت جس کی مرگ آسا سر دو سپید آئی

ہے پشت سقہ پر مشکیزہ استعمار مغرب کا
یہ ہے وہ ماجرا جس کی شہادت چشم دید آئی

کسی کے حصہ میں انعام انزلنا الحدید آیا
کسی کے حق میں مثواہ جہنم کی وعید آئی

شراب آئی وہ بابائے خلافت بھی نہیں جس کو
مگر ہو کر فرنگستان کی بھٹی سے کشید آئی

پشاور سے امان اللہ خاں کی پیشوائی کو
علی گل خاں کی پیہم سعی سے نصرِ مزید آئی

جب آئی عید کی تقریب اک دنیا پکار اٹھی
کہ ان کو واسطے ساعت یہ آئی اور سعید آئی

وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ

گھر بھرا انگریز کا لندن میں دیکھ آیا ہے تو
چل کے دلی میں ہماری خانہ ویرانی بھی دیکھ

"تیج" کے جشنوں پہ کر "گیتا" کی پھلواڑی کی سیر
"الاماں" میں مظہر الدیں کی گل افشانی بھی دیکھ

اُس ہوس سے لطف اٹھا ستّل فنکار و جاں خراش
اور پھر اس کی گالیوں کی شانِ عریانی بھی دیکھ

ہندو و مسلم کے جوہر کھل گئے پیتے ہی چائے
اُس کی دانائی تو دیکھی اس کی نادانی بھی دیکھ

تو نے دیکھا ہے کہ تھا بے حد گراں ایمان کا بھاؤ
ہم نشیں آج اس کی بے اندازہ ارزانی بھی دیکھ

بھائی پرمانند جی کی بس بھری پوتھی کے ساتھ
قادیاں کے میرزا جی کی مسلمانی بھی دیکھ

ہندوؤں میں ہے "ملاپ" اسلامیوں میں "انقلاب"
اُن کی جمعیت بھی دیکھ ان کی پریشانی بھی دیکھ

سُن لیا تو نے کنول کا خندۂ بستاں فروز
لالہ زارِ ہند میں نرگس کی حیرانی بھی دیکھ

اے کہ تو نے دیکھ لی ہے بچۂ سقّہ کی مشک
آنکھ کھول اور اس میں استعمار کا پانی بھی دیکھ

اینٹ سے اینٹ آج بجتی دیکھ لے قندھار کی
قتل اور غارت کی کابل میں فراوانی بھی دیکھ

شور بازاری شریعت کے صنم خانے میں جا
شانِ یزدانی تو دیکھی آنِ شیطانی بھی دیکھ

دیکھ لیں اپنے تمدّن کی نگار آرائیاں
آدمیت سوزیِ تہذیبِ نصرانی بھی دیکھ

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ

گئے وہ دن کہ اکرم کیلئے تھی شرط اتقیٰ کی — شرف سب سے بڑا یہ تھا کہ دل میں حسنِ دیں ہو
امرا اور نوابی کا ہو سوتے جاگتے کلمہ کا — بغل میں ہو اگر سنت تو مصحف زیرِ بالیں ہو
سب اک تسبیح کے دانے ہوں جس کا رشتہ ایماں — مساوات اور اخوت سب مسلمانوں کا آئیں ہو
بڑے ہیں اور چھوٹے ہیں فقط ہو امتیاز اتنا — وہ قلزم ہو یہ جیحوں ہو وہ ہو ماہ اور یہ پروین ہو
گھرانا ایک ہو ان کا گھر ان کا ہو سارا جہاں — مراقش ہو عرب ہو ہند ہو ایران ہو چیں ہو
بہ تقلیدِ ہنود اب تو مگر اپنی یہ حالت ہے — کہ اعلیٰ ذات بالا ہو اور ادنیٰ ذات پائیں ہو
یہ پوچھا جا رہا ہے آج کل خدامِ ملت سے — کہ تم ہو ذات کے رانگھڑ نسب کے یا آرائیں ہو
شعوبیت کے سانچے میں ڈھلا جب رب تشتت کا — کہیں ڈوگر جلاہا پٹ کی مسجد کی اس لعنت سے تزئیں ہو

تو شتت شملہم کی پھر مساجد میں دعا کیسی
کہیں کافر کے منہ سے بھی بلند اس پر آمیں ہو

ستم زدگانِ مالابار اور آصف جاہ ہفتم

گر اس کشور میں ہو اسلام کے چہرہ پہ کچھ رونق
تو مالابار تیری سرزمیں لالہ گوں کیوں ہے

عرب کا خون تھا دیوانگی میں جوش کھا اٹھا
حمیت کا یہ جذبہ قرنِ اول کا جنوں کیوں ہے

ہوا کیا کٹ گئے گر چند سر ہندوستاں میں بھی
زمیں مشرق کی جب گلرنگ خونِ ترکوں سے ہے

ملی تقدیر کی پھندے میں پھنسا دی اُس نے خود گردن
الجھتا کس لیے پھر قاتل اس صیدِ زبوں سے ہے

حکومت سے شکایت ہو نہ شکوہ اس کی سطوت سے
ہمیں گر شکوہ ہے خود اپنے بختِ واژگوں سے ہے

اگر آصف جاہ ہفتم بیکسوں کے چارہ فرما ہیں
تو ہمدردی یہ اُن کی دل کے سوزِ اندروں سے ہے

عتابِ انگریز کا جس پہ ہو پھر اُس کی مدد کیسی
مگر اس سحر کا رشتہ اخوت کے فسوں سے ہے

مسٹر لائیڈ جارج کے استعفیٰ کی تاریخ

گلیڈسٹون اور سالسبری کی سب عنایت ہے
وگرنہ اس طرح برطانیہ بدنام کیوں ہوتا

جو کہلاتے ہیں لبرل گر حقیقت میں یہی ہوتے
تو گھر گھر ایشیا میں یوں بپا کہرام کیوں ہوتا

اگر تہذیب انسانی انہیں چھو بھی گئی ہوتی
سمرنا میں مسلمانوں کا قتل عام کیوں ہوتا

مسیحیت اڑاتی خاک نخلستان بطحا کیوں
مسیحی کا گریباں گیر خون شام کیوں ہوتا

ادھر دہلی کے سر پر اک قیامت کیوں گذر جاتی
ادھر کابل میں آتش زیر پا اسلام کیوں ہوتا

سکھاتی گر نہ لائڈ جارج کی تلوار خونریزی
تو خنجر مصطفےٰ کا آج خوں آشام کیوں ہوتا

ملوکیت کی زد میں گر نہ استنبول آجاتا
تو پھر انگورہ اس کی موت کا پیغام کیوں ہوتا

نکلتا گھر سے قسطنطین کیوں بے آبرو ہوکر
وینیزیلاس خائب خاسر اور ناکام کیوں ہوتا

صلیب آلودۂ خاک مذلت کیوں نظر آتی
ہلال آسودۂ گردون نیلی فام کیوں ہوتا

سلیقہ گر قدح خواری کا ہوتا کچھ بھی رندوں کو
تو خود ساقی کے ہاتھوں واژگوں یہ جام کیوں ہوتا

نہ ہوتا ابتدا ہی سے اگر اسلام کا دشمن
تو لائڈ جارج کا ایسا بد انجام کیوں ہوتا

نہ ضد اس بانئے بیداد کو ہوتی خلافت سے
تو مستعفیٰ بصد حیرت یہ نافرجام کیوں ہوتا

صفت بیداد کی ہوتی نہ گر اس نام میں شامل
تو قول ہاتف اثر اشحنہ مرد کا نام کیوں ہوتا

۱۳۴۲ھ

سہسرام

گنبد سے آ رہی ہے صدا شیر شاہ کی
ٹکرا رہی ہے عرش معلیٰ کے بام سے

وہ دن نہیں ہے دور کہ اسلام کا علم
ہوگا بلند ہند میں پھر اس مقام سے

کافر کعبہ ہوگا یہاں سے بھی جس طرح
اکھڑے قدم شریف کے بیت الحرام سے

دے گی خراج ملت بیضا کو کائنات
نکلے گی ذوالفقار علی پھر نیام سے

کوندیں گی جس میں سطوت کبریٰ کی بجلیاں
اٹھے گی ایک دن وہ گھٹا سہسرام سے

سہسرام
۳۰ ستمبر ۱۹۲۵ء

جشنِ آزادیٔ کشمیر

گھر سے نکلے ہو پیمبر کے گھرانے والو — تو سرِ اللہ کے رستے میں کٹاتے جاؤ
نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑانے والو — پرچمِ آزادیٔ کامل کا اڑاتے جاؤ
دوش پر بارِ امانت کے اٹھانے والو — درجۂ آدم سے فرشتوں کو گھٹاتے جاؤ
دونوں دنیاؤں کی رحمت کے خزانے والو — دونوں ہاتھوں سے یہ گنجینہ لٹاتے جاؤ
گردنیں قیصر و کسریٰ کی جھکانے والو — یہی زور آج بھی دنیا کو دکھاتے جاؤ
خانۂ ظلم کی بنیاد کو ڈھانے والو — اینٹ سے اینٹ پھر اس گھر کی بجاتے جاؤ
نغمۂ توحید کا ہر بزم میں گانے والو — ناچ تگنی کا حریفوں کو نچاتے جاؤ
شورِ اِنِ الحُکم کا دنیا میں مچانے والو — اپنی ہر شرط کی تعمیل کراتے جاؤ
باندھ کر سر سے کفن جنگ میں جانے والو — ندیاں خونِ شہادت کی بہاتے جاؤ
جیلِ احرار میں نام اپنا لکھانے والو — اپنی گنتی کو ستاروں سے بڑھاتے جاؤ
رسن و دار کو خاطر میں نہ لانے والو — جشنِ آزادیٔ کشمیر کا مناتے جاؤ

شریعت اسلامی اور یورپ

قطع ید سارق پہ ہے یورپ کا یہ فتویٰ — وحشی ہے وہ قانون جو دیتا یہ سزا ہے
تہذیب کے استاد کے اس قول کو سن کر — میں نے یہ کہا آپ کا ارشاد بجا ہے
دو تولہ ربڑ کے لئے افریقہ میں لیکن — اک ہاتھ اور اک پاؤں جو کٹ جائیں یہ کیا ہے
مقطوع ہوں اعضا فقط اتنی سی خطا پہ — مزدور نے پیمانے سے کم کام کیا ہے
ہو مشغلۂ تفریح کا مُثلہ حبشی کا — کس مذہب و ملت میں یہ تعزیر روا ہے
ہے معترض اسلام پہ چوروں کا یہ ہمدرد — خود اس نے کبھی جائزہ اپنا بھی لیا ہے

شمشیر سے منہ موڑ کے تکلے سے الجھنا
اے امت عیسیٰ تری دیرینہ ادا ہے

انگورہ

مصطفٰے قائم نہ کرتا گر نظام انگورہ کا — کام کرزن نے کیا ہی تھا تمام انگورہ کا
جا کے یورپ میں اڑا آیا ملوکیت کی خاک — اپنی ٹاپوں سے سمند تیز گام انگورہ کا
اپنے جمہوری اصولوں پر جو نازاں ہیں انہیں — محو حیرت کر رہا ہے انتظام انگورہ کا
اٹھ کھڑے ہوں اپنے اپنے پاؤں پر سب حق پرست — ساری دنیا کو یہ پہنچا ہے پیام انگورہ کا
ایشیا کا افتخار اس کو کیا اللہ نے — اس سے بھی اونچا ابھی ہوگا مقام انگورہ کا
حشر کے دن تک نہیں ہے جسکو خوف انفصام — ہے اسی حبل المتیں سے اعتصام انگورہ کا
لرزہ ہو جاتا ہے طاری کفر کے اندام پر — اس کے حلقوں میں جب آ جاتا ہے نام انگورہ کا
اس پہ بس چلتا نہیں پھر کیوں نہ کابل ہی سے لیں — دشمنان دین پہ حق انتقام انگورہ کا
ہے امان اللہ خاں بھی لیکن اس صہبا سے مست — جس کی فیاضی سے چھلکا یا ہے جام انگورہ کا
آنیوالی ہے وہ ساعت جب کرینگے اتباع — کابل و ہند و عراق و مصر و شام انگورہ کا

دیکھ لیں گے اپنی ان آنکھوں سے ہم خود ایک دن
دشمنان نوع انساں کو غلام انگورہ کا

اسلامی یونیورسٹی

مسلمانوں پہ جو سرسید احمد خاں کے احساں ہیں
کنقش فی الحجر سرمایۂ لوحِ دل و جاں ہیں

اسی کی عمر بھر کی کوششوں کا ماحصل سمجھو
اثر جس عام بیداری کے ملت میں نمایاں ہیں

اسی کی پُر ہنر شیرازہ بندی کے تصدق ہیں
فجز النسخۂ ملت کے اوراق پریشاں ہیں

حضور سرورِ کون و مکاں سے اس کو تمغے ہیں
ملا وہ دردِ مضمر قوم کے سب جس میں درماں ہیں

جگایا اس نے ہم سوتے ہوؤں کو خوابِ غفلت سے
وہ غفلت بستیاں جس سے قوموں کی ویراں ہیں

ہر اک دل میں لگا دی اک نئی ایسی لگن اس نے
کہ آتش زیر پا اس وقت تک اس سے مسلماں ہیں

ریاضِ قوم کو از بسکہ سینچا اس کے اشکوں نے
بہاریں اس کی رشکِ رونقِ گلزارِ رضواں ہیں

وہ خود تو خلد میں ہے کارنامے اس کے سب لیکن
مہ و خورشید کے مانند تاباں اور درخشاں ہیں

علی گڑھ میں کیا قائم وہ دار العلم سید نے
ثنا خواں ہیں پرائے جس کے اپنے جس پہ نازاں ہیں

یہ دار العلم اب بھی گرچہ ہے اسلام کا مرکز
فضائل جس سے ہیں پیدا اور معارف جس میں پنہاں ہیں

وہ جاں پرور چمن اس وقت بھی گویا دبستاں ہے
عرب کی اور عجم کی بلبلیں جس میں غزلخواں ہیں

مگر پروازِ شہبازِ تمنا ہے بلند اس سے
ہماری ہمتیں پابوسِ سقفِ چرخِ گرداں ہیں

بنانا ہے ہمیں ملت کی یونیورسٹی اس کو
بٹھانا ہے ہمیں اوج ثریا پر ابھی اس کو

یہ دارالعلم سد راہ آسیب زماں ہوگا — اسی چشمے سے دیکھو گے کہ اک دریا رواں ہوگا
حدیث شاعری جزویست از پیغمبری سچ ہے — یہ مطلع اس حقیقت کا مصدق بے گماں ہوگا
کہی جو بات برسوں اب سے پہلے خواجہ حالی نے — زمانہ کوئی دن جاتا ہے اس کا ترجماں ہوگا
قدوم میمنت آثار سے اپنے شہنشہ کے — شرف اندوز جس دن کشور ہندوستاں ہوگا
علی گڑھ کو لگیں گے چار چاند اور انکی کرنوں سے — منور ایشیا کے علم و فن کا آسماں ہوگا
عطا فرمائیں گے قیصر وہ شاہی چارٹر اس کو — مسلمانوں کی یونیورسٹی کا جو نشاں ہوگا
مسلمانوں پہ ہوگی نازل اس دن رحمت باری — مسلمانان عالم کا نصیب اس دن جواں ہوگا
مسیحیت چکا دے گی تمام اسلام کا قرضہ — وہ قرضہ جانتا جس کو یقیناً اک جہاں ہوگا
سمجھ کر اپنے قیصر کو مثیل سایۂ احساں — دل احساں پذیر اس دن رہین امتناں ہوگا
ملے گا ہم کو اس دن خلعت حریت عقلی — علی گڑھ علم کا اس دن حقیقی پاسباں ہوگا
سمیٹیں گے متاع دین و دنیا اپنے دامن میں — بہ آداب مناسب اتحاد جسم و جاں ہوگا
ہم آغوش آ کے ہونگے علم اور مذہب علیگڑھ میں — فقیہ و فلسفی ہر اک یہاں کا نکتہ داں ہوگا
علوم مغربی کا فیض ہوگا اک طرف جاری — علوم مشرقی کا اک طرف دریا رواں ہوگا

بجھے گی پیاس ہر کشور کے پیاسوں کی یہاں آکر
علی گڑھ منبع رود حیات جاوداں ہوگا
مٹا دے گا علی گڑھ اندلس کی یاد کو دل سے
اگر بغداد ہوگا زندہ تو آکر یہاں ہوگا

یہ مژدہ ہیں وقار الملک آغا خاں سنانے کو
کہ ہے فصل بہار اسلام کے گلشن میں آنے کو

مسلمانو! بس اٹھ بیٹھو کہ وقت امتحاں آیا
تمہاری راہ پر اک عمر کے بعد آسماں آیا
کرو گے اس سے بڑھ کر فخر تم کس بات پہ یارو
کہ خود چل کر تمہارے گھر شہ ہندوستاں آیا
الٹ جائے گی قسمت ہی نہ اب بھی گوہر مقصود
تمہارے ہاتھ آگر لے کے شہر اسلامیاں آیا
سمجھو لن تنالوا البر حتی تنفقوا کو تم!
کہ یہ ارشاد ہے قرآں کا اندر بے گماں آیا
خدا کا شکر ہے ملت کو جو مخدوم ہیں ان کو
خیال دستگیری گروہ بیکساں آیا
بنے قومی گدا اور لے کے کاسہ ہاتھ میں نکلے
وہ کاسہ ہاتھ جس سے حاصل صد بحر و کاں آیا
ہوا کا اس میں ہرگز ان کو آسائش نے دولت کی
نہ ان کو مطلقاً مانع خیال عز و شاں آیا
لیے کشکول آغا خاں کو جب دیکھا گدائی کا
نظر الفقر فخری کا ہمیں دلکش سماں آیا
پھری تصویر ایثار اور فیاضی کی آنکھوں میں
زباں پر جب ہمارے نام سلطان جہاں آیا
جب اعیان و اکابر کی یہ بیداری کی حالت ہو
رہے گی قوم محو لذت خواب گراں آیا؟
پیادے اٹھ کے دوڑیں ساتھ ساتھ اشتر سواروں کو
کہ منزل کے قریب الحمد للہ کارواں آیا

فقط دس لاکھ میں مقصد کی اب تکمیل ہوتی ہے
سمجھ سکتے نہیں ہم کس لئے پھر ڈھیل ہوتی ہے

یقیں ہے پل میں حل یہ عقدۂ دشوار ہو جائے
ذرا ساقی کی چشم مست اگر ہشیار ہو جائے

کرے گر قوم مل کر عرض آصف جاہ سادس سے
ادھر بھی اک نظر اسے قوم کی سرکار ہو جائے

بنایا خاک کو ہے کیمیا تیری نگاہوں نے
خذف جس کے اثر سے گوہر شہوار ہو جائے

سرور انگیز تیرا بادۂ ایثار و احساں ہے
پلا اتنا کہ محفل مست اور سرشار ہو جائے

ترا وابستۂ دامان دولت جب علی گڑھ ہے
نہ استمداد کو طیار کیوں ہر بار ہو جائے

اگر جنبش میں آجائے کف گوہر فشاں تری
مسلمانوں کی یونیورسٹی تیار ہو جائے

اگر یہ عرض پہنچے میر محبوب علی خاں تک
بلا وقت مسلمانوں کا بیڑا پار ہو جائے

خدا چاہے تو ہوں گی مشکلیں سب قوم کی آساں
علی گڑھ عالم کا بن جائیگا خورشید نور افشاں

کھری کھری باتیں

محو ہوئے معاش میں بھول گئے معاد کو
پیش نظر نہ رکھ سکے حشر ثمود و عاد کو

رازِ حیات قوم تھا مستتر اجتماع میں
قوم ذریعۂ نجات سمجھی ہے انفراد کو

محو دلوں سے ہو گئی آیۂ لا تفرقوا
چھوڑ دیا ہے ہاتھ سے رشتۂ اعتضاد کو

حکمت نصِ ولتکن پہ نہ کیا جنہوں نے غور
بیٹھ کے رو رہے ہیں آج فتنۂ ارتداد کو

کفر ہے دیں کی تاک میں اب تو مٹاؤ تفرقے
ضعف ہے اب بھی راہ دو دل میں اگر عناد کو

حکم ہے راجپوت کو سامریانِ ہند کا
گائے کے آگے سر جھکا چھوڑ خدا کی یاد کو

مشعلِ دیں کی سمت میں چل نہ سکی ہزار سال
آج ہے کیوں یہ حوصلہ کفر کی تند باد کو

ہاتھ میں لیکے سنگ و خشت بت شکن اور بت پرست
توڑ رہے ہیں ہند کے شیشۂ اتحاد کو

قوم جو ہو چلی تھی ایک کائی کی طرح پھٹ گئی
آج پہنچ گئے ہنود اپنی دلی مراد کو

جلد اگر نہ اُس نے کی فتنہ گروں سے باز پرس
کھو کے رہے گی کانگرس ملک کے اعتماد کو

روزنامہ مساوات

بدل جاؤ سنو میری اگر بات — کہ ہیں بدلے ہوئے دنیا کے حالات
فلک پر جلوہ افشاں ہے نیا دن — زمیں پہ ظلمت آرا ہے نئی رات
ہوئے ہیں بطن گیتی سے ہویدا — اچھوتے اور نرالے انقلابات
علمداران ناموس شریعت — سکھاتے ہیں نصاریٰ کے سوالات
نگہداران آئین طریقت — پڑھاتے ہیں ہمیں درس خرافات
شریفوں پہ ہوا ہندوستاں تنگ — زمانہ کے ہیں یہ بھی اتفاقات
صحافت آج ان کے ہاتھ میں ہے — بسر ہے گالیوں پہ جن کی اوقات
نکل آئے ہیں اپنے بل سے بوڑھی — کہ آپہنچا ہے وقت انتخابات
کرو پھر تازہ آئین کہن کو — نہیں بھولے اگر اپنی روایات
بھروسا ہی جو کرنا ہو کسی پہ — تو کیا کافی نہیں اللہ کی ذات
غلامی کے سلاسل کاٹ ڈالو — مٹا کر ہندوؤں سے اختلافات
وطن کے واسطے یثرب سے لاؤ — اخوت اور آزادی کی سوغات
یہی پیغام عالم دے رہا ہے — یہی انعام لایا ہے مساوات

آہ! فاطمہؓ کا انجام

مسلمانوں کے دل میں جذبۂ اسلام باقی ہے
قدح خواروں کے خم میں بادۂ گلفام باقی ہے

رسول اللہ نہ ہوں قرآن تو بیدار ہے اب بھی
نہیں گر خم ہیں کیا غم کہ جم کا جام باقی ہے

یزیدی اور زیادی یاد بھی آتے نہیں ہم کو
مگر اب تک حسینؓ ابن علیؓ کا نام باقی ہے

وہ من نقتل کی سرخی سے حدیث نامرجاں ہے
خدا کی طرح اُس کا آخری پیغام باقی ہے

سبق اُس نے دیا ہم کو حیات جاودانی کا
جناب فاطمہؓ کی آہ کا انجام باقی ہے

سناں پر گرچہ اُس کا سر نشان حجت حق تھا
مگر اس حجت حق کا ابھی اتمام باقی ہے

زمانہ آئے گا کب یو فیوں کی صبح الور کا
ابھی تک کربلا میں کوفیوں کی شام باقی ہے

ہماری آنکھ سے آنسو بنیں گے تاج کے موتی
ابھی تک پختہ مغزوں کی یہ حرص خام باقی ہے

حسینؓ ابن علیؓ کے قتل کا مطلب نہ ہم سمجھے
یہ ہم پر آج تک اسلام کا الزام باقی ہے

نہ ہو کچھ نام سے مطلب فقط ہو کام سے مطلب
بقول اقبال کے اسلامیوں کا کام باقی ہے

۲۸ اکتوبر ۱۹۱۷ء

مدارج ارتقا

مصائب میں گرفتار اہل ایماں ہوتے جاتے ہیں
مسلمانوں کی بیداری کے ساماں ہوتے جاتے ہیں

سکھایا جا رہا ہے نکتہ اُوذُوا فِی سَبِیلِی کا
حق آگاہانِ اُمت پا بجولاں ہوتے جاتے ہیں

علم تیغ دو دم اُن کی سرِ تسلیم خم اپنا
وہ حیواں بنتے جاتے ہیں ہم انساں ہوتے جاتے ہیں

ستم کش کو خدا نے استقامت کا شرف بخشا،
ستم گار اپنی سختی پر پشیماں ہوتے جاتے ہیں

خدا نے غیب سے ساماں پیدا کر دیئے ایسے
کہ وہ عقدے جو لاینحل تھے آساں ہوتے جاتے ہیں

نئی شمعیں فروزاں ہو رہی ہیں بزم گیتی میں
نئے انجم فلک پر جلوہ افشاں ہوتے جاتے ہیں

نئے محمود پیدا ہو رہے ہیں خاکِ غزنی سے
نئے طغرل سریر آرائے ایراں ہوتے جاتے ہیں

نہیں تخصیص عہد اس میں محمد کے غلام اب بھی
سکندر بنتے جاتے ہیں سلیماں ہوتے جاتے ہیں

خلافت کے علم داروں کی چتون میں یہ ہیبت ہے
کہ دنیا بھر کے سرکش خس بدنداں ہوتے جاتے ہیں

خانۂ خدا کی حضوری

مسجد کو بسایا بھی اُسی شخص نے جس کو — توحید میں اور روزِ جزا میں نہ رہا شک
حاصل ہے حضوری جسے اللہ کے گھر کی — اُس مردِ مسلماں کے ایماں میں کیا شک

(حدیث)

اسلامی نغمے

صادق ٹیم پریس پرو بلیکیٹ لاہور

نعرۂ اللہ اکبر

لے کہ ہے بندوق پر اور توپ پر ایماں ترا
نعرۂ اللہ اکبر کا اثر بھی دیکھ لے

جاں بحق مسلم ہوا سنتے ہی اس آواز کے
مصطفےٰ کو دیکھ اور ان کا نامہ بھی دیکھ لے

وادیٔ تثلیث کی دیکھی ہے تو نے دوڑ دھوپ
کٹ کے وحدت میں مسلماں کا گذر بھی دیکھ لے

شوق ہے تہذیب یورپ کے تماشے کا تجھے
مڑ کے او گبرِ کلیسائی ادھر بھی دیکھ لے

ذوقِ معرفت

اگر دل سے خیالِ طاعتِ معبود ہو جائے
تو انساں قدسیوں کا بے گماں مسجود ہو جائے

شہنشاہوں کے سر جھکنے لگیں اس کی حضوری میں
جبیں گر فقر سے مسلم کی گرد آلود ہو جائے

غلامِ احمدِ مرسل کو سلطاں کا ملے رتبہ
ایاز اس امتحاں میں بالیقیں محمود ہو جائے

بہار آئی گلستانِ رسالت میں تعجب کیا
ہر اک پتہ اگر اک جنتِ محسود ہو جائے

چلے پھر دورِ صہبائے معارف ہند میں یارب
قبائے زہدِ مسلم بھی شراب آلود ہو جائے

مہاجن بن کے پہلے قرض تو دو سب کو ہم دے لیں
اجازت شرع دے دیگی کہ دگنا سود ہو جائے

---

۱۲ نومبر ۱۹۱۶ء

اسلام کا کوکبۂ خسروی

آنکھوں کے سامنے ہیں غلامی کی لعنتیں　　ہیں آج لومڑی وہ جو کل تک تھے شیر مرد
لیکن خزاں کے بعد عمل ہے بہار کا　　پھر سبز ہو رہے ہیں درختوں کے برگ زرد
اُٹھا ہے پھر حرارتِ اسلام کا اُبال　　اُس دیگ میں پڑی تھی بہت دیر سے جو سرد
بندھنے کو روزگار میں ہے اسلامیوں کی دھاک　　اڑنے کو ہر دیار میں ہے آریوں کی گرد

گو ہے سفر وسیلۂ ظفر کا تو ہمنشیں
گرم سفر ہیں جادۂ یثرب کے رہ نورد

ختم

اَسلَمْتُ پکاروں گا باندازِ براہیم
مسلم ہوں مرا شیوۂ دیرینہ ہے تسلیم

کی ہے مرے ہادی نے مجھے صبر کی تلقین
دی ہے مرے آقا نے رضا کی مجھے تعلیم

جاہل ہو مخاطب تو میں کہتا ہوں سلاماً
بھولا نہیں ہیں اپنے پیمبر کی یہ تفہیم

دلجوئی اغیار مجھے مد نظر ہے
کرتا ہوں میں دنیا کے سب ادیان کی تکریم

لیکن میں پرستار نہیں خاکِ وطن کا
دیتا نہیں اس بت کو کسی شکل میں تعظیم

قائل نہیں ہیں ہند کے اُن فلسفیوں کا
جو ہم کو دلاتے ہیں یقین از رہِ تحکیم

جب تک کہ نہ ہو تابع خاکِ وطن ایمان
اس ملک میں ممکن نہیں اک قوم کی تنظیم

ایمان تو اک نور ہے دل جس سے ہے روشن
اس نور پہ کب خاک کو ہو سکتی ہے تقدیم

میں پہلے مسلماں ہوں بعد اسکے ہوں کچھ اور
وہ بھی مری تخصیص تو یہ ہے مری تعمیم

از بسکہ رعیت ہوں میں شاہ دوسرا کی
بستی ہے مری مشرق و مغرب کی ہر اقلیم

بخشی گئی دنیا بھی ملا دین بھی مجھ کو
جس وقت کہ اسلام کی دولت ہوئی تقسیم

اے دین ہمیں ہند میں درپیش ہے تجھ کو
آج ایک نیا خوف نیا خطرہ نیا بیم

توحید کے فرزند ہیں کفار کی زد میں — اور سب سے بڑا حربہ کافر ہے زر و سیم
ہم کفر کی شب خون کی قسمت میں نہ ڈریں گے — سب جانتے ہیں جو کفار تو ہم پیوستہ ہیں رستے
مرتا ہوں جو پیاسا کبھی تو گنگ او جمن سے — لب تر نہ کرے جو کہ کشش کوثر و تسنیم

بدلی ہے نہ بدلے گی مسلمان کی فطرت
اللہ کے قانون میں ہوتی نہیں ترمیم

دعوتِ عمل

اگر تم کو حق سے ہے کچھ بھی لگاؤ — تو باطل کے آگے نہ گردن جھکاؤ
حکومت کو تم نے لیا آزما — اب اپنے مقدر کو بھی آزماؤ
ہو تم جس کے قدرت سے وہ ہو خاک تیرہ — چھپے ہیں جو اس میں وہ جوہر دکھاؤ
فلک پر مہ و مہر پڑ جائیں ماند — زمیں پر اس انداز سے جگمگاؤ
ہمالہ بھی آجائے گر راہ میں — تو ٹکرا کے آگے سے اس کو ہٹاؤ

کرے تم سے گنگا بھی گر بے رخی — پلٹ کر الٹ دو تم اس کا بہاؤ
زمانہ میں روشن کرو نام ہند — ہر اقلیم میں اس کا سکہ چلاؤ
ہر اک ملک کا ہاتھ میں لے کے دل — ہر اک قوم سے اپنی عزت کراؤ
پسینہ گرے ہندوؤں کا جہاں — وہاں تم مسلمان کا خوں بہاؤ
زمیں ہو جب اس خون سے لالہ زار — تو اس پر بساط اخوت بچھاؤ
بچھڑ کر گئے یہ برسوں میں جا کر کہیں — مسلماں کے پہلو کے گہرے ہیں گھاؤ
پرانا ہوا دفتر ہی اقتدار — سمجھو اب اس کا بھی ہے چل چلاؤ

کسی روز خود غرق ہو جائے گی
بہت بہہ چکی ہے یہ کاغذ کی ناؤ

ترانۂ جنگ

اے ملّتِ بیضا تری شوخی سے ہے نمودار — ہر راہ میں اب تک ترے نقشِ کفِ پا سے
اے سطوتِ کبریٰ تری تلوار کی جھنکار — سنتے ہیں یہ کان اب بھی دو عالم کی فضا سے
آفاق میں اب تک تری تقدیر کا طغرا — آراستہ ہے سرخیِ خونِ شہدا سے
یہ سچ ہے کہ دنیائے صلیبی کی عداوت — لپٹی ہوئی ہے بن کے بلا تیرے لوا سے
گردش تری قسمت کی ہیں پطرس کے چڑھتے — بجلی ترے خرمن کی ہیں پاپا کے نوا سے
ہر گوشۂ عالم میں کلیسا کے پرستار — لب تک ہیں بد اندیش ترے خوں کی پیاسے
لیکن علمِ حق نہ جھکا ہے نہ جھکے گا — باطل کی فضاؤں میں پیمبرؐ کی دعا سے
پھر سر سے لپیٹ اس کفنِ نور کو اک بار — لاشے تجھے جیسے بدر کے میداں میں چلا سے
اعدا کی صفوں کو الٹ اس طرح کہ پیدا — ہو غلغلۂ احسنت کا ارض اور سما سے

مرنا ہے تو مر جادۂ شاہِ دوسرا میں
ڈرنا ہے تو ڈر ایک محمدؐ کے خدا سے

انسانیّت کبریٰ کا مقام

اپنے آبائی شرف کا گر تجھے احساس ہو
شانِ ابراہیمؑ پیدا کر امام الناس ہو

تو مسلماں زادہ ہے پہچان اپنا مرتبہ
خضر کو رستہ دکھا تاج سر الیاس ہو

دیکھ لے دنیا تجھے باندھے ہوئے تیغ و کفن
کچھ بھی گر تجھ کو روایاتِ کہن کا پاس ہو

تیرے خنجر کے لئے خونِ دو عالم ہے مباح
گر یہ تیرا قصد ہو اور اس کو اتنی پیاس ہو

بن نہیں سکتا صلاح الدین ایوبی اگر
ہند کی حرمت پہ مرمٹ اور جےچندر داس ہو

---

۲۱ ستمبر ۱۹۲۹ء

فریادِ جرس

آزادیٔ وطن کے طلب گار ہیں کہاں — مشتاقِ جلوہ رسن و دار ہیں کہاں
دنیا خرابِ بادۂ پندار ہو گئی — خم خانۂ الست کے سرشار ہیں کہاں
شیطاں کا آستانہ ہے آدم کی سجدہ گاہ — اے ربِ کعبہ تیرے پرستار ہیں کہاں
کب سے بھٹک رہا ہے اندھیرے میں قافلہ — اسلامیوں کے قافلہ سالار ہیں کہاں
حرف آرہا ہے عزتِ دینِ حنیف پر — ملت کی آبرو کے نگہدار ہیں کہاں
ایماں بھی سرنگوں ہے جو خنجر بکف ہے کفر — لیکن ہم اس کے واسطے طیار ہیں کہاں

موت اک حیاتِ تازہ کی جس کو نوید تھی
اس زندگی کے قوم میں آثار ہیں کہاں

---

۱۵ جولائی ۱۹۳۱ء

مسلمان کا مرتبہ

اے مسلماں جواب آپ ہی اپنا ہے تو
اپنے اللہ کی رحمت کا سراپا ہے تو

جس نے دنیا کو دیا عدل و مساوات کا درس
اُس کے احسان کا بہتا ہُوا دریا ہے تو

فرش پر پاؤں ہیں اور عرش پہ ہے سر تیرا
علَمِ تاجورِ یثرب و بطحا ہے تو

تیری تلوار کی جھنکار کا دنیا میں ہے شور
حشر اس شور سے کرتا گیا برپا ہے تو

بے پناہوں کیلئے ہے ترے بازو میں پناہ
ناتوانوں کو ہو غم کیا کہ توانا ہے تو

دونوں عالم ترے اک قطرۂ خوں کی قیمت
ہے فدا تیرے لئے کیونکہ خدا کا ہے تو

چومتے ہیں تری دہلیز کو ماہ و خورشید
محفلِ مشرق و مغرب کا اجالا ہے تو

کشورِ ہند کے ناموس کو خطرہ سے بچا
اے کہ ہنگامۂ توحید کا غوغا ہے تو

زندگی موت سے اسلام نے کی ہے پیدا
اے مسلماں اسی اسلام کا بیٹا ہے تو

شانِ اسد اللّٰہی

ہو دیکھنی جس کو اسد اللہ کی تصویر! — شیرانِ مراقش کو بپھرتا ہوا دیکھے
بگڑی ہوئی تقدیر کے بننے کا تماشا — افریقہ کے صحرا سے گزرتا ہوا دیکھے
جس جذبہ سے دب جاتی تھیں باطل کی امنگیں — پہلو میں پھر آج اس کو ابھرتا ہوا دیکھے
چڑھتی ہوئی توحید کی ندی کے مقابل — تثلیث کے دریا کو اترتا ہوا دیکھے
جو منفعل پنجۂ عیسیٰ نہیں ہوتا — اس رستے ہوئے زخم کو بھرتا ہوا دیکھے
مشاطۂ مغرب کے لپٹنے کے اثر سے — اسلام کی رنگت کو نکھرتا ہوا دیکھے
جاتا ہوا دیکھے چمنستاں سے خزاں کو — گلشن کو بہاراں میں سنورتا ہوا دیکھے

سرو و سمن و لالہ کے جنگل میں صبا کو
ہر شاخ پہ اٹکھیلیاں کرتا ہوا دیکھے

---

۸ اگست ۱۹۴۰ء

جہانِ باطن

جس کو اس زلفِ سیاہ تاب کا سودا ہوگا
گر بلالِ حبشی ہے تو وہ دارا ہوگا

فرش اس کے لئے بن جائیگا ہمپایۂ عرش
اور ٹھوکر میں ہے تو بہتر ز ثریا ہوگا

اس کے ہم چشم اسے سمجھیں گے بشر و ذلیل
اپنے اقران و اماثل میں وہ یکتا ہوگا

اپنے اندر نظر آئے گا اسے ایک جہاں
اس جہاں پر اسے ہر قسم کا دعویٰ ہوگا

دل میں جلوے اسے فاراں کے آئیں گے نظر
اور داغ اس کے لئے سینۂ سینا ہوگا

شیوۂ مصطفوی سیکھ لو گر نہ اسلام
تجھ کو مسلم سبب نازش بیجا ہوگا

خاک چھو کر تمہیں اکسیر بنا آتی ہے
کس کو اس پہ نہ زمانے میں اچنبھا ہوگا

کشتِ ہند میں گنگا کے بہانے والو
کہیں اک چشمۂ زمزم بھی اُبلتا ہوگا

رسم ادب

یہ ادب کی شرط تھی بزم میں کہ وہ سر اٹھا کے کہے صبا
جو کہے الست پکار دو تو یہیں سر جھکا کے کہو بلیٰ

یہ خلیل کی ہے ادا جو ہے ذبح ہونے کی آرزو
جو چھری نہ رک سکے تو رکے مگر نہ سر کٹے [illegible]

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ زیاد کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حسین کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

وہ جو سو رہا ہے بقیع میں کوئی جا کے اس کو یہ دو خبر
چلی آ رہی ہیں وہ آندھیاں کہ چمن حضور کا اجڑ چلا

[illegible]

[illegible]

کہ یہ ہم تیری کس بیکسی سے ستم زدوں سے بھری ہوئی
ہم اٹھ سکے ہیں [illegible]

مغربی جادو کے ڈورے

جدید وضع کے سانچے میں ڈھلتے جاتے ہیں
ہمارے طور طریقے بدلتے جاتے ہیں

دکھائی دیتی ہے تہذیبِ مغربی نے جو راہ
ہم آنکھ بند کیے اس پہ چلتے جاتے ہیں

بھڑک رہا ہے کچھ اس جوش سے تنورِ فرنگ
کہ دین کی [illegible] کھنچتے جاتے ہیں

بہارِ عرب کی [illegible] ایسی چمکی ہے
بڑے بڑوں کے قدم بھی پھسلتے جاتے ہیں

اگل رہے ہیں [illegible]
[illegible] ہم بھی [illegible] جاتے ہیں

[illegible]
[illegible] جاتے ہیں

جو اپنے [illegible] قائم [illegible]
[illegible] جاتے ہیں

[illegible] مغربی کا [illegible]
[illegible] سنبھلتے جاتے ہیں

موجِ نور

توحید کے ترانے کی تانیں اڑائے جا
مطرب تمام رات یہی نغمہ گائے جا

ہر نغمہ سے خلا میں ملا کو ملائے جا
ہر زمزمے سے نور کے دریا بہائے جا

ایک ایک تیری تال پہ سر جھومنے لگیں
ایک ایک سر سے چوٹ جگر پر لگائے جا

ہر زیر و بم سے کرتے دبالا دماغ کو
ہر گٹکری سے پیچ دلوں کو گھمائے جا

ناسوتیوں سے چھین کے صبر و قرار و ہوش
لاہوتیوں کو وجد کے عالم میں لائے جا

تھرا چکیں جنہیں تری تانیں تو اب سبان
ان کو یہ تیز شعر ہمارے بھی سنائے جا

اے سالک رہ نورد رہ ہفت خوان عشق
اس مرحلے میں بھی قدم آگے بڑھائے جا

خاطر میں لا نہ اس کے نشیب و فراز کو
جو سختیاں بھی راہ میں آئیں اٹھائے جا

بکتا ہے لاکھ سر بھی اگر آستانِ دوست پہ
تا عمر آستانۂ عزی پہ کٹائے جا

وہ زخم جو لیا ہے نہیں پشت غیر نے
سینے میں تیر سے اٹھی تو جی سے بڑھائے جا

کرتا ہے جو استوار اساس حریم دل
اور ساتھ ساتھ گھر کی بنیاد ڈھائے جا

چھلکائے جا پیالہ شرابِ حجاز کا
دو چار گھونٹ اس کے ہمیں بھی پلائے جا

سر پہ اگر ہو تاج تو ہو دوش پہ گلیم سا دنیا کو شان فقیروں کی دکھائے جا

رکھ مسند رسول کی عزت کو برقرار

عثمان کے ہلال کا پرچم اٹھائے جا

نشاۃ الثانیہ

گر چشم جہاں بیں ہے تو تغیر جہاں دیکھ آفاق میں اللہ کی قدرت کے نشاں دیکھ
کس طرح سے دامان شب تار ہوا چاک کس رخ سے ہے خورشید کا جلوہ فشاں دیکھ
کس طرح ہری ہو گئیں سوکھی ہوئی شاخیں رخصت ہوئی کیونکر گلستاں سے خزاں دیکھ
چڑھتی ہے کس زور سے اتری ہوئی ندی کس شان سے سرچشمہ میں آتا ہے طوفان دیکھ
پھر باغ میں پھیلا وہی ہے جو کبھی تھا توحید کے دریا کو گراں تا بکراں دیکھ
پھر پرچم اسلام ہے عالم میں سرافراز پھر زینت بدری کی وہی شوکت ہی شان دیکھ
پھر زمزمۂ نغمہ سرایان حرم سن پھر قافلۂ یثرب و بطحا کو رواں دیکھ

اللہ کی رحمت کے کرشموں پہ نظر کر — ڈوبے ہوئے بیڑے کی ابھرنے کا سماں دیکھ

تفسیر سمجھی ہو اگر کُن فیکُوں کی — تاثیر دعا ہائے شہ کون و مکاں دیکھ

جو تخت پہ تھے تختہ ہے الٹا ہوا ان کا — جو تھے سپر انداز چڑھی ان کی کماں دیکھ

اک حملہ میں ترکوں نے لیا جا کے سمرنا — اک جست میں پہنچے ہیں کہاں ہو وہ کہاں دیکھ

اے ظالم مظلوم کی تاثیر کے منکر — آتش زدہ یونان سے اٹھتا ہوا دھواں دیکھ

وہ قصر جو اسلام کے کھنڈروں پہ بنا تھا — اب چاٹ رہی ہے اسے شعلوں کی زباں دیکھ

پھر گرم ہے بازار رسول عربی کا — اور جل کے ہوئی راکھ صلیبوں کی دکاں دیکھ

جاذب ہے کشش حسن مصطفوی کا

اللہ نے کس طرح کسا پُرتو گراں دیکھ

نفیرِ اسلام

بحکم اعدوا لہم ما استطعتم
بڑھے جس قدر اپنی طاقت بڑھاؤ

فراہم کرو جنگ کا ساز و ساماں
نصاریٰ پہ ہیبت کا سکہ بٹھاؤ

بتائید حق اپنی ملت کے بل پر
حریفوں کی کثرت کے چھکے چھڑاؤ

کہانت کی بنیاد جس نے ہلا دی
اُس اللہ اکبر کے نعرے لگاؤ

اٹھاؤ نہ دریا کی لہروں کے احساں
جہازوں کو پھر خشکیوں پر چلاؤ

مٹا دو عجم اور عرب کی رقابت
جہاں میں بساطِ اخوت بچھاؤ

کرو ہوشیاری پہ مستی کو قرباں
خمستانِ پیغمبر کے ساغر لنڈھاؤ

حریفوں سے کہہ دو کہ ہم ہیں مسلماں
نہ باطل کی قوت سے ہم کو ڈراؤ

ہمیں آزمایا ہے سو بار تم نے
کسی اور کو جا کے اب آزماؤ

علم ہاتھ میں لے کے دینِ ہدیٰ کا
سرِ چین کا پھر اندلس سے ملاؤ

بجھا دو خرافات کی مشعلوں کو
حرم کا چراغ از سرِ نو جلاؤ

محمد کے جھنڈے کے سایہ کے نیچے
فلک کے نیچے دکھا دو سر چھپاؤ

جستجو

خم خانۂ الست کے مے خوار ہیں کہاں　　　عہدِ سلف کے رند قدح خوار ہیں کہاں
اس بادۂ شبینہ کے سرمست ہیں کدھر　　　پیمانۂ نبیذ کے سرشار ہیں کہاں
جھکنے لگی ہے غیر کی دہلیز پہ جبیں　　　اے ربِ کعبہ تیرے پرستار ہیں کہاں
دنیا کی لذتوں سے تو ہیں بہرہ ور سبھی　　　عقبیٰ کی عزتوں کے خریدار ہیں کہاں
اسلامیوں کا شوقِ شہادت کدھر گیا　　　جو سر تھے زینتِ رسن و دار ہیں کہاں
وہ کشتگانِ خنجرِ تسلیم کیا ہوئے　　　وہ عاشقانِ احمدِ مختار ہیں کہاں
طوفاں زدوں کو جن کی ضیا تھی دلیلِ راہ　　　یثرب کی روشنی کے وہ مینار ہیں کہاں
برطانیہ کا کوکب ہے دیر سے بلند　　　ہندوستان کے قافلہ سالار ہیں کہاں
دیکھو جسے اسیرِ طلسمِ فرنگ ہے　　　توڑیں جو یہ طلسم وہ احرار ہیں کہاں
آپس کی پھوٹ ختم ابھی تک نہیں ہوئی　　　آزادیِ وطن کے طلب گار ہیں کہاں

مفقود ہے دلوں سے مدارات و آشتی
جن سے لڑیں گے اب وہ ستمگار ہیں کہاں

حقائق

دل ہے پہلو میں تو پیدا شیوہ ترکا نہ کر
جورِ ہفت افلاک بھی ہوتے رہیں پروا نہ کر

غم کو خود آکر بہا لے جائے گی موجِ سرور
دیکھتا کیا ہے اٹھا اور ظرفِ مے و پیمانہ کر

دعویٰ الفت جتا کر مفت میں رسوا نہ ہو
دار پر چڑھنے سے پہلے رازِ عشق افشا نہ کر

ظرفِ نیساں چاہتی ہے قلزم آشامی تیری
رنگِ گل کی طرح شبنم کے لئے ترسا نہ کر

کام اپنا بیسیوں کا ہے کہ کھیلیں آگ سے
کود پڑ شعلوں میں خوفِ انجامِ کار ہرگز نہ کر

لے کے نام اللہ کا طوفاں میں کشتی ڈال دے
خوفِ بے پایانیٔ دریائے موج افزا نہ کر

خود عمل تیرا ہے صورت گر تیری تقدیر کا
شکوہ کرنا ہو تو اپنا کر مقدر کا نہ کر

سایۂ شمشیر میں پوشیدہ جنت ہے مگر
ناکسوں کے سامنے اس بھید کا چرچا نہ کر

خزاں میں بہار

میں سلطانِ عرب شحنہ ہوں یہ آج اعلان کر دوں گا
حرم کے ذرّہ ذرّہ پر نچھاور جان کر دوں گا

ہوا اسلام کا اک بال بھی بیکا تو دیکھو گے
ہزار ابن سعود اسلام پر قربان کر دوں گا

کتاب اللہ متنِ دیں ہے اور سنت ہے شرح اس کی
میں ان دونوں سے بات کی دوبالا شان کر دوں گا

چراغِ کعبہ سے جس میں اُجالا ہونے والا ہے
ہمالہ کو میں اس کے نور سے فاران کر دوں گا

بیادوں گا نغمہ ہائے ات کی مانند بلبل کے
جہانِ کفر کی سب بستیاں ویران کر دوں گا

تمہارے سامنے کر کے بھی بن سکا اب تک او ناصح
میں جیب و دامن کا یہ پاٹ کا طوفان کر دوں گا

مسیحا مے کی گر ہے نہیں کچھ موسم کی نہیں حاجت
میں پت جھڑ میں بھی گلشن کو بہارستان کر دوں گا

مسلمانوں کو کیا ڈر ان کو آفاتِ جب کہتے ہیں
کہ میں امت کی سب مشکلیں آسان کر دوں گا

---

۲۱ مارچ ۱۹۲۵ء

اَیُّہَا المُسلِم

رسول اللہ پہ قربان ہو جا — خود اپنے درد کا درمان ہو جا
حریفِ دولتِ افرنگ بن کر — حلیفِ دولتِ عثمان ہو جا
ضرورت کیا ہے کابل کو سفر کی — یہیں بیٹھا ہوا افغان ہو جا
امان اللہ خاں بن جائے گا تو — پر اول عاملِ قرآن ہو جا
ڈبو کر کشتیٔ کفر آنسوؤں میں — بغل میں نوح کا طوفان ہو جا
غلامی کر محمد مصطفیٰ کی — گدائی چھوڑ دے سلطان ہو جا
مرے سانپ اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے — نظام الملک کا فرمان ہو جا

تزلزل میں ہے ایوانِ خلافت
تو اس ایواں کا پشتیبان ہو جا

---

۲۱ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

حیاتِ جاوید

رحمتِ باری کم اپنا جوش کر سکتی نہیں — یہ چڑھی ندی قیامت تک اُتر سکتی نہیں
زندۂ جاوید ہے اللہ والوں کا گروہ! — اُمّتِ مرحوم ہو سکتی ہے مر سکتی نہیں
سرورِ کونین خود جو ہوں اُنجمن کے وہ نام — لطمۂ طوفانِ موج افزا سے ڈر سکتی نہیں
ایشیا کی وہ بساطِ کہنہ اُلٹی جا چکی — بازیٔ اسلام اب دنیا میں ہر سکتی نہیں
میں نے یہ مانا کہ جس پر ہو عتاب انگلشیہ کا — اس کی دنیا ہند میں رہ کر سنور سکتی نہیں
ٹوٹے جب تک نہ سپلک نیا کو ستم — ایک بھی رات اس ستم کش کی گذر سکتی نہیں
والدہ اِیذاؤں پہ لیکن شیوہ جس کا صبر و شکر — عاقبت بھی کیا اُس انساں کی سدھر سکتی نہیں
سیریِ حرصِ لذتِ آزاد کا عالم نہ پوچھ — سیر جب تک جائے نیت بھری بھر سکتی نہیں
منزلِ خوفِ خدا ہے مومنِ قانت کا دل — ہیبتِ قیدِ فرنگ اُس میں اُتر سکتی نہیں
نام اتنا ہے کہ کیوں حدِ ادب سے بڑھ کے آہ! — لب تک آ جاتی ہے اور دل میں ٹھہر سکتی نہیں
بہت ہی ایسی تھی جس کا بھول جانا ہی محال — بات ہی ایسی ہے جو دل سے بِسر سکتی نہیں
شر سے مجھ کو ہے لاگ اور دیں ہی سے مجھ کو لگاؤ — کوئی اور الزام دنیا مجھ پہ دھر سکتی نہیں

پانچ سپاروں کی دولت ہے مرے سینہ میں جمع
جس کو انگریزی حکومت قرق کر سکتی نہیں

میں حرم سے اڑ کر جا بیٹھوں گا شاخ سدرہ پر
میرے پر تثلیث کی قینچی کتر سکتی نہیں

شانِ اسلام

ہم مسلمان کون ہیں؟

ہم خیرِ کثیر کوثر ہیں!

کچھ جانتے بھی ہو ہم نفسو! کس ملک کے ہم سب افسر ہیں
کس برج کے ہم سب گوہر ہیں کس برج کے ہم سب اختر ہیں

ہم شانۂ زلفِ امانت ہیں ہم سلطۂ روئے کہانت ہیں
آبادی پہلوئے آمنہ ہیں ویرانیٔ خانۂ آذر ہیں

فرزند ہم ابراہیمؑ کے ہیں اور مستحق اُس تعظیم کے ہیں
پیراستہ ہیں سے فناؤں میں لقاب جم و اسکندر ہیں

ایمان سے کہ ہم ایسا ہوتے ہیں اور سجدہ بیجا ہوتے ہیں
ہم خاکِ درِ پیغمبر ہیں یا سرمۂ دیدۂ حسّاد ہیں

صدیقؓ ہوئے تصدیق میں ہم فاروقؓ بنے تفریق میں ہم
ایماں طلبی میں بوذر ہیں خیبر شکنی میں حیدر ہیں

ہیں جانِ حیا عثمانؓ کی طرح ہیں آنِ وفا سلمانؓ کی طرح
اسلام ہے کفت ہم خنجر ہیں طاقت سے رگ ہم نشتر ہیں

ہم حملِ اِنّا لَک پڑھتے ہیں پروان اسی سے چڑھتے ہیں
کیونکہ نہ عدو سب ابتر ہوں ہم خیرِ کثیر کوثر ہیں

مجلسِ خلافت پنجاب کا اعلان

رسولؐ اللہ کے ناموس پر قربان ہو جاؤ — مسلمانو! بلالؓ و بوذرؓ و سلمانؓ ہو جاؤ
حنین و بدر کا ہندوستاں میں کھینچ دو نقشہ — کہ سر ہو کفر کا گیند اور تم چوگان ہو جاؤ
جھکا دو حق کے آگے گردنیں ابنائے باطل کی — نبیؐ کی آن بن جاؤ حسنؓ کی شان ہو جاؤ
یہی راز آج کل ہے ملتِ بیضا کی وحدت کا — کہ ہفتاد و دو قالب ہو کے بھی یک جان ہو جاؤ
ہم نے دل کو چھینا جس کے ایک آہنگ شیریں نے — اسی چنگِ حجازی کی رسیلی تان ہو جاؤ
تمہاری ہڈیاں اینٹیں ہوں جس کی اور لہو گارا — نہ جس کو ڈھا سکے دنیا وہی بنیان ہو جاؤ
بنو غازی کی غیرت جس نے رکھ لی لاج امت کی — عطاء اللہ کا ہیبت ربا ایمان ہو جاؤ
نصاریٰ کا طعام اسلام کے بیٹوں کو جائز ہے — بڑے گھر جاؤ اور سرکار کے مہمان ہو جاؤ

یہ سب کچھ ہو چکا جب تم تو کہہ دو جا کے منجی سے
کہ اب ہندو سبھا کے شوق سے پڑھان ہو جاؤ

رجز مرقص

شجاعت کے جوہر دکھاتے چلو — حریفوں کے چھکے چھڑاتے چلو
سپہ ہو جو کاہل کو تندہی سے — تو تیغ دو دم کو سہلاتے چلو
بچا کے اُدھر اپنے سے آزما — مقدر کو بھی آزماتے چلو
رہِ حق میں رکھ کر ہتھیلی پہ سر — شہادت کے خوں میں نہاتے چلو
کرو قطع دامانِ صحرا و کوہ — سمندر کو بگٹٹ اڑاتے چلو
مجاہد ہیں اس وقت خنجر بکف — دل ان غازیوں کے بڑھاتے چلو
زر و سیم کی ہو ضرورت نہیں — تو انبار ان کے لگاتے چلو
جو دیکھو نشانِ کفِ پائے شاہ — تو رستے میں آنکھیں بچھاتے چلو
فرشتے بھی آجائیں گے وجد میں — ارانی اللّٰہی نغمہ گاتے چلو

مچایا زمیندار نے ہے جو رنگ
مری آبرو کر ادا سے تے چلو

بزم و رزم

سیل کی طرح جو نکلے تھے بیابانوں سے ۔۔۔ آ بسے جو بن گئے گذرے جو خیابانوں سے
تھا جو اپنوں سے وہی لطف بیگانوں سے ۔۔۔ گردنیں دب گئیں اسلام کے احسانوں سے
وہ خود امی تھے مگر کون و مکاں کے اسرار ۔۔۔ حکما سیکھ گئے ان کے دبستانوں سے
اب جو آئی ہوئی ہے گلشن گیتی میں بہار ۔۔۔ رنگ اڑا لائی ہے انکے ہی گلستانوں سے
اس کے پینے کے لئے چاہئے ظرف عالی ۔۔۔ یہ شراب آئی ہے توحید کے خمخانوں سے
ہم رہ سست عنان منزل سلمیٰ کی خبر ۔۔۔ پوچھا کیوں نہیں یثرب کے حدی خوانوں سے
پھر وہی غلغلہ آفاق میں ہوتا ہے بلند ۔۔۔ شیر کی گونج پھر اٹھی ہے نیستانوں سے
ہم نے دیکھا ہی ان آنکھوں سے ادھر طارق کو ۔۔۔ نعرہ خالد کا سنا ہے ادھر ان کانوں سے
بوئے تیغ آتی ہے پہلوئے فلسطین سے ہنوز ۔۔۔ جوئے خوں بہنے کو ہے قدس کے میدانوں سے
سونپ دیں مرحم تثلیث کو بغداد و دمشق ۔۔۔ نہیں امید یہ کعبہ کے نگہبانوں سے
گھورتی ہوئی آتی ہے حریفوں کی نظر ۔۔۔ اک طرف ترکوں سے اور اک طرف افغانوں سے
مصر بے تاب ہوا ہند ہوا آتش بجگر ۔۔۔ ہے یہ سب گرمی ہنگامہ مسلمانوں سے

ناموسِ نبیؐ

عزت کا تاج کفر کے سر سے اتار کر
ناموسِ خواجۂ دوسرا پر نثار کر

کب تک فضائے غیب کی صرصر کا انتظار
اس کفر کے دیے کو بجھا پھونک مار کر

جب تک تمہیں ہے قوتِ بازو پر اعتماد
چھوٹے سے بھی نہ مالوی پہ اعتبار کر

کسی کو تاکتا ہے بھنور ہر دوار کا
خود دین کے ناخدا اسے گنگا کے پار کر

عشقِ رسولؐ خوفِ جہاں سے ہے بے نیاز
خاطر میں لا کسی کو نہ پروائے دار کر

قرآں جو سینہ میں تھا سفینہ میں رہ گیا
خود تو نے اپنا کام بگاڑا سنوار کر

کسریٰ کا تخت جس نے پلوں میں الٹ دیا
اٹھ اپنے دل میں پھر وہی جذبہ ابھار کر

اجڑے ہوئے چمن سے خزاں کو نکال دے
سامانِ جشنِ مقدمِ فصلِ بہار کر

باطل سے تجھ کو لاگ ہو اور حق سے ہو لگاؤ
وضعِ شعارِ عربی اختیار کر

آسان ہونے والی ہیں سب تیری مشکلیں
تھوڑا سا اور صبر دلِ بے قرار کر

تو نے زمیں والوں کے احکام سن لئے
اب آسماں کے فیصلہ کا انتظار کر

بخشا گیا کسی کو حسن اور کسی کو سیف
دیتے ہیں ڈال ماسٹر کسی کی گلہ ادا کر

اسلام کفر سے نہ دبا ہے نہ دب سکے
کہہ دو یہ سنگٹھن کی سبھا میں پکار کر

---

۲۸ اگست ۱۹۲۷ء

قسمت کی شوخی

کبھی بامِ ثریّا سے بھی اونچی جو عمارت تھی
وہ قصرِ سطوتِ کسریٰ کی رفعت سے عبارت تھی
ہوئی حجت خدا کی ختم آخر نوعِ انساں پر
مگر دی گئی جس کی زمانہ کو بشارت تھی
نہ ملتا کیوں تاج اُسے رحمۃً للعالمین کا
کہ اُس کو دی گئی بزمِ نبوت کی صدارت تھی
اک اُمّی ایک ٹھوکر سے کرے سو فلسفی پیدا
نہ پوچھا فلسفہ اس کو یہ اک ایسی بجھارت تھی

نمازیں آبِ خنجر سے وضو کر کے پڑھتے تھے
اسی پانی سے مسلم کی ہوا کرتی طہارت تھی
وسیلہ اِن کی خوشحالی کا ٹھہری سیف کی حلّت
جہانداری سے مسلم کیلئے بڑھ کر تجارت تھی
سمجھ کر وقت کو دولت نہ وہ اس کو گنواتے تھے
گھڑی اک بھی نہ اُن کی عمر کی جاتی اکارت تھی
قبا ہوتی بھی اوپر اور نیچے خرقہ ہوتا تھا
وہ دنیا دین نہ ہو جس میں یہیں اس سے حقارت تھی

ہمارا ظاہر و باطن ڈھلا تھا ایک سانچے میں
بصیرت تھی دلوں میں اور آنکھوں میں بصارت تھی

نہیں اچھی شناسائی اغیار اب تک جس کے لب پہ
ہمیں جس علم پر قدرت تھی جس فن میں مہارت تھی

نہ جھکتا تھا ہمارا سر کسی فرعون کے آگے
بدن میں خون تھا اور خون کے اندر حرارت تھی

تجاوز کر نہ سکتے تھے حدِ جادہ ہم احسن سے
کہ حسنِ خلق کی اوراقِ قرآں میں اشارت تھی

اگر ہم آج کے دن وہ نہیں ہیں جو کسی دن تھے
تو یہ قسمت کی شوخی تھی مقدر کی شرارت تھی

---

۱۷ مئی سنہ ۱۹۱۲ء

حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

ناداں ہیں جو کرتے ہیں بھروسا رفقا پہ
تکیہ وہی اچھا ہے جو ہو اپنے خدا پہ

راضی ہو ہر اک حال میں مولا کی رضا سے
رکھ اپنی نظر شیوۂ شاہ و گدا پہ

محمل جو گراں ہو تو بڑھا شورِ حدی کا
ہو نغمہ جو کم ذوق تو دے زور نوا پہ

مردہ پہ نہیں آنکھ میں رہتی ہے مروت
باطن ہی نہ ہو صاف تو کیوں جائیں صفا پہ

کچھ تو نے سنا بھی ہے کہ کیا ہند میں گزری — اندور کی بستی کے اسیران بلا پر
گل بانگ اذاں دب گئی ناقوس کی لے میں — اڑتی سی یہ آئی ہے خبر دوش صبا پر
وہ سر جو جھکا تھا کبھی اللہ کے آگے — رکھا ہوا ہے کفر کے نقش کف پا پر
ناموس شریعت کے لہو کی ہیں یہ بوندیں — جو تکمہ نہیں لعل کا شدھی کی قبا پر
بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی — چلتا نہیں کچھ زور قدر پر نہ قضا پر
مل سکتی تھی جس سے خبر منزل مقصود — ہے کوئی دھرے کان جو اس بانگ درا پر
ہے کوئی کلیجے کو جو تھامے ہوئے نکلے — اسلام کے آفت زدہ بچوں کی صدا پر

رحمت کی گھٹا جھوم کے پھر کوئی ادھر آئے
رہ رہ کے نگہ اٹھتی ہے یثرب کی فضا پر

---

۱۷ اپریل ۱۹۲۷ء

پیام وقت

جو کرنی ہے جہانگیری محمدؐ کی غلامی کر
عرب کا تاج سر پہ رکھ خداوند عجم ہو جا

ہو سرکش سرو کی مانند اگر باطل نکالے سر
اگر حق آگے آئے ماہ نو کی طرح خم ہو جا

صنم خانہ میں گو کلیوں کی رعنائی سے پھیر آنکھیں
دوئی سے کٹ کے تیر ہو نگی یکتائی میں ضم ہو جا

چراغ دیر سے جل کر بھی آخر راکھ اڑتی ہو
تو پھر شمع حرم سے لو لگا کر ہی بھسم ہو جا

اگر سورج کو شرماتا ہے اپنی ضوفشانی سے
تو بن ابن سعود اور ذرۂ خاک حرم ہو جا

امان اللہ خاں کا درد اپنے دل میں پیدا کر
کف ساقی میں یہ جام جہاں بیں ہے کہ جم ہو جا

سبق اس انکسار نفس کا اب ہم کو ملتا ہے
کہ بن کر ہیڈ بڑھے جتنا بھی تو اتنا ہی کم ہو جا

کرانا ہے قلم ہاتھوں کو روداد جنوں لکھ کر
تو اس دور ستم پرور میں میرا ہم قلم ہو جا

پشاور ۲۶ نومبر ۱۹۲۷ء

لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی

نکلا ہے پھر نیام سے خنجر ہلال کا — چمکا ہے صاعقہ غضبِ ذوالجلال کا
میدان میں جب ہے تیغ بکفِ مصطفیٰ کمال — اندیشہ کیوں ہے دینِ مبیں کو زوال کا
اسلام کو ہوئی ہے نہ ہوگی کبھی شکست — ناحق نہیں تہیّہ ہے امرِ محال کا
ہے لاتخف کہیں تو ہے لاتحزنوا کہیں — قرآن خود جواب ہے میرے سوال کا

چہرہ اتار لائے ہیں سیّد علی امام — شملہ پہ جا کے چرخِ مکوکب کی چال کا
شرعِ نبی سے جب نہ اُولی الامر ہو خجل — شرمندہ امر کس لئے ہو امتثال کا
آئی ہوئی بلا مرے خامہ نے ٹال دی — یہ اک کرشمہ تھا مرے سحرِ حلال کا
کہہ دو یہ لاٹ پادریوں سے کہ آپ لوگ — بھولے ہوئے ہیں فلسفہ مدت سے کال کا

اسلامیوں کو عید کی کیا خاک ہو خوشی
باعث بنی ہوئی ہے خلافت ملال کا

شرابِ خانہ ساز

آزادیٔ وطن کا پھریرا اڑائے جا — ہندوستاں کے نام کا ڈنکا بجائے جا
ہندو جو شیر ہوں تو مسلماں ہوں شکر — دونوں میں اتفاق کا رشتہ بڑھائے جا
خاشاکِ ذلتِ صدۂ پنجاہ سالہ کو — دریائے اتحاد کی رو میں بہائے جا
رسوائیوں کے داغ سے آلودہ ہے جبیں — عزت کے چار چاند بھی اس میں لگائے جا
گردش میں لا پیالۂ مئے خانہ ساز کا — اور قسمتِ فرنگ کو چکر میں لائے جا

کابل کے تاجدار کو اللہ کی امان
اس بادشہ کی رہ میں آنکھیں بچھائے جا

۹ فروری ۱۹۲۹ء

مجلس اتحاد و ترقی کوچین کے رضاکاروں کا ترانہ

کوچین میں توحید کا نقارہ بجا دو — اک ضرب میں سوئی ہوئی بستی کو جگا دو
پہنچاؤ ہر اک گوشہ میں اسلام کا پیغام — اور شرک کے اوہام کی بنیاد ہلا دو
اسلاف کے اخلاق کا بن جاؤ نمونہ — گالی تمہیں دے کوئی تم اُس کو دعا دو
سب سے یہ بڑا فرض ہے اس وقت تمہارا — جو تفرقے آپس کے ہیں ان سب کو مٹا دو
چھوٹوں میں اطاعت ہو تو شفقت ہو بڑوں میں — اس رشتہ سے ان دونوں کو آپس میں ملا دو
مومن ہو جھکو فقط اک اللہ کے ہی آگے — مسلم ہو سر اسلام کی عزت پہ کٹا دو
دنیا کو دکھا دو کہ تم ہو عزم کے پیکر — رستہ میں ہمالا ہو تو ٹھوکر سے ہٹا دو
زینت جو مدارس کی ہے اس کو بڑھا کر — رونق جو مساجد میں ہے چاند اس کو لگا دو
میراث میں تہذیب عرب جو تم کو ملی ہے — آفاق میں دھوم اپنے تمدن کی مچا دو
پھر زندہ کرو شیوہ رسولؐ عربی کا — باطل کے ابھرتے ہوئے جذبوں کو دبا دو
دل چھین لو دنیا کا محبت کے عمل سے — سیلاب مساوات و اخوت کا بہا دو
آزاد غلامی سے کرو اپنے وطن کو — اور مرتبہ اقوام میں پھر اس کا بڑھا دو

لمعات

میانوں سے نکل آئیں تڑپ کر پھر وہ شمشیریں
پلٹ دی ہیں جنھوں نے مشرق و مغرب کی تقدیریں

وہ شمع مہر سیما پھر نگار آرائے محفل ہے
ہیں پروانے کی خاکستر میں رقصاں جسکی تنویریں

پڑا ہے زلزلہ دنیا میں برلن سے پیکن تک
بلند اک ساتھ ہوتی ہیں مسلمانوں کی تکبیریں

جھکا سکتی نہیں زندانیانِ حق کو ہتھکڑیاں
عبث ہیں سب یہ تدبیریں غلط ہیں سب یہ تدبیریں

جنوں جب کارفرما ہو تو کام آتی نہیں اصلا
یہ تادیبیں یہ تہدیدیں یہ تنبیہیں یہ تعزیریں

دھواں اٹھے تو سمجھو شعلہ بھی ہوگا بلند اس سے
نمایاں خود بخود آہوں سے ہو جاتی ہیں تاثیریں

اُدھر انگورہ و کابل اِدھر بغداد اور دہلی
وہ سب رحمت پیمبر کی یہ سب اُمت کی تقصیریں

وہاں توحید کی باتیں یہاں تثلیث کی گھاتیں
وہ سب مومن کی میراثیں یہ سب کافر کی جاگیریں

امان اللہ خاں اور مصطفےٰ کو دیکھ لو جا کر
نہ دیکھی ہوں اگر اسلام کی غیرت کی تصویریں

عجب کیا ہے کہ شردھانند بھی اک دن مسلماں ہو
لہو اسلام کا ٹپکے اگر کافر کا دل چیریں

بادل میں بجلی

جنگ طرابلس

ہماری دعا کا اثر دیکھ لیجے | حریفوں کو زیر و زبر دیکھ لیجے
جہاں ابرِ ظلمت نظر آ رہا تھا | وہاں مہر ہے جلوہ گر دیکھ لیجے
خدا نے جو چاہا تو پاپائیوں کو | ملے گی نہ راہ مفر دیکھ لیجے
ہلانے کو ہیں آ کے امت کے سر پہ | کوئی دم میں پاپا چھور دیکھ لیجے
خرلنگ رو ما کیا چاہتا ہے | جہنم کا عزم سفر دیکھ لیجے
یہ کہتی ہے اٹنا کی آتش فشانی | سقر میں کسی کا مقر دیکھ لیجے
مہادیو جی کی تو سن لی کہانی | اب اللہ کا کر و فر دیکھ لیجے
نہ دیکھی کبھی ہو جو بے پر کی اڑتے | تو رائٹر کی برقی خبر دیکھ لیجے
نہ ہوں بدگماں آپ رائٹر سے ہرگز | کہ ناقل ہے یہ معتبر دیکھ لیجے
نہ دیکھا ہو انور کو سنوسیوں میں | تو بجلی کو بادل کے گھر دیکھ لیجے
گرجتے ہوئے رعد کو لیجے سن | چمکتا ہوا شیر نر دیکھ لیجے

کہا ہنس کے پاپا سے اس نازنیں نے — کہ لونڈی کو بھی اک نظر دیکھ لیجے

اٹھا سایہ سرکار کا میرے سر سے — پڑی ہوں میں ترکوں کے گھر دیکھ لیجے

جھپٹ کر دبوچا مجھے چاہتا ہے — کوئی حجت منتظرہ دیکھ لیجے

کلائی کو دیتا ہے جھٹکا یہ ظالم — لچکتی ہے میری کمر دیکھ لیجے

ہیں تم پر تصدق یہ مہر عقیقی — ہے کندہ بنام دگر دیکھ لیجے

لڑی جارج پنجم سے قسمت ہماری — خزف بن گیا ہے گہر دیکھ لیجے

مسلمان و انگریز ہندوستاں میں
ہیں مانند شیر و شکر دیکھ لیجے

خروش مسلم

ہے سودا جب سے لیلائے خلافت کا مری سر کو
جنھوں نے حشر کا میداں بنایا ہو مرے گھر کو

مجھے اس وقت دھوکا سا زمیں پر آسماں کا ہے
ستمگاروں نے ڈالا جب سے زنداں میں یہ اختر کو

حرم میں بھی جب اس کا آشیاں ہو جائے خاکستر
گلہ بجلی سے کیا پھر ہند میں ہو گا کبوتر کو

زمیں تھرا گئی آوازۂ اللہ اکبر سے
خروش مسلم شوریدہ سر آتا ہے تندر کو

جلایا اس نے مردوں کو باذن اللہ قم کہہ کر
جگایا اس نے ایک آواز میں ہندوستاں بھر کو

لگا دی سب کے دل میں ایک ساتھ اس نے لگن اٹھ کر
ملایا اس نے مالا بار کی سرحد سے خیبر کو

مسیحیت مسلمانی سے ٹکرائی تو ہے لیکن
کسی نے آج تک شیشے سے توڑا بھی ہے پتھر کو

مرے دل میں جو دولت ہے وہ ان کو مل نہیں سکتی
وہ اس عزت سے عاری ہیں جو حاصل ہے مرے سر کو

یہ سر وہ سر ہے جس پر تاج ہے دین محمدؐ کا
یہ دل وہ دل ہے جس پہ ناز ہے خود رب اکبر کو

ڈراوا دے رہے ہیں کیا وہ ہم کو طوق و جولاں کا
پہنتا ہے خوشی سے مومن اس ایماں کے زیور کو

نالۂ مسلم

ساعت وہ آرہی ہے کہ اسلامیانِ ہند
یورپ کو اپنی آہ سے زیر و زبر کریں

گردن جھکی ہوئی ہو خدا کے حضور میں
ناموسِ دیں کے واسطے سینہ سپر کریں

بن جائیں خاکِ پاکِ حریمِ رسولؐ کی
اس کیمیاگری سے خزف کو گہر کریں

اسلام کو جو لعل و گہر کی ہو احتیاج
آنکھوں کو ناودانِ گدازِ جگر کریں

پہلے تو مُستعیں ہوں بِالصّبرِ وَالصّلوٰۃ
اس سے چلے نہ کام تو جاں کو ہدر کریں

دنیا کو پھر دکھائیں چمک ذوالفقار کی
خیبر کو اس کے بل پہ نئے سر سے سر کریں

آتی ہیں آسماں سے چل کر وہ قوّتیں
جو مسلم اور ہنود کو شیر و شکر کریں

تم بھی اگر مدینہ میں ہم کو اماں نہ دو
پھر یا نبیؐ بتاؤ کہ رُخ ہم کدھر کریں

کس سرزمیں میں جائیں سر اپنا کہاں چھپائیں
ہندوستاں کی خاک سے ہجرت اگر کریں

وہ تاج جو حضور نے بخشا تھا چھن چلا
اب کونسی کلاہ کو ہم زیبِ سر کریں

ہوتی نہیں ہے ظلم کی بنیاد استوار
اہلِ جفا خود اپنی روش سے حذر کریں

مٹ جائیں گے وہ خود نہ خلافت اگر رہی
یہ لوگ کاش غور اس اک نکتہ پر کریں

نغمۂ حریت

جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس پشاور میں

تازہ انصار کا آئین مواخات کرو
زندہ اسلاف کی دیرینہ روایات کرو

سرنگوں ہونے نہ دو ملت بیضا کا علم
روشن آفاق میں اللہ کی آیات کرو

مسجد و منبر و محراب کا کھینچو نقشہ
محو نقش ہبل و نائلہ و لات کرو

لیں اگر نام پیمبر کا ادب سے ہندو
ان کی دلجوئی کرو ان سے مواسات کرو

لیکن اس ذات گرامی سے نہیں ہو پرخاش
تو مری طرح انہیں نذر مکافات کرو

صاف کہہ دو نہیں ہم کم کسی بات میں کم
کسی انگریز سے جس وقت ملاقات کرو

تم ہو آزاد غلامی نہیں دیتی تمہیں زیب
پارلیمنٹ سے دب کر نہ موالات کرو

آئے لندن سے کمیشن تو اسے منہ نہ لگاؤ
جس میں اسلام کی عزت ہو وہی بات کرو

مغربیت اور اس کے تمدن پہ مٹے جاتے ہو
دیکھو اپنے عمل اور فکر مکافات کرو

اپنے ہاتھوں سے گلا کاٹ رہے ہو اپنا
دشمن غیر کی ناحق نہ شکایات کرو

پاس خیبر بھی ہے اور اس میں علیؓ مسجد بھی
دور کیوں جاتے ہو مر جب یہیں بات کرو

دیکھنا چاہتے ہو کفر کو سر بسجود
بندگی اپنے خداوند کی دن رات کرو

پشاور ۳ دسمبر ۱۹۲۷ء

احرار

اگر اک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوئے
تو وہ اس عہد میں پنجاب کے احرار ہوئے

خیل باطل سے اگر برسرِ پیکار ہوئے
تو وہ اسلام کے جانباز رضاکار ہوئے

پردۂ موت سے نکلے گی حیاتِ جاوید
کہ مسلمان شہادت کے طلبگار ہوئے

جس نے ڈھایا تھا کبھی ظلم کی بنیادوں کو
پھر مسلمان اسی جذبہ سے سرشار ہوئے

ہڈیاں جن کی ہیں چونہ تو لہو ہے گارا
قصرِ آزادیٔ کشمیر کے معمار ہوئے

کیوں نہ ہوں آج اس اخبار کے گھر گھر چرچے
جس کے اوراق کی زینت یہ اشعار ہوئے

خروش سروش

اللہ کا جو دم بھرتا ہے   وہ گرنے پر بھی ابھرتا ہے
جب آدمی ہمت کرتا ہے   ہر بگڑا کام سنورتا ہے

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

او مسلم کیوں دلگیر ہے تو   کیوں غم کی بنا تصویر ہے تو
اغیار ہیں خاک اکسیر ہے تو   تدبیر ہیں و[illegible]

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

ہے راہ نما قرآن ترا   اسلام پہ ہے ایمان ترا
پیغمبر ہے ذی شان ترا   نازل جس پہ ہوا قرآن ترا

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

تو پرتوِ ملّتِ بیضا ہے　　تو سایہ سطوتِ کبریٰ ہے
تو غازۂ عارضِ عقبیٰ ہے　　تو سرمۂ دیدہ دنیا ہے
اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

تو حامیٔ شرعِ پیمبر ہے　　تو ماحیٔ شیوۂ آذر ہے
تو غیرتِ خالقِ اکبر ہے　　تو برشِ تیغِ حیدر ہے
اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

بکھری ہوئی قوت تیری ہے　　سمٹی ہوئی ہمت تیری ہے
ورنہ یہ حکومت تیری ہے　　عالم کی خلافت تیری ہے
اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

تو علم کی دولت لایا ہے　　تہذیب سکھانے آیا ہے
تو جب سے جہاں پہ چھایا ہے　　دنیا کی پلٹ گئی کایا ہے
اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

اُس داغ کا نور جگر میں ہے — جو سوچ میں نہ قمر میں ہے
دیکھ آگ لگی ترے گھر میں ہے — کس سوچ میں ہے کس ڈر میں ہے

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

گلشن میں بہار ہے آئی ہوئی — گردوں پہ گھٹا ہے چھائی ہوئی
پھرتی ہے صبا اٹھلائی ہوئی — تقدیر ہے پلٹا کھائی ہوئی

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

نقارہ سجا پھر شوکت کا — نظارہ دکھا پھر حکمت کا
چھلکا دے پیالہ اخوت کا — چمکا دے ستارہ شریعت کا

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

حجازی ترانہ افغانی لَے میں

امان اللہ خاں اسلام کا پرچم اڑاتا رہ
محمد زائیوں کے نام کا ڈنکا بجاتا رہ

صلاح الدین ایوبی کو بے خود کر دیا جس نے
اسی صہبائے کیف آور کے خم کے خم لنڈھاتا رہ

تری بُلبل کا جس کے زمزمے تڑپائے دیتے ہیں
اُس آزادی کے نغمے سارے مشرق کو سناتا رہ

بہا لے جا چکی ہے جس کی رو کسریٰ و قیصر کو
نئے ریلے اسی سیلاب میں رہ رہ کے لاتا رہ

تری حکمت کے موتی ہم بھی اک دن رول ہی لیں گے
یہ گوہر ہائے غلطاں دونوں ہاتھوں سے لٹاتا رہ

کیے جا خون استعمار مغرب کی تمنا کا
مسلمانوں سے یوں ہی ہندوؤں کے دل ملاتا رہ

دیے جاؤ ڈھیل انہیں ٹھہرا رہے ہیں جو تجھے کافر
قیامت تک سر اُن کا شرم کے مارے جھکاتا رہ

تری تلوار کی تیزی کے ہر میداں میں چرچے ہیں
یہ تیزی سرکشوں کی گردنوں پہ آزماتا رہ

ہمارا خون جن محلوں کی گل کاری میں کام آئے
اُن اونچے کنگرے والوں کی بنیادوں کو ڈھاتا رہ

جواں ہے تیری ہمت اور جواں ہے بخت بھی تیرا
دعائیں ہند کی لے لے کے عمر اپنی بڑھاتا رہ

بچہ سقا کی مسند نشینی

چپ ہوئے پاپا چلے پیٹرس گم ہوئے مرقس مٹ گئے لوقا
جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

پرچم حق لہراتی جب اٹھی ملت بیضا خاک حرم سے
چشم جہاں بیں کو نظر آیا جلوہ عرب کا صحن عجم سے

چین سے لے کر تا بمراقش ہونے لگے اسلام کے چرچے
تھا کبھی جن میں کفر کا غوغا شرک کا شور اصنام کے چرچے

باج جو کل تک لیتی رہی تھی سارے جہاں کے تاجوروں سے
آہ! نکالی جانے لگی ہے آج وہ ملت اپنے گھروں سے

فتنۂ محشر سے نہیں کچھ کم حق میں ہمارے فتنہ یہ جفا
مسند کابل پہ متمکن ہونے لگا ہے بچہ سقا

تم یہ کہو گے خاک وطن کو سقوں کی یلغار نے روندا
میں یہ کہوں گا دین نبیؐ کو لشکر استعمار نے روندا

چشمِ بصیرت دیکھ رہی ہے آج وہی نظارہ مقر میں
حشر کے دن طاغوت کی امت دیکھنے والی ہے جو سقر میں
کفر کے فتوے ہاتھ میں لیکر آئے ہیں پیر و صوفی و ملّا
دینِ مبیں کی عظمت و شوکت ہونے لگی ہے غایب غلّا
اے میرے مولا دور نہیں ہے اُن سے تری تقدیر کا ڈنڈا
گاڑ دے ان کی قبر پہ یارب غازی امان اللہ کا جھنڈا

نالۂ شبگیر!

خلافت پر فدا ہونے کو سب دیں دار بیٹھے ہیں
گئے زنداں میں فاخر ماجد اب تیار بیٹھے ہیں
وہ ہم پر جبر کرتے ہیں ہم اس پر صبر کرتے ہیں
وہ گر باکار ہیں ہم بھی نہیں بیکار بیٹھے ہیں

خوشی سے کاٹ لیجے شوق سے زیبِ سناں کیجے
لئے سر ہاتھ میں دیں کے علم بردار بیٹھے ہیں

یہ مانا ہم کبھی جس بزم کی مسند کی زینت تھے
اب اس پر ڈٹ کے با صد کرّ و فر اغیار بیٹھے ہیں

مگر اسلام ہارے یہ نہ ممکن تھا نہ ممکن ہے
غلط سمجھا ہے یورپ ، ہم یہ بازی ہار بیٹھے ہیں

ہمارا دردِ دل کس طرح پہنچے جارج پنجم تک
کہ وہ قصرِ بکنگھم میں سمندر پار بیٹھے ہیں

شہنشہ کیوں نہیں اپنی رعایا کی خبر لیتے
کہ سب اپنے وطن کی خاک سے بیزار بیٹھے ہیں



۲۳ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

قندھار چلو قندھار چلو

چلتی ہے جدھر تلوار چلو! چلتے ہیں جدھر سب یار چلو
بے مایہ ہو یا زر دار چلو! دریائے اٹک کے پار چلو

قندھار چلو قندھار چلو

تقدیر عرب کہتی ہے جہاں تدبیر عجم رہتی ہے جہاں
بل کھاتی ہوئی بہتی ہے جہاں دنیا کے ہوکی دھار چلو

قندھار چلو قندھار چلو

پھر فطرت شور مچاتی ہے اور سوتے ہوؤں کو جگاتی ہے
ہلمند سے کان میں آتی ہے تلواروں کی جھنکار چلو

قندھار چلو قندھار چلو

جذبہ نہ ہو کم آزادی کا بھرتے رہو دم آزادی کا
لہراؤ علم آزادی کا اور کرتے ہوئے یلغار چلو

قندھار چلو قندھار چلو

داڑھی میں چھپا اسلام نہیں ٹوپی سے ڈھکا اسلام نہیں
اس طرح ملا اسلام نہیں دم ہے تو مجاہد وار چلو
قندھار چلو قندھار چلو

---

۲۴ جنوری ۱۹۲۹ء

سیوائے ہوٹل مسوری میں طبلہ پر تھاپ

نہرو اور مہرو

(ایک پر لطف ڈراما)

سی آئی ڈی کی پہلی روح :-

جواہر لال نہرو لکھنؤ سے چل کے آیا ہے
امان اللہ خاں کے نام کچھ پیغام لایا ہے
پٹھانوں اور انگریزوں میں ڈلوانے کو کھنڈت ہے
دیو چاچا ہے اس کو بڑا بے ڈھب یہ پنڈت ہے
کسی صورت سے اسے سیوائے ہوٹل سے نکلوا دو
نہ نکلے گر تو ٹوپی اس کی طبلے سے اچھلوا دو

دوسری روح :-

مگر یہ بھی سمجھ لو اس پہ سب افغان بگڑیں گے — ہمارے ویسرائے کابلی پٹھان بگڑیں گے
کہیں گے حضرت طرزی یہ اچھی میزبانی ہے — کہ کچھ بدتمیزی ہے تو کاشا بدگمانی ہے

تیسری روح :-

سنو دہلی سے ٹیلیفون کی آواز آتی ہے — ہمارے ساتھ یہ بھی شاید اپنا سر ہلاتی ہے

چوتھی روح :-

نہیں یہ تو صدا ہے حضرت خواجہ نظامی کی — جنہوں نے ہجو لکھی ہے نصاریٰ کی غلامی کی

خواجہ حسن نظامی اپنے حجرہ میں بیٹھے ٹیلیفون میں :-

اے ہم نفسو! تم کو مبارک ہو مسوری — گر رزم سے اکتائے ہو دل بزم سے بہلاؤ
رقاصی بسمل کا تماشا جو نہ خوش آئے — محفل میں کسی شوخ پری زاد کو نچواؤ
ملتی نہیں گر کوئی طرح دار پہاڑن — رنڈی کوئی اچھی سی بنارس ہی سے بلواؤ

پہلی روح :-

نہ تھا معلوم خواجہ کو کہ ہم اُن کی بات سن لیں گے — چمن میں چوری چوری جائیں گے اور پھول چن لیں گے
ابھی حکمت سے ہم عہدہ برآ ہوں گے پٹھانوں سے — لبھانا چاہیئے ان کو بنارس کے ترانوں سے
ادھر ہوٹل کے کمروں سے نکالو جا کے نہرو کو — ادھر لے آؤ پچھواڑے سے اک نوخیز مہرو کو

محفل رقص و سرود

نغمۂ مبارک باد

سوری میں طرزی کا آنا مبارک — حضوری میں ہندی کا گانا مبارک
ترازو ہوا تیر امان اللہی کا — دلِ ہند کو یہ نشانہ مبارک
مسلمان ہندو گلے مل رہے ہیں — وطن کو یہ اچھا زمانہ مبارک
پٹاری اناروں کی کابل سے آئی — جو بیمار ہیں اُن کو کھانا مبارک
جو ہنستا ہے مغرب تو روتا ہے مشرق — ہنسانے سے بڑھ کر رُلانا مبارک
سلامت رہے جارج پنجم کی دولت — اور اس کا دل آرا فسانہ مبارک
دعا ہے کہ ہوں ایک دہلی و کابل — محبّت کی پینگیں بڑھانا مبارک

سب ردیفیں ملکہ منیلسو ستی ہیں :-

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی !

---

۲۶ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

قصائد

و

اشعار مدحیہ

مولانا سیّد محمّد داؤد غزنوی

قائم ہے ان سے ملّتِ بیضا کی آبرو　　　اسلام کا وقار ہیں داؤد غزنوی
رجعت پسند کہنے لگے ان کو دیکھ کر　　　آیا ہے سومنات میں محمود غزنوی

کلکتہ میں اک اور بھی ہیں ان کے ہم لقب
یہ ہست غزنوی ہیں وہ ہیں بود غزنوی

کلکتہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۸ء

مولانا عبدالقادر قصوری

قبلہ عبدالقادر ان احرار کے سردار ہیں
آج جو پنجاب میں حق کے علم بردار ہیں

جن سے ہے اسلام کی محفل کی رونق برقرار
جن کی ملاحی سے آزادی کے بیڑے پار ہیں

سر کٹاتے ہیں رسول اللہ کے ناموس پہ
قید ہونے کے لئے آمادہ ہیں تیار ہیں

ان کی قلت کی چھڑی سے رہ گئے ہیں ٹوٹ کر
ہند میں جتنے طلسم اندک و بسیار ہیں

فقر میں بھی ان کے آتی ہے نظر شانِ غنا
بلکہ دامن گیرِ رسمِ احمدِ مختار ہیں

زر بکف ہونا بڑا آسان ہے اس دور میں
سر بکف ہونے کے منصب لیکن بہت دشوار ہیں

لاہور
۱۳ جنوری ۱۹۲۸ء

سر علی امام

سروں کے ذکر پر اک دوست نے سوال کیا
کہ اس گروہ میں کچھ لوگ نیک نام بھی ہیں
میری نظر میں تو سب سر ہیں نفس کے محکوم
اور اس کے ساتھ ہی سرکار کے غلام بھی ہیں
دیا جواب یہ میں نے کہ ان کو کچھ نہ کہو
اسی گروہ میں سید علی امام بھی ہیں

مے مجاز نہ پینے کا عہد باندھ کے اب
شکست توبہ میں سرگرم اہتمام بھی ہیں

---

۲۰ دسمبر ۱۹۲۹ء

چودھری افضل حق

وٹ کے کونسل میں کھڑا جس وقت افضل حق ہوا
حق کی ہیبت چھائی ایسی رنگ باطل فق ہوا

مجلسِ وضعِ قوانین کا بہار آرا چمن تھا
اُس کے ایک اُچھیر سے اک وادیٔ لق و دق ہوا

جافرے وی مانٹ مورنسی کی ستی گم ہوئی
اُن کے ہر چٹکو کی منطق کا کلیجہ شق ہوا

جس نے جھوٹوں کی خوشامد کی وہ ٹھہرا عقل مند
جو نہ سچی بات سے جھجکا وہی احمق ہوا

صوفیوں کا دعویٔ عشقِ پیمبر ہے کہاں
کوئی پوچھے کیا وہ اُن کا نعرۂ ہو حق ہوا

وقت پر کام آئے آخر کو یہی ڈاڑھی منڈے
اور ہمارا ہی مطیعِ ایام کا ابلق ہوا

میرے اس دعوے کے ہر ہر جملہ کا ایک ایک حرف
مولوی احمد علی کے وعظ سے مشتق ہوا

لاہور ۱۱ اگست ۱۹۳۶ء

احرار لدھیانہ

رسول اللہ کا فرماں ہے پنبل کوڈپر فالب — میرے قانون کا ٹھینگا ہے اس آئین کے سر پر
ہمارے دم سے ہے پنجاب کی ہنگامہ آرائی — کہ رونق ہے فلک کی ماہ اور پروین کے سر پر
جلا کر راکھ ڈالے گی ستّے کی حکومت کو — وہی بجلی جو منڈلاتی تھی قسطنطین کے سر پر
محافظ دین کے سرفروش ہیں یا علی بھائی — اساس شرع محکم ہے انہیں دو تین کے سر پر
امن اللہ ہی تھا جس نے گوگل کو بھی تڑپایا — یہ کالا ناچ سکتا ہے فقط اس بین کے سر پر
دعائیں ہم نے دیں اُس کو فرشتوں نے کہی آمین — علم ہے سربلند اس کا اسی آمین کے سر پر
ہوا اسلامیوں میں جذبۂ حبِ وطن پیدا — تو اس جذبہ کا سہرا ہے اسی مسکین کے سر پر
خدا وہ دن کرے صدقہ میں پیغمبر کی عزت کے — کہ رکھوں تاج دنیا کا میں تاج الدین کے سر پر

مسلمانوں کا مستقبل ہے روشن لدھیانہ میں
کہ ہے بارِ امانت سید یٰسین کے سر پر

---

۱۹ فروری ۱۹۲۹ء

یٰسین رہے ؟

قصیدہ

بروز شنبہ مطابق ۶ اپریل سنہ ۱۹۰۱ء کیمپ لنگم پلی واقعہ ضلع ورنگل میں نواب سر وقارالامرا بہادر صدر اعظم دولت آصفیہ کے سامنے پڑھا گیا۔

کچھ عجب شان سے اس مرتبہ آئی ہے بہار
کہ گل و لالہ سے ہے دامن گلچیں کہسار

جس طرف دیکھئے سبزہ کی لگی ہے محفل
جس طرف دیکھئے ہے سنبل تر بادہ گسار

جس طرف جائیے گردش میں ہے جام و مینا
جس طرف سنئے عنادل کے ترانے ہیں ہزار

اثر نامیہ سے ہے غازہ روئے گل تر
سبزہ کی زلف کا شانہ ہے صبا کی رفتار

لڑکھڑاتی ہوئی آتی ہے صبا مستانہ
خواب نوشیں سے ہوا ہے ابھی سبزہ بیدار

تاڑ کہتا ہے کہیں سر وسے میں بہتر ہوں
نسترن مجھ کو کہاں پائے گی ہے دعوئ خار

ہر طرف شاہد قدرت ہی نہیں جلوہ فروش
گرم انسان کا بھی ہے ایک طرف کو بازار

جشن برپا ہے بڑی دھوم سے اک جنگل میں
غلغلہ عیش کا ہے اور مسرت کی پکار

کس لئے آج مرتب ہے یہ بزم زیبا
کس لئے آج ہے یہ عیش و طرب کا اظہار

روکش صحن چمن آج ہے کیوں ساحت دشت   آج کس شخص کا جنگل میں لگا ہے دربار
کونسی بزم ہے یہ کون ہے اس کا ساقی   کون یہ قافلہ ہے کون ہے اس کا سالار
ہے یہ وہ بزم کہ ہر ذرّہ ہے جس کا خورشید   ہے یہ وہ بزم کہ ہر مست ہے جس کا ہشیار
ہے یہ وہ بزم کہ دولت کو ہے جس پہ نازش   ہے یہ وہ بزم کہ اقبال کو ہے اس سے وقار
ہے یہ وہ بزم کہ اس سے ہوا جنگل منگل   ہے یہ وہ بزم کہ اس سے ہوا صحرا گلزار
ہے یہ وہ بزم کہ فانوس ہے اس کا گردوں   ہے یہ وہ بزم کہ شمع اس کی ہے خورشید نثار
بزم جمشید کے قصے تو چلے آتے ہیں   مگر اس بزم طرب زا کی انوکھی ہے بہار
کیوں نہ اس بزم کو ہو فخر خود اپنے اوپر   جبکہ اس بزم کے ہیں باعث زینت سرکار
ہے یہ وہ بزم کہ سرکار ہیں جس کے ساقی   ہے یہ وہ قافلہ سرکار ہیں جس کے سالار
داور ذی حشم و جاہ وقار الامراء   نیر برج شرف جن پہ سعادت ہے نثار
مہبط فضل خداوند و فیض یزداں   معدن لطف و کرم مخزن جود و ایثار
جن کا شیوہ ہے کرم لطف ہے آئین جن کا   جن کا احسان ہے چلن اور مروّت ہے شعار
ہوئے پنجشنبہ کے دن بلدہ سے نہضت فرما   اس ارادے سے کہ چندے رہے سیر اور شکار
کیوں نہ تھک جائے شب و روز کی محنت سے دماغ   مستقل کام سے کیسے نہ پڑے طبع پہ بار
سر بھی ہے متقاضی کہ ملے کچھ تو فراغ   دل بھی ہے متمنی کہ ملے کچھ تو قرار
اک نہ اک وقت ہو تفریح و تفرج بھی ضرور   اک نہ اک وقت ہے لازم رہے انسان بیکار

جمعہ کے روز ہوئے وارد لب گم پلی — ان کے قدموں سے بنا صفحۂ ہاموں گلزار
خبر آئی یہ اسی روز ہوا ہے گارا — سن کے فرمانے لگے ہوں گے ابھی ہم بھی سوار
ابھی سورج نہ ڈھلا تھا کہ سواری نکلی — فتح و نصرت ہوئی ہمراہ رکاب سرکار
دیکھ کر اس کی جھلک خیرہ ہوئی چشم فلک — چھپ گیا چہرۂ خورشید پہ بادل کا غبار
رشک سے گرد ہوئی ابلق ایام کی چال — شوخیاں اپنی دکھاتی جو چلی لیل و نہار
غرض اس شان سے پہنچے وہاں باجاہ و خدام — جہاں منعم کو یہ دعویٰ تھا کہ ہوں میں سردار
دامن کوہ میں کرتا تھا فلک سے باتیں — اک شجر جو کہ بلندی میں تھا رشک اشجار
گود میں اپنے لئے تھا وہ مچان اک اونچا — جس کو خدام نے پہلے سے کیا تھا طیار
نردباں اس پہ لگا کر ہوئے رونق افروز — اور دیا حکم کہ ہوں ہانکنے والے طیار
شور اب دف کا ہوا لوگ لگے چلانے — گونج اٹھے غلغلہ سے دشت و جبل وادی و غار
چیختا تھا کوئی اور چرخی گھماتا تھا کوئی — خالی بندوق کا کرتا تھا ہوا میں کوئی وار
سن کے یہ شور عجب کھلبلی جنگل میں پڑی — اڑے طاؤس کہیں اور کہیں تیہو و سار
شور محشر کا جو ہنگامہ بپا تھا ہر سو — شیر گھبرا کے ہوا نیند سے آخر بیدار
غار سے وہ بصد انداز خرامان نکلا — جھومتا جاتا تھا مستانہ تھی اس کی رفتار
دامن کوہ سے جھاڑی میں نکل کر پہنچا — اور قضا نے کیا سرکار سے اس کو دوچار
مطمئن ہو کے جو سرکار نے سر کی بندوق — اس نے بھی آنکھ اٹھا کر انہیں دیکھا اک بار

گولی بندوق سے نکلی تھی اجل کی داعی
ملک الموت مگر اوج ہوا پر تھا سوار

جا کے پہلو میں لگی اور گرایا اس کو
مثل پیکانِ قضا ہو گئی سینے کے پار

گرتا پڑتا وہ چلا اور گیا چند قدم
پتھروں میں وہ چھپا جا کے میانِ کہسار

ملک الموت نے چھوڑا نہ وہاں بھی پر لیے
جان سرکار کے اقبال پہ کی اس نے نثار

لوگ کہتے تھے یہی شیر ہے زندہ اب تک
زخم ہیں چند لگے پر نہیں کوئی بھی کار

روز ہے روز اگر اور اگر رات ہے رات
تو نہیں زندہ بچا شیر یہ بولے سرکار

ہیں جو کپتان رسالے کے وہ اور افضل خاں
ڈھونڈنے اس کو چلے ہاتھی پہ ہو کر کے سوار

غلغلہ چار طرف بن میں دوبارہ اٹھا
شور پھر دف کا مچا اور پڑی ہانکے کی پکار

سرِ بنا دیق کہیں چھپیا دشٹیا نے
نہ کہیں اس کو سکون تھا نہ کہیں اس کو قرار

شور اتنا ہوا لیکن نہ کراہا تک شیر
غل مچا اتنا مگر اس نے نہ لی ایک ڈکار

پھر تو سب لوگ لگے فرطِ طرب سے کہنے
کہ نہیں شیرِ ژیاں زندہ بچا ہے زنہار

واقعی مردہ وہ ایک کھیت میں ملا ڈھونڈنے پر
قول سرکار کی تصدیق ہوئی آخر کار

ناز تھا اپنے تہور پہ شجاعت پہ جسے
اس کی جرأت کا نہ باقی رہا کوئی آثار

الغرض کیمپ میں لائے اسے باشوکت و شان
سبز شاخیں تھیں کفن اس کا تو پتے تھے مزار

کھال کھنچ گئی اس کی پئے پابوسی
رہ گیا اس کی فقط ہڈیوں کا اک انبار

عرض سرکار سے کی میں نے مبارک باشد
یہ شکار اور شکار ایسے ہی شیروں کے ہزار

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد
رہین باد دولت و اقبال سلامت سرکار

اپریل ۱۹۰۱ء

مرکزی خلافت کمیٹی

نقشہ کھینچا جب کہ میں نے شوکت اسلام کا
گرد میرے سامنے بہزاد اور مانی ہوئے

کی رسول اللہ پہ قربان اپنی جان جب
زینت اورنگ قسطنطنیہ عثمانی ہوئے

ہے خلافت سے ارادت با یہ نازش جنہیں
صاحب ایماں بروئے نص قرآنی ہوئے

اڑ کے آؤ اے ابابیلو! کہ بیت اللہ میں
ابرہہ کے جانشیں وقف ستم رانی ہوئے

کیا قیامت ہے کہ خود یثرب میں فرزندان کفر
ملت بیضا کے آئینہ کی حیرانی ہوئے

برق بنکر اپنے خرمن کو دیا خود ہم نے پھونک
آپ ہم اپنے لئے اسباب ویرانی ہوئے

جن کو کہتے ہو شریف اس سے تو اچھے ہیں رذیل
دوست سمجھا تھا جنہیں وہ دشمن جانی ہوئے

کفر کی ظلمت میں نور اسلام کا مسلم نہ ڈھونڈ
وسوسے تیرے سے تجھے وجہ پریشانی ہوئے

ہے تمنا موت کی اسلام میں معیارِ صدق — دہر میں باقی وہی رہتے ہیں جو فانی ہوئے

زندگی کی بھاپ کے بننے میں اب کیا دیر ہے — جب ہمارے دیدہ و دل آگ اور پانی ہوئے

ساحلِ ہندوستاں پہ کچھ غلامانِ رسولؐ — خاک بوسِ بارتِ ایوانِ سلطانی ہوئے

چند مسلم جن کے دل میں ہے تڑپ اسلام کی — بمبئی میں اس مبارک کام کے بانی ہوئے

بن گئے مخدومِ ملت خدمتِ اسلام سے — اس میں سیٹھ احمد ہوئے یا سیٹھ چھوٹانی ہوئے

چند نکتے ہیں یہ حاضر ورنہ مجھ پر منکشف — لکھتے لکھتے بے شمار اسرارِ حقانی ہوئے

اور بھی کچھ شعر ہو جاتے مگر آکر مخل

عالمِ اشراق میں آزادؔ سبحانی ہوئے

سرحد کی شیرنیاں

سرحد کی مجاہد خاتونو! اللہ کی تم پر رحمت ہو
وہ غیرت حق کی حرکت تھی جس حرکت کی تم برکت ہو

احسان کی تم تصویریں ہو ایمان کی تم تفسیریں ہو
جنت ہے تمہارے پاؤں تلے تم راز حیات ملت ہو

اے پردگیاں! جہلا میں تم کر گئیں پیدا ذوق یقیں
برہان حجاب اس دنیا میں عقبیٰ میں دلیل رویت ہو

اسلام کا نقشہ کھینچ دیا اس نخل کو خوں سے سینچ دیا
جو دہر کے سر کافر کیلئے اک پھولتی پھلتی آفت ہو

کوہاٹ میں جو کچھ تم نے کیا لاہور میں ہم سے نہ ہو سکا
یوں کہنے کو دنیا کہدیگی ہم مرد ہیں اور تم عورت ہو

---

۲۷ مئی ۱۹۳۲ء

اپنا نظم

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ مدراس کے اجلاس ۱۹۰۱ء میں پڑھی گئی۔

کیوں نہ ہو آج کی محفل کا نرالا انداز — اس کا ساماں ہے ابھی شوق ہے جس کا پرواز
اس کے ہاتھوں پہ نمایاں ہے اس جوش کا رنگ — جس سے اسلام کا عالم میں ہوا تھا آغاز
قالب علم میں اس بزم نے پھونکی وہ روح — جس پہ دلی کو تھا فخر اور تھا بغداد کو ناز
ان کمالات و فضائل کے بیاں چھیڑے ہیں — نہیں جن کے کبھی قسمت میں رہے چھیڑ و طراز
جلوہ آرا وہ حقیقت ہے یہاں آج کے دن — دے گیا جس کی خبر عہد گذشتہ کا مجاز
شکر صد شکر کہ ہم خواب گراں سے جاگے — للہ الحمد کہ ترقی کا کھلا ہے ہم پہ راز
گئے وہ دن کہ تھے ہم مست شراب غفلت — گئے وہ دن کہ جہالت تھی ہماری دمساز
گذرا وہ عہد کہ تھے ہم وہ در پیچ ایام — گیا وہ دور کہ دنیا تھا اپنا ہمساز
قوم خوابیدہ نے اسلامیاں کی گردش کی — آئی تا کامل کے گلشن کی طرف سے آواز
بانگ الست قدم حزیں نغمہ یہ آخر کب تک — ہو ادا ہم سے تو عیش میں ہنگامہ تمام
ہاں وہ دن تھا کہ شیوہ تھا ترا ناز و غمزہ — اب یہ دن ہے کہ ہیں تیرے عجز و نیاز

کل جو شہباز تھی وہ دوسری قوموں میں عصفور — آج عصفور ہے جو دوسری قوموں میں شہباز

گر حکومت ترے ہاتھوں میں نہیں باقی نہ سہی — نہیں یہ بات کسی کی جو رہے سر افراز

دولت و حکمت و بیداری و ہمت سیکھی — چھین سکتا نہیں تجھ سے کوئی عز و ناز

تھا عجب طرح کا پنہاں اقبال با آوازیں — اس میں مطلب سے فزوں شمع تھا عجب سوز و گداز

سنتے ہی جس کو ہر اک شخص کے دل پر تھا — اور شکستہ پروں کو ہوا شوق پرواز

ہم پہ ہیں سید مرحوم کے بے حد احسان — جن کا ممکن نہیں اتمام بس ہے وہ آغاز

کس طرح شکر ادا اس کی عنایات کا ہو — وقت ہے مختصر اور اپنی حکایت ہے دراز

اس کی تقریر ہوئی غازۂ رخسارۂ سحر — اس کی تحریر ہی سرمۂ چشم اعجاز

اس نے سمجھایا ہمیں کسب فضائل کا لزوم — اس نے جتلایا ہمیں [illegible] حرفت کا جواز

اس نے ثابت کیا ہم پر کہ بغیر از تعلیم — کبھی حاصل نہیں ہو گا ہمیں اصل اعزاز

یہ اسی شخص کا صدقہ ہے کہ اب ہم کچھ کچھ — ہیں سمجھنے لگے دنیا کا نشیب اور فراز

یہ اسی شخص کی کوشش کا اثر ہے کہ یہاں — آج یہ بزم مرتب ہے بصد زینت و ساز

اے خوشا بخت کہ اس دن ہیں یہاں ہم بھی آج — یہ ہجوم فضل و ہنر و علم و زباں سے ہے بہ ناز

غلغلہ آج ہے برپا اسی اخوت کا یہاں — تھا کبھی جس کے لئے شہرۂ آفاق حجاز

ایسے عالم میں نہ کیوں ہو یہ آہنگ دعا — اگر اس طرح ہیں سب ساز سے ہم نغمہ طراز

اے خدا اے شہ دو جہاں کاشف اسرار غیوب — جس سے مخفی نہیں انسان کے دل کا کوئی راز

قوت الٰہی سی عطا کر تو مسلمانوں کو   اور کر یاد و گمان پہ در حکمت باز

علم آئینہ اگر ہو تو سکندر ہم ہوں
ہوں سلیماں جو محمود تو ہو مسلم ایاز

سنہ ۱۹۲۰ء

گاندھی

بردولی سے پہلے

گاندھی نے آج جنگ کا اعلان کر دیا   باطل سے حق کو دست و گریبان کر دیا
سر رکھ دیا رضائے خدا کے حریم پہ   خنجر کو پھر حوالۂ شیطان کر دیا
ہندوستاں میں ایک نئی روح پھونک کر   آزادیٔ حیات کا سامان کر دیا
دشمن اور دوست میں ہونے لگی تمیز   کتنا بڑا یہ ملک پہ احسان کر دیا
دے کر وطن کو ترک موالات کا سبق   ملت کی مشکلات کو آسان کر دیا

شیخ اور برہمن میں بڑھایا وہ اتحاد — گویا انہیں دو قالب و یک جان کر دیا
اوراقِ جبر و جور و جفا کو بکھیر کر — شیرازۂ سلطنت کا پریشان کر دیا
ظلم و ستم کی ناؤ ڈبونے کے واسطے — قطرہ کو آنکھوں آنکھوں میں طوفان کر دیا
تن من کیا نثار خلافت کے نام پر — سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیا

پروردگار نے کہ وہ ہے منزلت شناس
گاندھی کو بھی یہ مرتبہ پہچان کر دیا

گاندھی

بردولی کے بعد

گاندھی سے اس بہانے ہوئے گر کو آزاد — دستِ فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
خود اس ندا نے قوم کو چھ سال کے لئے — سرکارِ ذی وقار کا مہمان کر دیا
قسمت نے ڈال کر اسے قیدِ فرنگ میں — ہندوستان کے جسم کو بے جان کر دیا
جس وقت ہی اس کے ملک کی حالت بدل گئی — انسان نے اپنے آپ کو حیران کر دیا

تنگی کسب معیار کا سبب   پیدا کہیں تفیشہ [illegible] ستان کر دیا
جان سخن جس سے ہو گئی خطرہ میں مبتلا   شدھی نے سنگھٹن کے رخنہ در ایمان کر دیا

ایمان نے آ کے شعلۂ غیرت کو دی ہوا   روشن چراغ دودۂ عثمان کر دیا
عثمانیوں کے خنجر خارا شگاف نے   یورپ کے کافروں کو مسلمان کر دیا
دین حق کے مہر و شرف کے نور کو   تہذیب حاضرہ کو لرزان کر دیا
مشرق کو زندہ کر نہیں سکتا خدا بھی آج   مغرب نے اس عقیدہ کا بطلان کر دیا
اس فتح نے زمانہ میں جس کی نہیں نظیر   سارے جہاں کی عقل کو حیران کر دیا
پھر یاد یہ کیا ہے کہ اپنی ہی فتح نے   اہل وطن کو سر بگریبان کر دیا
کس سمت سے ہوا یہ چلی جس نے یک بیک   دانشوران ہند کو نادان کر دیا
کیا سوچ کر انہوں نے جو کھوئے سلطنت   [illegible] کو کاسۂ [illegible] بان کر دیا
اپنے کئے پہ آپ پشیمان ہو گئے   اپنے چمن کو آپ بیابان کر دیا

واحسرتا کہ ہند کی آپس کی پھوٹ نے
خالی حریف کے لئے میدان کر دیا

اسلامی یونیورسٹی

یقیں ہے حل ہی ہو یہ عقدۂ دشوار ہو جائے ... ذرا ساقی کی چشم مست اگر ہوشیار ہو جائے

کرے گر قوم کی عرض آصفجاہ سادس سے ... ادھر بھی اک نظر لطف قوم کے غمخوار ہو جائے

بنایا ملک کو سیج کیا تیری نگاہوں نے ... خزف جس کے اثر سے گوہر شہوار ہو جائے

سرور انگیز تیرا بادۂ ایثار و احساں ہے ... پلا اتنا کہ محفل مست اور سرشار ہو جائے

تیرا وابستۂ دامن دولت جب علی گڑھ ہے ... تو امداد کو طیار کیوں عصر بار ہو جائے

اگر جنبش میں آجائے کہیں گوہر فشاں تیری ... مسلمانوں کی یونیورسٹی تیار ہو جائے

اگر یہ عرض پہنچے میر محبوب علی خاں تک

تو بروقت مسلمانوں کا بیڑا پار ہو جائے

یکم فروری ۱۹۱۱ء

لاجپت رائے کی یاد میں

مٹا کرتی ہیں جس عزت پہ قومیں — ہے اس عزت کا ساماں لاجپت رائے
وطن پہ جان دو تم بھی اسی طرح — ہوا جس طرح قرباں لاجپت رائے
بڑی مشکل سے ملتا ہے یہ رتبہ — نہیں ہوتا ہے آساں لاجپت رائے
وہ محفل رو رہی ہے اس کو جس میں — رہا برسوں غزل خواں لاجپت رائے
ہمیں مدت سے یاد آیا کرے گا — ترا ایک ایک احساں لاجپت رائے

ہمارا نامہ ہے آزادیٔ ہند
اور اس نامہ کا عنوان لاجپت رائے

---

۲ دسمبر ۱۹۲۸ء

بہارستان

حصّہ دوم

کاتب عبدالجبار [illegible]

سیاسی نظمیں

کاتب عبدالمجید حسرت گونڈوی

ہندوستان

ناقوس سے غرض ہے نہ مطلب اذاں سے ہے
مجنوں کو عشق لیلیٰ ہندوستاں سے ہے

تہذیب ہند کا نہیں چشمہ اگر ازل
یہ موج رنگ رنگ پھر آئی کہاں سے ہے

ہے ایشیا کی گرمی ہنگامہ کا یہ راز
رونق ہمارے شہر کی ایک اس دکاں سے ہے

ہندوستاں کی قدر مرے دل سے پوچھئے
جو ذرہ آپ کے تو قیاس و گماں سے ہے

ذروں میں گر تڑپ ہے تو اس خاک پاک سے
سورج میں روشنی ہے تو اس آسماں سے ہے

فردوس گوش ہو گئی آواز اہل دل
زینت ہماری بزم کی اردو زباں سے ہے

پیک فضا میں یہ غلط اندازیاں کہاں
چھوٹا یہ تیر ہند کی بانکی کماں سے ہے

شمارہ صبح ۹ دسمبر ۱۹۱۶ء

خطاب بہ برطانیہ

نہ سوویٹ سے نہ ایراں کے کج کلاہ سے ڈر — مگر ستم زدہ ہندوستاں کی آہ سے ڈر
نہ ڈر فرانس کی تیغوں کی خوں فشانی سے — مگر ہماری دعا ہائے صبح گاہ سے ڈر
نہ ڈر جناب اسزوراس کے عتاب سے لیکن — نبی کی غصہ میں ڈوبی ہوئی نگاہ سے ڈر
الگ الگ سے یہ بل سلے ہیں اب آکر — دل اور عقل کی اس تازہ رسم و راہ سے ڈر

جو عقل ہے تو سن ان مخلصانہ باتوں کو
جو ہوش ہے تو ہمارے اس انتباہ سے ڈر

احرار پنجاب اور نمائندگان کشمیر

ہمارے مشوروں کی قدر کیا کشمیر والوں کو
ہمارا حال ہے جن کی نظر میں عبرت ماضی

وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ آپ ہی محتاج درماں ہو
تو کس کام آئے گی کشمیریوں کے اس کی نباضی

رعایا ہاتھ کیوں پھیلائے اٹھ کر غیر کے آگے
پڑے کار اگر آنے لگے راعی کی فیاضی

خدا کا حکم ہے تم اپنی حالت آپ ہی بدلو
خدا کی جو رضا ہے بندہ اس سے کیوں نہ ہو راضی

ہمارے گھر کا جھگڑا ہے ہم آپ اس کو چکا لیں گے
میاں بی بی جب راضی تو پھر کیوں دخل دے قاضی

---

۲۱ - اکتوبر ۱۹۳۱ء

کانگریس اور حکومت کی صلح

"ایک خیال"

ہندوستاں غلام تھا آزاد ہوگیا — اُجڑا ہُوا یہ باغ پھر آباد ہوگیا

بلبل قفس سے اُڑ گئی پر تولتی ہوئی — قید اس قفس میں آج سے صیاد ہوگیا

اہلِ وطن رہا ہوئے قیدِ فرنگ سے — جس نے سُنا یہ مژدہ وہ دل شاد ہوگیا

برطانیہ کا جبر کیا جس پہ ہم نے صبر — ہندوستاں کے امن کی بنیاد ہوگیا

دہلی میں خون ہوگئی لندن کی آرزو — دفتر اس اقتدار کا برباد ہوگیا

چرچل نے جب سُنا کہ رہی کانگرس کی جیت — گرمِ فغان و نالہ و فریاد ہوگیا

گاندھی کہ سرکشوں کے سر اس نے جھکا دیئے — اس فن میں اس زمانہ کا استاد ہوگیا

نقشِ وفا بنا شہدائے وطن کا خون
اِس خون سے صلح نامہ یہ جب صاد ہوگیا

منیم جی

ہے اس عقیدے پہ ہند قائم کہ رام بھی ہے رحیم بھی ہے
ادھر الف واؤ میم بھی ہے ادھر الف لام میم بھی ہے

بندھا ہوا پیٹ پر ہے پتھر مگر ہمالے سے سر ہے اونچا
میں ہوں مسلماں وضع میری جدید بھی ہے قدیم بھی ہے

سزا گناہوں کی دے چکا ہے جزا پشیمانیوں کی دیگا
کہ منتقم ہے خدا ہمارا مگر غَفُوْرُ الرَّحِیْم بھی ہے

جب آئے ہم جیل میں تو ہم پر کھلا کہ یورپ ازل کے دن سے
دروغ گو بھی ہے حیلہ جو بھی کمینہ بھی ہے لئیم بھی ہے

اگر ہم آزاد ہیں تو جنت غلام اغیار ہیں تو دوزخ
یہ جاں سے پیارا وطن ہمارا بہشت بھی ہے جحیم بھی ہے

چمن میں فصل گل آ رہی ہے خزاں کے ایام جا رہے ہیں
کرشمہ گستر ہیں لالہ و گل تو نکہت افشاں نسیم بھی ہے

وہ پیسہ پیسہ کا چندہ دن میں لنگوٹیوں سے حساب لیگا

لنگوٹی والا ہمارا گاندھی مہاتما بھی منیم بھی ہے

یکم اکتوبر ۱۹۳۰ء ———— بحق فرنگ تحریراتِ پنجاب

پرچمِ ہند کی اُڑان

میری طرح بُری نہیں اٹھ وہ پولس کے کھائے کیوں

بیٹھ کے ولی راہ کے ساتھ شیخ سپٹے نہ چبائے کیوں

قیدِ فرنگ و بندِ زیست فرق سے بے نیاز ہیں

موت سے پہلے آدمی جیل سے باہر آئے کیوں

ضبطِ فغاں سے ہے ہم نفس جبرِ فرنگ کا جواب

دعویٰ ہو جسے درد سے تلملائے کیوں؟

جب کہ جنوں کے خون کا داغ پیرہنِ سنگ ہے

پھر وہ نقدِ لب میں رنگ تعصبانہ لائے کیوں

ٹوڈیوں کی ہر الٹ دلیل جب کہ ہے خس سے بھی ذلیل
بیچ کے گول میز پہ دینے لگے وہ رائے کیوں

علت مفلسی میں جب ووٹ بھی ہم نہ دے سکیں
جیل میں بھیج کر یہ ناچ آپ نے پھر نچائے کیوں

مستتر اس حجاب میں شرم ہے ہر گناہ کی
ریش دراز کا حجاب چہرہ سے شیخ اٹھائے کیوں

دودھ پلانے کیلئے بیوی ہے گھر میں جب دودھیل
لالہ جی پھر خرید کر گاؤں سے لائے گائے کیوں

جس کے قدم کی خاک ہو سارے جہاں کی سجدہ گاہ
غیر کے آستانہ پر جا کے وہ سر جھکائے کیوں

برہمن اور شیخ کے دل ہوں اگر ملے ہوئے
ظالم نئے نئے ستم آئے دن ان پہ ڈھائے کیوں

ہے رگ جاں کی شرمسار چشم ہند کی اڑان
جو نہ پلا سکے یہ ڈور وہ یہ پتنگ اڑائے کیوں

ابر طلسم انقلاب سارے جہاں پہ چھا گیا
ہند پہ بھی یہ ابر تر جھوم کے چھا نہ جائے کیوں

شہیدانِ وطن

شہیدانِ وطن کے خونِ ناحق کا جو ست نکلے
تو اس کے ذرہ ذرہ سے بھگت سنگھ اور دت نکلے

چڑھا ایمان میں منصورِ انا الحق کہہ کے سولی پہ
مزا جب ہے کہ تارِ ہند سے ایسی ہی گت نکلے

مسلمانوں نے کتنے نوجواں اب تک کئے پیدا
جو آزادی کے گہوارے میں پا کر تربیت نکلے

خدا حافظ مسلمانوں کے اقبال اور دولت کا
خدا کے شیر بھی نکلے تو شیر آغا صفت نکلے

حقوقِ مسلمیں کے کچھ محافظ چل دیئے لندن
مگر وہ بھی پرستارانِ کیشِ عافیت نکلے

نثار اُن پہ عالم سوز پہ سو جان سے ہے محفل
کہ جس کوچہ میں جا نکلے حریفِ مصلحت نکلے

رسولؐ اللہ کا ہم گاڑ دیں جھنڈا ہمالہ پہ
ہمارے بازوؤں سے گر یداللّٰہی سکت نکلے

۱۲ اپریل ۱۹۳۱ء

خدا کی بے آواز لاٹھی

سدرلینڈ اور اس کا ظلم اگر نابود ہو جائے
تو کشمیری مسلمانوں کا دل خوشنود ہو جائے

مسلمانوں کو ملا کر خاک میں کیا اسکی خواہش ہے
کہ ذرہ ذرہ اس اقلیم کا بارود ہو جائے

کوئی ان ناخدا ترسوں سے پوچھے کیا قیامت ہے
کہ کشمیر چمن کا پیرہن بھی خون آلود ہو جائے

بخاری کی زباں سے گر حدیث قادیاں سن لو
عجب کیا ہے تمہاری عاقبت محمود ہو جائے

خدا کی شان ہے اک ریزہ چیں خوان انصاری کا
گدائی کرتے کرتے مہدی موعود ہو جائے

نکالا جائے گر کشمیر سے مرتد قادیانی کو
تو باب فتنہ اپنے آپ ہی مسدود ہو جائے

شہیدان وطن کے خون ناحق کے تصدق میں
عجب کیا ہے غلامی کا نشاں مفقود ہو جائے

خداوندا مسلمانوں کے رسوا کرنے والوں میں
کوئی مخذول ہو جائے کوئی مطرود ہو جائے

خدا کے بھولنے والوں کا حشر اس وقت کیا ہو گا
وہ لاٹھی جس کی ہے بے آواز گر موجود ہو جائے

لاہور ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء

مغربی تہذیب کے پتلے

سنو اچھی طرح اے مغربی تہذیب کے پتلو — کہ ہم اتنا ہی ابھریں گے دباؤ گے ہمیں جتنا
سنبھل کر تم اسے لگانا ہاتھ صاحب نازک — کہیں محشر نہ بن جائے یہ عورت ذات کا فتنہ
پکڑ کر انگلیاں سنگینیں کہاں تک جیں کی سینوں میں — ذرا ہم بھی تو دیکھیں ان بازوؤں میں ہے دم کتنا
وہ چنگیزی یہ انگریزی وہ قہر یہ زہریلی — ہلاکو اور دیجودین کی فطرت میں ہے فرق اتنا

جئیں گے کب تک آخر بال ہی پہ ناچنے والے
چھڑا لے ناف کے تا تا دے آہنگ اذا امتنا

۱۰ جولائی سنہ ۱۹۳۰ء

چاؤنگی آمد و شد سائمن

نوحۂ وفاکیشانِ اسمبلی

سر محمد اقبال :-

سائمن آں کہ بدیں شہر دو بار آمد و رفت
دلبرے بود کہ مارا بکنار آمد و رفت

راجہ نریندر ناتھ :-

باز لاہور از آفاتِ خزاں شد پامال
حیف در گلشنِ پنجاب بہار آمد و رفت

سر منوہر لال :-

بشنواز چاکِ گریباں کہ چساں در کفِ ما
تلّے از زلفِ حسن بوئے نگار آمد و رفت

ترانۂ احرار

صبحِ امید کہ از زاویۂ غیب دمید
خبر آورد کہ ہمہ شب تار آمد و رفت

بہ عزیزانِ وطن برسد گنجِ پنجاب — مژدگانے کہ زبرطانیہ یار آمد و رفت

باش تا بشنوی از حلقۂ رندانِ جہاں

کہ دگر بار زبوں آمد و زار آمد و رفت

۲۸۔ مارچ ۱۹۲۸ء

مشقِ ناز

ترا رسد کہ جہاں نے بہ ترکتاز کشی — گہے عراق کشی و گہے حجاز کشی

ہوئی تمام رعایا تباہ اور برباد — کہاں سے سیکھی ہے محمود نے ایاز کشی

یہ کہہ رہے ہیں ملیبار اور جلیانوالہ — کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی

مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

سر جان سائمن کا دوسرا مقاطعہ

سائمن صاحب کے استقبال کا وقت آگیا
جاگ اے لاہور اپنے فرض کو پہچان کر

ان کے رستے میں کری آنکھیں بچھانی ہیں ہمیں
تو بھی اے خونِ جگر چھڑکاؤ کا سامان کر

چین خود لینگے نہ ان کو لینے دیں گے ایک دم
گھر سے اے پنچایتیو نکلو یہ پیمان کر

ریل سے اتریں تو کالی جھنڈیاں ہوں سامنے
جن کے اندر زخم گہرے ہو سینہ اپنا تان کر

تجھ کو اے پنجاب اگر کچھ بھی ہے پاس آبرو
اپنی اس عزت پہ اپنی جان کو قربان کر

طالب العلموں کے خونِ گرم کے ولولے
جوش میں آزادی کا برپا آتشیں طوفان کر

نوجوانوں کو پلا جامِ شرابِ زندگی
مشکلیں زندان و دار و شام کی آسان کر

کٹ کے بیگانوں سے مل جا یار کا تو ہو سکا
لارڈ برکن ہیڈ کو نرگس کی طرح حیران کر

ہر قدم پر کمیشن کا مستقل بائیکاٹ
طول دے کر سال بھر تک اس کا اعلان کر

۱۲ اکتوبر ۱۹۲۸ء

مسلمانوں کا سیاسی زاویہ نگاہ میں ۱۹۱۲ء

تجھ سے اے ترکی ہمارا یہ قرار اعزاز ہے
تو ہمارے واسطے سرمایۂ صد ناز ہے

ہم اگر بے دست و پا ہیں تو ہے خضر دستگیر
ہم اگر بشکستہ پر ہیں تو پر پرواز ہے

گو نجی تھی محفلِ عالم کبھی جس ساز سے
تو اسی ساز بلند آہنگ کی آواز ہے

سبز گنبد والے آقا کا ہے تو جاروب کش
جس کی رحمت امت مرحوم کی دمساز ہے

نام ہے قائم گر اب تک دہر میں اسلام کا
سرورِ کون و مکاں کا یہ بھی اک اعجاز ہے

آئی ہے اٹلی کی شامت موت ہے سر پر سوار
اس لئے کھولے ہوئے اپنا دہاں آز ہے

عشق لندن دل میں ہے سودا سر میں استنبول کا
ہم مسلمانوں کی ہستی کا یہ اصلی راز ہے

پاپ کی ناؤ

تجھے کیا سناؤں میں ہم نشیں مرے غم کا قصہ طویل ہے
مرے گھر کی لٹ گئی آبرو ہوا جب سے غیر دخیل ہے
نئے عہد کی ہیں یہ برکتیں کہ ہے بھائی بھائی میں دشمنی
وطن عزیز اسی لئے تو زمانہ بھر میں ذلیل ہے
ہیں نئی روش کی عدالتیں ہیں نرالے ڈھنگ کے فیصلے
نہ نظیر ہے نہ دلیل ہے نہ وکیل ہے نہ اپیل ہے
ہیں کسی کے پاؤں میں بیڑیاں تو کسی کے گھر کی ہیں قرقیاں
نگہ عتاب ہے تیغ فرنگ کا جسے دیکھئے وہ قتیل ہے
ابھی وہ دباؤ نہیں پڑا جو ڈبوئے پاپ کی ناؤ کو!
انہیں پاپ کے کہہ دو اسی لئے تمہیں اتنی دی گئی ڈھیل ہے

بدعہدی کا آسمانی خمیازہ

پرستارانِ باطل اس لیے مجھ پہ بگڑتے ہیں — کہ سچی بات کیوں میں نے بلا خوف و خطر کہہ دی
گنائے میں نے کیوں احسان امان اللہ غازی کے — جتائی میں نے کیوں دنیا کو نادر خاں کی بدعہدی
مسلمانو! تم ان شطرنج کی چالوں کو کیا جانو — بڑھایا مہرہ شیر آغا نے برکن ہیڈ نے شہ دی

یہ سب کچھ ہو چکا لیکن زباں پر بات آتی ہے
کہ شرح کاں مستولا ہے اپنے عہد کا عہدی

---

۲۱ دسمبر ۱۹۲۹ء

سالِ نو کا ہنگامہ

سنہ ۱۹۳۲ء

برطانیہ کی چھڑ گئی ہندوستاں سے جنگ
حالانکہ اس سے جنگ ہے سارے جہاں سے جنگ

گیتا سے اور گرنتھ سے زور آزمائیاں
قرآن کی آیتوں کے قشونِ گراں سے جنگ

ارجن کے اور بھیم کے گھر سے مقابلہ
پھر خاندانِ سرورِ کون و مکاں سے جنگ

توحید کے علم کو جھکانے کے حوصلے
جو قدسیوں کے ہاتھ میں ہے اس نشاں سے جنگ

سرحد کے غازیوں کو کچلنے کی نیتیں
بچے سے جنگ بوڑھے سے جنگ اور جواں سے جنگ

صلح و سلام و امن و اماں جس کی ہے متاع
غارتگروں کی ٹھن گئی اس کارواں سے جنگ

برق اور دخاں پہ کیوں نہ ہو ایماں خندہ زن
کرنے چلی ہے آج زمیں آسماں سے جنگ

ہے زیردستیوں پہ زبردستیوں کی تاخت
موران نیم جاں کی ہے پیل دماں سے جنگ

دھاوا سپاہِ جبر کا ہے خیلِ صبر پر
توپ اور تفنگ کی ہے قلم اور زباں سے جنگ

ہم ناتواں ہیں بھی ہے خدا تو ہمارے ساتھ
اب بھی وہ کر رہے ہیں تو کریں ناتواں سے جنگ

ذرّہ کے ساتھ جنگ ہے جنگِ آفتاب سے
خفاش کی عبث ہے شہِ خاوراں سے جنگ

آزادی کا بگل

بدلی ہے زمانے کی ہوا تم بھی بدل جاؤ
ہاتھ آ نہیں سکتا ہے گیا وقت سنبھل جاؤ

حدت مگر اس درجہ رہے خوں میں کہ موسم
گر برف کے سانچے میں بھی ڈھالے تو پگھل جاؤ

محنت کے بلا خیز سمندر کے نہنگو
سرمایہ کی مچھلی کو سموچا ہی نگل جاؤ

آزادیٔ کامل کا علم ہاتھ میں لے کر
میداں میں بجاتے ہوئے ایماں کا بگل جاؤ

ہے آٹھ پہر سے نئی تہذیب کی بارش
رستہ میں ہے کیچڑ کہیں اس میں نہ پھسل جاؤ

حیراں ہیں مغرب کے کفن چور کہ مردے
چلاتے ہیں قبروں میں کہ مشرق سے نکل جاؤ

برطانیہ کی بھیڑ سے کچھ بن نہ سکیں گے
اے ٹوڈیو چھینے تم انہیں پٹ کے بل جاؤ

یکم جنوری ۱۹۳۱ء

اِنقلابِ ہند

بارہا دیکھا ہے تو نے آسماں کا انقلاب
کھول آنکھ اور دیکھ اب ہندوستاں کا انقلاب

مغرب و مشرق نظر آنے لگے زیر و زبر
انقلابِ ہند ہے سارے جہاں کا انقلاب

کر رہا ہے قصرِ آزادی کی بنیاد استوار
فطرتِ طفل و زبانِ پیر و جواں کا انقلاب

صبر والے چھا رہے ہیں جبر کی اقلیم پر
ہو گیا افسوس وہ شمشیر و سناں کا انقلاب

چٹکلے دو چھوڑ اور چرچل کا قصّہ پاک کر
تو نہیں بھولا امان اللہ خاں کا انقلاب

سمن زرنگ گجرات
یکم مئی ۱۹۳۰ء

شیخ و برہمن

اکثریت اگر اسلام کی پنجاب میں ہو — تو وہ کہتے ہیں کہ خطرے میں ہے تہذیبِ ہنود
اُن کے نزدیک ہے پنجاب فلسطیں گویا — آ گھسے جس میں مسلمان ہیں مانندِ یہود
جن کو لازم ہے کہ بن کر رہیں اُن کے غلام — یا کہیں بھی نظر آئیں نہ تہِ چرخِ کبود
جو لہو اُن کے پسینے کی جگہ ٹپکائیں — کیا قیامت ہے کہ اُن کو وہ سمجھتے ہیں حسود
وطنیت یہی اُن کی ہے تو ہم سمجھیں گے — کہ وہ ہیں عبد اور انگریز اُن کا معبود
جن کو توحید سے ہے سیزدہ صد سالہ عناد — جن کے حق میں ہے خطرناک مسلماں کا وجود

اے خدا برہمن و شیخ کے جھگڑے کو چکا
اور اٹھا ہند کی دیرینہ غلامی کی قیود

---

۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء

درسِ عبرت

اک نیا درس دیا گردشِ دوراں نے مجھے
دی ہے دعوت اگر اس مرتبہ زنداں نے مجھے

میرے ایماں کی فراست نے جتایا مجھ کو
کہ کیا بے سر و ساماں مرے ساماں نے مجھے

میں اگر سوختہ ساماں ہوں تو یہ روزِ سیاہ
خود دکھایا ہے مرے گھر کے چراغاں نے مجھے

کوئی کافر مری تذلیل نہ کر سکتا تھا
مرحمت کی ہے یہ سوغات مسلماں نے مجھے

سربلند اب بھی مجھے دیکھ رہی ہے دنیا
تو عطا کی ہے یہ طاقت مرے ایماں نے مجھے

سنٹرل جیل لاہور
۱۹ دسمبر ۱۹۳۱ء

طوفانِ مغرب

بہا کر لے گئی جو موج رنگ و ننگ کابل کو
خبر بھی ہے تمہیں تُم کہ وہ کس سیلِ بلا سے ہے

یہ ہے وہ مغربی طوفاں جس کی سہمگیں ٹکر
ہماری ناؤ کے تختوں کی دشمن ابتدا سے ہے

وہ چنگاری جو شعلہ بن گئی یاروں کے خرمن میں
فروغ اس کا مسیحیت کے دامن کی ہوا سے ہے

شریعت کے نگہباں پیکرِ جہلِ مرکب ہیں
مصیبت ملتِ بیضا کی اُن کی اقتدا سے ہے

دیا ہے جس پہ فتویٰ کفر کا ان روسیاہوں نے
غلامی کی اسے نسبت محمد مصطفیٰؐ سے ہے

امان اللہ خاں نے زندہ کر دی سطوتِ کبریٰ
بغاوت اسکی دولت سے بغاوت خود خدا سے ہے

وہ قوت جو ودیعت کی گئی ہے اس کے بازو میں
علیؓ مرتضیٰ کے پنجۂ زور آزما سے ہے

نہیں اس رمز کو جانا تو اب جانیں حریف اس کے
کہ اُس سے قصدِ آویزش لپٹ جانا قضا سے ہے

نہیں ہندوستاں میں کوئی بھی جو یہ نہ کہتا ہو
کہ آزادی کی امید اُسکی دولت کی بقا سے ہے

یہ چرچے ہو رہے ہیں قدسیوں میں عرشِ اعظم پر
کہ فتح اسلام کی لپٹی ہوئی اسکی لوا سے ہے

۲۹ جنوری ۱۹۲۹ء

حزب العمال

اُڑتی سی اک خبر ابھی آئی ہے تار پر
سرمایہ دار چل دیئے مزدور آ گئے

جو مطلق العنان تھے جڑ اُن کی کٹ گئی
جو کرتے تھے حمائت دستور آ گئے

پھر مژدہ اعتدال پسندانِ ہند کو
تھے اُن کی دوستی میں جو مشہور آ گئے

اِس انقلاب سے میری آنکھوں کے سامنے
جتنے بھی تھے حقائق مستور آ گئے

قیصر سے اپنی وضع کے گر مٹ گئے تو کیا
ان کی جگہ نئے نئے فغفور آ گئے

یہ فرقہ جدید بھی انگریزی ہی تو ہے
خونِ رگِ بریدہ چنگیزی ہی تو ہے

نفیرِ عام

اچھلوایا گیا اخبار پہ اشرار سے کیچڑ
برسوائے گئے احرار پہ پتھر لفنگوں سے

ضرورت کیا کہ ترکش سے نکالے غیر تیر اپنا
ہمارا سینہ چھلنی ہو جب اپنے ہی خدنگوں سے

وہ خوں رنگیں ہوا دامن ہمارا جس سے ٹپکا ہے
جنابِ حضرتِ اقبال کے دل کی امنگوں سے

مسلمانوں کو ہندو سے لڑا کر آپ کیا لیں گے
نہیں مل سکتی آزادی فسادوں اور دنگوں سے

خدا کا سایہ جب سر پہ ہو پھر خوف و خطر کیسا
خلافت کے عقابوں کو ہے کیا ربط کلنگوں سے

نہ الجھیں راہ نمایانِ وطن سے مہر اور سالک
اگر دریا میں رہنا ہے نہ ٹکرائیں نہنگوں سے

"زمیندار" ایک آپ اتنے، مگر اوجِ سیاست پر
یہ اک تکّل لڑے گا آپ کے سارے پتنگوں سے

---

٢٧ ستمبر ١٩٢٩ء

مغربی بگولا

اڑانے آئی ہے مغرب کی آندھی — بگولا بن کے مشرق کے چمن کو
ہے پیغام ایک اس کی شوخیوں کا — ہجوم لالہ و جمع سمن کو
کمیشن تازہ کرنا چاہتا ہے — پھر استبداد کی رسم کہن کو
نہیں لاتے ہیں خاطر میں یہ ٹوڈی — مری تنظیم تیرے سنگٹھن کو
مگر ہو جائے سمجھوتا ہمارا — تو بدلیں آج ہی اپنے چلن کو
اب اس میں مالوی یا مولوی ہو — نبٹنا ان سے آخر ہے ہمیں کو

خدارا اب تو چھوڑو خانہ جنگی
بچانا ہے جو ناموس وطن کو

لاہور ۱۱ نومبر ۱۹۲۷ء

چراغِ حرم

ثابت جب اپنے آپ کو خیرالامم کیا — ہم نے کیا وہ کام کسی نے جو کم کیا
تیغِ جہاں کشا سے جھکایا سرِ عجم — نوکِ سناں سے گردنِ روما کو خم کیا
گھر گھر میں ہم نے حق کی تجلی بکھیر دی — روشن گلی گلی میں چراغِ حرم کیا
پہنچا دیا پیامِ خدا ہر دیار میں — ہر ملک میں بلند نبیؐ کا علم کیا

بخشی ہمیں غلامیِ سرورِ کائنات
کتنا بڑا خدا نے یہ ہم پر کرم کیا

آئیں بائیں شائیں

پیسہ اخبار مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۱۲ء کے جواب میں

بلقانیوں کا شور ہے توپوں کی کائیں کائیں — خبریں ہیں ان کی فتح کی سب آئیں بائیں شائیں
ہوتا ہے کوئی دم میں جلالِ حق آشکار — یہ کشتگانِ غمزۂ ابلیس رہ تو جائیں
ڈالا زمیں میں ظلم سے یورپ نے زلزلہ — مسلم دعا سے پایۂ عرشِ بریں ہلائیں
ریوٹر نے اہلِ یاس کا ایماں لیا خرید! — ہم کس لیے نہ سکۂ "لاتقنطوا" چلائیں
ہیں بند سب کے سب قفسِ احتساب میں — خبریں کہاں سے نامہ نگارانِ جنگ لائیں
اس پر بھی تکّے تُک وہ لگاتے رہیں اگر — ہم آرہ انتقاد کا اُن پر نہ کیوں چلائیں
نہلائے گا غنیم کی فوجوں کو خون میں — بلغاریہ نے ترک کی دیکھی نہیں ادائیں
اک ہمدم مسلم کو غصہ ہے اس بات پر بہت — سوجھیں جو انہیں ہیں باتیں وہ سوجھ جائیں
اصرار ہے انہیں کہ جو اُسے "ویلی نا عراف" — وہ گالیاں ضروری ہی ہم اُن کی طرح کھائیں
ریوٹر بھی فتحِ ترک کی دے گر کوئی خبر — ہم اُس خبر کی شان کو اُن کی طرح گھٹائیں

قاصر ہیں گر اس سے تو ڈر ہے انہیں کہ ہم
تیورا کے بامِ قصرِ ثقاہت سے گر نہ جائیں

زمیندار ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء

سیاسیاتِ عالیہ

بس کہ تھا تثلیث عنوانِ دینِ قسطنطین کا — پڑھ گیا آ کر سبق انگورہ میں والتین کا
یک بیک انگورہ کے انگور کھٹے ہو گئے — لومڑی سے رشتہ ہے دیرینہ قسطنطین کا
کہہ دو آغا خان سے اب لاٹھی ہی کچھ کام آئیگی — بھینس کے آگے ہے بے مصرف بجانا بین کا
وائے ناکامی کہ چشمے تیل کے سوکھے تمام — لے کے لایڈ جارج جب دوڑے کنستر ٹین کا
نام حسرت سے لیا کرتے ہیں کرزن ان دنوں — مرو کا شیراز کا تبریز کا قزوین کا
صوبۂ سرحد کہ بے آئیں کہتے ہیں اسے — بن گیا آئینہ دار اسلام کے آئین کا
وہ تھی ایسٹر جس میں ایکٹر ہو امان اللہ خاں — کیوں نہ لطف آئے مسلمانوں کو اس سین کا
جوش میں غیرت سوالِ ہاشمی کی آ گئی — مشرق و مغرب میں اب ڈنکا بجے گا دین کا
جب دعا مانگی یہ مسلم نے کہ ہو ترکوں کی فتح — پہنچ گیا غل عرش پر چاروں طرف آمین کا

مغل پورہ

مسلمانوں کی قربانی کا ثمرہ مل گیا اُن کو
حکومت جھک گئی پنجاب میں اسلام کے آگے

ہوئیں تسلیم بے چون و چرا اتنی بجانے میں
شرائط ہم نے جتنی پیش کیں حکام کے آگے

کیا وہ کام جب ہم نے خدا خوشنود ہو جس سے
ہوئی دنیا کی گردن خم ہمارے نام کے آگے

سپر انگریز نے ہندوستاں میں ڈال دی آخر
بصد زاری خدا کے آخری پیغام کے آگے

لاہور ۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء

بلند شہر کا مجسٹریٹ اور مظلوم مہابیر تیاگی

اک سرپھرے انگریز نے جب بر سرِ اجلاس
لگوائے پیادوں سے مہابیر کو چانٹے

اتنا بھی نہ شملہ کی حکومت سے بن آیا
اس اپنے نمائندۂ انصاف کو ڈانٹے

جس روز کہ بکھرے گئے انصاف کے پھول
برطانیہ کے رستے میں بوئے گئے کانٹے

اس ظلم پہ اس جور پہ جو چپ ہے یہ بیداد
عدل اور مساوات کا بھی فلسفہ چھانٹے

اچھا ہے کہیں اس سے تو لندن کا وہ اندھا
پھر بیٹھ کے من چاہے جو انہوں کا بھی باندھے

ہندیا، ۲۲، اکتوبر ۱۹۲۱ء

ہمہ اوست یا ہمہ از اوست

جو صورت کہ عیاں ہے — سب نقش ہیں یا ساقی ہیں
آئینہ ہیں کہ اک دل ہے — یا عکس ہیں یا ساقی ہیں
بادہ کا ساغر یا ہو — یا شیشہ یا ساقی ہیں
کیوں اس رنگ میں گم ہوں — کہ جام و مینا و ساقی ہیں

دیکھئے ہم بھی کیا ہیں
دیکھئے تو سب ساقی ہیں

ترک اور اطالوی

خدا کا جو غضب تھا اٹلی پہ نازل
دیا [illegible] نے مسلمانوں کو [illegible]

کیا جس نے خون بے گناہاں
دیا ہے جس نے ٹھیکہ شور و شر کا

یہ ہے ترکوں کو سمجھے جس نے ظالم
بتایا ہے کہ جس نے [illegible] کا

گھمنڈ اپنے جہازوں پہ ہے جس کو
نہیں بھولا ہے جو آئین المفر کا

دیا اس کو خدا نے طرفہ ذلت
[illegible] ہو گیا عثمانی کے [illegible]

ہوا پامال میں جب سے نہ ایسا
کہ پھر اسلام کو تازی [illegible] کا

مقدر ہے مراد صبر کی لذت
خدا اس کو گھاٹ کا سمجھو نہ گھر کا

یہ دنیا حق ہے سجن المومنین ہے
یہی ارشاد ہے خیر البشر کا

ہوا اٹلی پہ نازل قہر یزداں
نہیں شکوہ دعا کو اب اثر کا

لگے جو یاں ہیں کشتوں کے پشتے
نمونہ بن گیا ہے وہ سقر کا

جہاں الغرض اُس کا دکھایا ہے | یہ پہلا وار ہے دورِ قمر کا
چھپائیں سانپ جو بل میں دبکے ہوئے | مزہ دیکھ لو اُنہیں نے چکھا اپنی شر کا
کیا جیتے جی سے اُس کا اُلٹی پیام | اُدھر کا اب ہو گئی یا اُدھر کا
دولت معلوم ہو نا جب تب | پڑا تفرقہ تمنا کا اور ستمگر کا
ہوا ہے نا تمام استفسار کو جب | خدا نے بیاہ سے نہ دور اور زر کا
لٹیسے کا لیا سلطان ہے اُلٹی | تھا اُلٹا کیا شغال اور شیر نر کا
ہلا اسے جو ہے ظلمی کوئی دشمن | پھریرا نصرت و فتح و ظفر کا
فرشتے ہیں مددگاران اسلام | یہ نشاں ہے دعا ہائے سحر کا

خدا انگلوں کی فرمائے گا امداد
تصدق احمد مرسل کے در کا

مالوی جی کی سیوا میں نویدن

حکومت التجاؤں سے کبھی حاصل نہیں ہوتی
کوئی اللہ کا بندہ یہ کہہ دے مالوی جی سے

گھی کبھی سیدھی انگلی سے نہ نکلا ہے نہ نکلے گا
چپڑنا چاہتے ہیں اپنے پھلکے آپ جس گھی سے

رزولیوشن کہاں تک پاس کرتے ہم چلے جائیں
یہ چکی کانگرس بیٹھی ہوئی کس وقت تک پیسے

نہیں ملتی ہے جلسوں اور تقریروں سے آزادی
جو ملتی ہے تو ملتی ہے چپتی دھپتی سے

کبھی تو بول بالا ہے جواہر لال نہرو کا
اور اُن سے آ ملے ہے ویسا ہی اک لٹ گاندھی جی سے

وہ گوکل کا گوالا تو ہے بیشک بانسری والا
یہ کہتا ہے کہ بھینس اپنی جو ہانکے اُس کو لاٹھی سے

۶-نومبر ۱۹۲۸ء

علی باباکی نعش

اس نظم کے پہلے شعر میں دو نام یا تشبیہیں ہیں۔ ایک علی بابا جو الف لیلہ کے قصے میں ہے۔ اس نظم کے علی بابا مولانا محمد علی ہیں۔ مرجینا الف لیلہ کے علی بابا کی وہ وفادار لونڈی تھی جس نے چالیس چوروں کا خاتمہ کپّوں کے اندر تمام کیا تھا۔ یہاں مرجینا کا کردار گویا مولانا محمد علی کی جوں قیادت ہی سے ہے جو ماہر مادر ان ہند کو ختم کر کے ابھر رہی ہے مسلمانوں کے افتراق کا تیل ان کے سر پر ڈال کر ان کو جلا دینا چاہتی ہے۔ دوسرے شعر کا قافیہ محمد علی جینا ہیں اور مراد ہے مولانا محمد علی جو پنجاب میں ہیں اور مولانا محمد علی اور ان کے رفقا نے روشن تحریک دنیا میں تحریک کی ناکام کوشش کی۔

کہا ہے پیر اودا نے یہ خطر الوس کے سچنے
تو انتظار ہے علی بابا کی اس نعش کی مرجینا

پتنگ احرار کا یا کر بسمل اتا شریا کی
نہ کچھ کاٹے روشن تقدیریں آکر جینا

سبق ملتا ہے سب کی ٹولی سے لیڈروں کی پر نہ
اگر ایسا ہو یہ منظور ہو سب مال و زر جینا

انہیں کو شوق چھین نے سیدھی کا ریب تیا ہے
جنہیں آتا ہو سر کرنا تھیں سردار پر جینا

کفن مرے لئے ہیں [illegible] — اب یہ کہ حق ہی آیا ہے ادھر مرنا ادھر جینا

[illegible] کیا ہو گیا [illegible]

[illegible] کی طرح [illegible] جینا

۱۳ دسمبر ۱۹۲۹ء

قانونِ وقت

حق کا نہ کر اظہار کہ قانون یہی ہے — [illegible] اظہار کہ قانون یہی ہے

خود مکتب وقت ہے [illegible] بلانوش — منہ سے نہ کر انکار کہ قانون یہی ہے

ہے جرم یہ جس کا کہ خدا ایک ہے اس کا — ہو گا وہ گرفتار کہ قانون یہی ہے

دعا سے جو [illegible] سامنے [illegible] — بن نقش بدیوار کہ قانون یہی ہے

پھٹ جائے جو دل تو نہ [illegible] — [illegible] کہ قانون یہی ہے

کیڑوں کی طرح پیٹ کے بل رینگ کے ان کو — [illegible] کہ قانون یہی ہے

فتویٰ علما کا ہے کہ گاندھی کی نصیحت — [illegible] کہ قانون یہی ہے

[illegible] کو چل آگ میں [illegible] — [illegible] کہ قانون یہی ہے

کرنی ہے تجھے سیر اگر باغ گرو کی — پٹ جا سر بازار کہ قانون یہی ہے
گدی سے اتر راج کو چھوڑ اور کر اقرار — ہوں آپ ہی خطاوار کہ قانون یہی ہے
اس پردہ زنگار میں نغموں کے عوض میں — زنجیر کی جھنکار کہ قانون یہی ہے
آوارۂ منصور کو کہتے ہوئے لبیک — دوڑے رسن و دار کہ قانون یہی ہے
جینے کی تمنا ہو گر اس عہد میں تجھ کو — مرنے کو ہو تیار کہ قانون یہی ہے

گھر بار لٹانا ہو جسے حق کی طلب میں
بن جائے زمیندار کہ قانون یہی ہے

---

۲۹ جولائی ۱۹۳۲ء

خاتم جم

جس نے سو سال کا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑا
یہ وہ طاقت ہے جو پریاگ سے ہم لے کے چلے

مائل ہو کہ ہو آزاد اسے چلنا ہے اگر
مادرِ ہند کی عزت کی قسم لے کے چلے

مل گیا دولتِ گم گشتہ کا سنگم میں سراغ
ہم گدایانِ حرم خاتمِ جم لے کے چلے

ناچ گنگی کا جو چپ چاپ کو نیا نے الگ جا کے
وہی سُر اور وہی تال اور وہی ہم لے کے چلے

خالصہ جی کو یہ شکوہ نہ رہے ساقی سے
کہ ہم اس بزم سے اک بوند بھی کم لے کے چلے

ساتھ دینا ہے اس احقر کا اگر منجھ کو
تو پھر آزادئ کامل کا علم لے کے چلے

---

۱۴ نومبر ۱۹۳۲ء

شرارت کی جڑ

سب تیری سمٹی ہوئی دولت ہوئی غارت — بنتے ہی بگڑ کیوں گئی قسمت تیری بھارت
گاندھی کی بسائی ہوئی بستی ہوئی برباد — دو سال کی محنت ہوئی پل بھر میں اکارت
ہم ڈھونڈنے نکلے ہیں کھنڈر اس کے ثرای ہیں — تھی بام ثریا سے بھی اونچی جو عمارت
گر ما گئے تھے جس سے ٹھٹھرے ہوئے اعضا — باقی نہ رہی جسم کے اندر وہ حرارت
اس خون کا اک قطرہ بھی دل میں نہیں موجود — جس سے دم شمشیر کی ہوتی تھی طہارت
راہ رو تو بہت ہیں مگر ایسا کوئی راہبر — ملتا نہیں رکھتا ہو جو آنکھوں میں بصارت
دہلیز حکومت پہ سر عجز جھکا کر — لینا بہت آسان ہے قلمدان وزارت
کرتے ہو دل کو بھی تھامے یہ ہے دشوار — پیدا نہیں کرتا کوئی اس فن میں مہارت
کیوں ہند کی تقدیر نے کھایا ہے یہ پلٹا — بوجھی گئی اب تک نہ کسی سے یہ پہیلی

مسلم کی خطا ہے نہ ہندو ہی کی تقصیر
یہ سب ہے فقط ایک برہمن کی شرارت

اسیرانِ فرنگ

سر جان میفی کے کشتگانِ ناز

پیتے ہیں جیل میں چکی اسیرانِ فرنگ
آسیائے گردشِ دوراں ہے زندانِ فرنگ

جو نہ دے ان کو ضمانت قید کاٹے تین سال
کیوں نہ ہو تثلیث ہی ٹھہرا جو ایمانِ فرنگ

پاؤں میں بیڑی گلے میں تختی اور ہاتھوں میں داغ
اُمتِ مرحوم پر کیا کیا ہیں احسانِ فرنگ

آسیا کا دستہ حجت حاقۂ جولاں دلیل
اپنی منطق پر ہیں نازاں نکتہ سنجانِ فرنگ

صبح کو گو بھی سکے ڈنٹھل شام کو ابلی مسور
ہم تو ہیں اس شان سے برسوں ہی مہمانِ فرنگ

ہم سیہ بختوں کو روغن بھی ملا ہو کر سیاہ
کیونکہ ہے روغن کی زردی حصّۂ جوانِ فرنگ

نخلِ گندم نے ہیں اولادِ آدمؑ کر دیا
ورنہ کھاتے تھے چنے ہم مثلِ گاوانِ فرنگ

مجھ پہ چھٹانک آٹے میں مٹھی بھر تو ہو شملے کی دھول
ورنہ کیا یاد آئے گا اندازۂ نانِ فرنگ

ایک دن سر جان میفی سے یہ مسلم نے کہا
اے کہ اس کشور میں ہے تو مظہرِ شانِ فرنگ

کچھ خبر اس کی بھی ہے تجھ کو کہ تیرے دور میں — خلق کو ہے شکوۂ جورِ فراوانِ فرنگ
صوبۂ سرحد کے اندر اک قیامت ہے بپا — غرق اٹک میں ہو گئے سب عہد و پیمانِ فرنگ
لے کے بنوں سے پشاور تک جدھر ڈالی نظر — سب کے سب تھے خستۂ شمشیر و پیکانِ فرنگ
ان کے اندر ہندو و مسلم ہیں دونوں پائمال — ان کے خوں سے لالہ گوں ہے ستم نگرانِ فرنگ
تیرے مسلک میں ہے سنگِ راہ مغرب کانگرس — تیری نظروں میں خلافت خارِ دامانِ فرنگ
یہ بھی سوچا تو نے ہوگا اس جفا کا حشر — کب تک آخر یہ خروش و جوشِ طوفانِ فرنگ

حضرتِ سیفی نے جب باتیں یہ مسلم کی سنیں — اس طرح گویا ہوا یہ مغبچۂ مستانِ فرنگ
قول تمہارا بات اچھی طرح ہم نے سن لیا — ہم ہیں استاد اور تم طفلِ دبستانِ فرنگ
تم کو الفت جن کی کرتا ہے وہ باغی لوگ ہیں — ہندو سکھ سب حلیفانِ حریفانِ فرنگ
کانگرس کو اور خلافت کو کریں گے ہم تباہ — گر یہ دونوں رہا ہو کر غلامانِ فرنگ

یہ جواب صادق مسلم سن کے شملہ چل دیا — جس کی چوٹی پہ ہے اونچی سب سے دکانِ فرنگ
لارڈ ریڈنگ اس دکاں میں بیچنے کو آئے ہیں — ہندیوں کے ہاتھ جنسِ عدل و احسانِ فرنگ
دیکھیے مسلم کو کیا سودا یہاں آتا ہے ہاتھ — وزن قائم کس طرح رکھتی ہے میزانِ فرنگ
لاٹ صاحب نے بھی گر سرجان سیفی کی طرح — عدل کے چہرہ پہ ڈالا پردۂ آنِ فرنگ

مسلمِ شوریدہ کا یہ احسندی ہوگا پیام　　ربِ اکبر سے کرو خوف اے خدایانِ فرنگ
یوں ہی گر ہوتا رہا سرحد کی آبادی پہ ظلم
سب دھرا رہ جائے گا یہ ساز و سامانِ فرنگ

زمیندار ۲۵ جون ۱۹۲۱ء

نسلِ شغال

دردانیال سے انگریزی فوجوں کی پسپائی پہ

برطانیہ کے شیر ہیں نسلِ شغال سے
بھاگے ہیں دُم دبا کے دردانیال سے

پسماندگانِ شہدائے سمرنا

فرض شناسیٔ نظام

اے کہ اسلامیوں کے درد سے بیتاب ہے تو
جس کی تعبیر مری زیست ہے وہ خواب ہے تو

بسملِ تیری بھی ہے رقصِ کناں میری طرح
گرچہ میں ذرّہ ہوں اور مہرِ جہاں تاب ہے تو

بے کسی قوم کی آخر تجھے تڑپا ہی گئی
کیوں نہ ہو جوشِ رگِ دودہ خطاب ہے تو

اے گدازِ جگرِ خستۂ اربابِ وفا
دلِ ملت ہے اگر کعبہ تو میزاب ہے تو

فرض اپنا یونہی عثماں علی خاں پہچان
اے کہ میرے لیے مستغنی از القاب ہے تو

اے سمرنا کی زمیں تجھ پہ خدا کی رحمت
خونِ اسلام کے چھینٹوں سے سیراب ہے تو

ارغواں پاش ترے فیض سے ہے دیدۂ تر
ریزشِ اشک کو سرمایۂ عنّاب ہے تو

عرش تھرائے نہ کیوں فرش لرز جائے نہ کیوں
آہ تیرا ہے تو گریۂ پنجاب ہے تو

آلِ عثماں کی عزت کی حفاظت کی طرف
کسی تیمور کی غیرت کی عناں تاب ہے تو

تختۂ یونان کا الٹ کفر کے بیڑے کو ڈبو
جیسے خود خوں کے سیلاب میں غرقاب ہے تو

۲۹ جولائی ۱۹۲۱ء

کربلا الٰہ آباد میں

سید عالی گہر حق پر فدا ہو ہی گیا — اے الٰہ آباد تو بھی کربلا ہو ہی گیا
جرم اتنا تھا کہ کیوں اسلام کی تلقین کی — پا بہ زنجیر اس پہ یہ مرد خدا ہو ہی گیا
تو اے فاخر حسینؓ ابن علیؓ کی یادگار — درد تیرا تیری ملت کی دوا ہو ہی گیا
روزہ رکھا اور قید کاٹ اور ساتھ ہی چکی بھی پیس — فرض اس انداز سے تیرا ادا ہو ہی گیا

تیشۂ یورپ سے جڑ انصاف کی کٹ ہی گئی — انقطاع رشتۂ مہر و وفا ہو ہی گیا
خوش ہو اے یورپ بر آئی تیری صدیوں کی امید — ملک قسطنطنیہ سے اب جدا ہو ہی گیا
تختۂ مشق جفا توحید والے کیوں نہ ہوں — غلبہ شرق و غرب میں تثلیث کا ہو ہی گیا
کفر نے اسلام کا بیڑا کیا ہے گرچہ غرق — ساتھ ہی اس کا بھی لیکن فیصلہ ہو ہی گیا

موت دیتی ہے مسلماں کو پیامِ زندگی   منکشف اسلام پہ رازِ بقا ہو ہی گیا
خونِ مسلم صرفِ تعمیرِ جہاں ہونے کو ہے   اک نئی دُنیا کا ساماں مہیا ہو ہی گیا

اے مسلمانو کرو دارالاماں کا عزم تم
ہم کو تسلیمِ خواجۂ ہر دوسرا ہو ہی گیا

۲۲ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

پنتھ کا چاؤ

اک سربریدہ لاش کے منہ سے بوقتِ ذبح   پیغام خالصہ کو یہ پہنچا گُر ننک کا
تجھ کو اگر ہے دعوئے الفت تو سر بکف   ننکانہ چل کے آ کہ یہ رستہ ہے پنتھ کا

بدنصیب بہرکور کی فریاد

ہز آنر سر ایڈورڈ میکلیگن کے گوشِ حق نیوش سے

بزبانِ مدیر زمیندار

امر سنگھ کی مثل پر غور کیجے — رعایا پہ احساں یہ اک اور کیجے
اگر آپ لاہور کے حکمراں ہیں — تو پھر ہور کو چشمہ کور کیجے
ہوئیں مارشل لا کی باتیں پرانی — بس اب ختم یہ جانگزا دور کیجے
دعا لیجے بہرکور کی بندہ پرور — رہا اس کے بیٹے کو فی الفور کیجے

نہ دے عدل اجازت تو پھر رحم تو ہے
غرض حل یہ مشکل کسی طور کیجے

یکم جنوری ۱۹۳۰ء

سنٹرل جیل لاہور

یومِ کرسمس

آج جن کی یہ خطا ہے کہ ذرا کالے ہیں
پی رہے اُن کا لہو جیل کے رکھوالے ہیں

کبھی کولھو کی مشقت کبھی چکی کا عذاب
جس سے ہاتھوں میں بچاروں کے پڑے چھالے ہیں

گوشت اور خون کے پُرزے ہیں جو انگریزوں نے
قیصریت کی مشینوں کے لیے ڈھالے ہیں

قید گورے بھی ہیں چوری میں مگر اُن کیلئے
جیل سرکار نے گلزار بنا ڈالے ہیں!

ہم کسی بات میں کم اُن سے نہیں ہیں لیکن
اس کو کیا کیجئے وہ گورے ہیں ہم کالے ہیں

رنگ کے فرق پہ موقوف ہے قانونِ فرنگ
یوں نکلتے نئی تہذیب کے دیوالے ہیں

ہوگئے کس لیے کونسل کے سب ارکان خاموش
وہ بھی کیا ان ستم آرائیوں کے آلے ہیں

اے خدا کیوں نہیں مظلوم کی سنتا فریاد
پڑ گئے کیا ترے دربار میں بھی تالے ہیں

سُرخ پوشوں کی زبانوں پہ ہے تکبیر کا شور
اور سینوں میں دبے نیم شبی نالے ہیں

کملی والے تری اُمت کو نہ کمل بھی ملے
ٹوپی والوں کو اڑھائے گئے دو شالے ہیں

بڑے دن کا یہی احرار کو انعام ملا
کہ زدوکوب سے چالوں کے پڑے لالے ہیں

ہو گئیں زندہ روایات احد زنداں میں
دانت ٹوٹے ہیں انہیں کے جو خدا والے ہیں

یوں ہی رونا رہا اسلام تو بہ نکلیں گے
عرش پہ جتنے مکافات کے پرنالے ہیں

نشہ ہو جائے گا دولت کا بہت جلد ہرن
کہہ دو ان سب سے جو اس نشہ کے متوالے ہیں

سنٹرل جیل لاہور
۲۵ دسمبر ۱۹۳۱ء

سر اڈورڈ گرے

وزیر صیغہ خارجہ برطانیہ

خوب جی بھر کے سر اڈورڈ گرے دیکھ چکے
ہم غریبوں کے سفینے کا ویراں ہونا

اپنے شیرازۂ ہستی کا بکھر جانا
اپنی جمعیت قومی کا پریشاں ہونا

برق تثلیث کا توحید کے گھر پہ گرنا
ظلمت کفر میں ایماں کا پنہاں ہونا

ترک کے طرۂ طرار کا جھک جھک جانا　　چاک داماں عرب تا بہ گریباں ہونا
خاک کا درنہ و طبروق کے سر پہ اڑنا　　خوں میں مشہد و تبریز کا غلطاں ہونا
مصر کے سینۂ صد چاک کے پرزے اڑنا　　ہند کے دیدۂ نمناک کا گریاں ہونا
صف ماتم ادھر ایران کے اندر بچھنا　　اور مراکش میں ادھر حشر کا ساماں ہونا
ستم ایجادی بلقان کی لکھتے ہوئے شرح　　بید کی طرح مرے خامہ کا لرزاں ہونا
یہ مسلماں ہیں اس جرم میں کردہ ہیں قتل　　دست بلقان میں یورپ کا یہ فرماں ہونا
خانماں سوختہ مسلم کی تمناؤں کا　　دشت غربت میں سراسیمہ و حیراں ہونا
خائف اتنا ہوں کہ مشکل ہے کہ گھبرا جانا　　اور مساجد میں صلیبوں کا نمایاں ہونا
کبھی جن پردہ نشینوں کا نہ اٹھا تھا نقاب　　ان کے ناموس کا بازار میں عریاں ہونا
یوں توبہ کر کے ہیں آپ کو اب یہ منظور　　جنگ کو روکنا اور صلح کا خواہاں ہونا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

قسطنطنیہ ۱۹۱۳ء

پنج گنج

(۱)

بتانِ کاشی و لاہور

ہمیں وہ فتنہ کا بانی قرار دیتے ہیں — مگر خود اپنی روش کو بسار دیتے ہیں

بتانِ کاشی و لاہور سے خدا کی پناہ — کہ رنج دیتے ہیں اور بے شمار دیتے ہیں

دروغ گو نہیں حاصل ہوا فروغ کبھی — ہم اُن کے جھوٹ کو سچ سے نکھار دیتے ہیں

وہ دھرتے ہیں یہی الزام ہم پہ لے دیکر — کہ مکہ لیتے ہیں اور ہردوار دیتے ہیں

مدینہ بڑھ کے تمہیں ہے عزیز دہلی سے — ہمیں وہ طعنہ یہی بار بار دیتے ہیں

دبا ہوا تھا جو کینے کا جذبہ سینے میں — یہ کینہ جو اُسے اُٹھ کر ابھار دیتے ہیں

کبھی رسولؐ کی توہین مشغلہ اُن کا
کبھی خدا کے خلاف اشتہار دیتے ہیں

(۲)

نامسلمانوں اور مسلمانوں کا فرق

ہیں ایک وہ کہ اُبٹنا لگا کے شُدھی کا
عروسِ کفر کا جوبن نکھار دیتے ہیں
اور ایک ہم ہیں کہ دینِ رسولِؐ اکرم کا
خود اپنے ہاتھ سے کھو اعتبار دیتے ہیں
حرم کے راہ نوردوں کی خستہ پائی کو
بشارتِ خلشِ نوکِ خار دیتے ہیں
حریمِ کعبہ میں تثلیث کا اڑے پرچم
یہ لکھنؤ سے نصاریٰ کو تار دیتے ہیں
مراد یہ ہے کہ الٹے بساطِ ابنِ سعود
ہم آپ جیت کے بازی کو ہار دیتے ہیں

(۳)

تاجدارِ دکن

دکن رہے جو سلامت یہی غنیمت ہے
وہ کب نظام کو واپس برار دیتے ہیں
وہاں بڑھی ہوئی جتنی ہو منزل جس کی
یہاں اُسی قدر اُس کو فشار دیتے ہیں

---

(۴)

محمدِ عربی کا نام سپہرِ بریں کی لوح پر

خزاں رسیدہ چمن کو طیورِ زمزمہ سنج
نوید آمدِ فصلِ بہار دیتے ہیں
فرشتے ملتِ بیضا کو آسمانوں سے
پیامِ رحمتِ پروردگار دیتے ہیں
خدا نے جس سے محمد کا نام لکھا تھا
ستاروں کو وہ قلم مستعار دیتے ہیں

(۵)

طلوعِ صبحِ اُمید کا انتظار

نبی جہاز سے طوفاں میں اپنی اُمت کو
کنارے پر بسلامت اتار دیتے ہیں
خدا کی راہ میں جو ہو کے سر بکف نکلے
اُسی کو مسندِ عز و وقار دیتے ہیں
زہے جس کی شہادت کے خوں سے ہو سیراب
اُسی کا نام فلک پر پکار دیتے ہیں
وہ تیغِ کفر کے پیکر کو جو دو نیم کرے
اُسی کو مرتبۂ ذو الفقار دیتے ہیں
کب اس کے قبضۂ جوہر نگار پر دیکھیں
ہمارے بازوؤں کو اختیار دیتے ہیں

حدیث المائدہ

از

ابوالکلام آزاد

خردمندانِ حلقۂ زندانِ ذوقِ کشی کے لئے — ہوئے ہیں ہند میں پیدا ابوالکلام آزاد
"وطن فروش" کا آوازہ اُن پہ کستے ہیں — وہی جو سمجھ نہیں سکتے کہ ہوں غلام آزاد
ہیں باغبان پورہ کے چمن کے سروِ شفیع — کہ پابگل ہے مگر اس پہ بھی ہے نام آزاد

یہ کیا غضب ہے کہ ہندوستاں غلام رہے
مگر ہوں مصر و عراق و حجاز و شام آزاد

مشہد مقدس پر روسی گولہ باری

(۱)

امام ثامن ضامن حریمش چوں حرم آمن — زمیں از عزم او ساکن سپہر از عزم او پویا
ہژبر بیشۂ امکاں نہنگ لجۂ ایماں — ولیّ ایزد منّاں علیؑ عالی اعلیٰ
نہال باغ علیّیں بہار مرغزار دیں — نسیم روضۂ لیسیں شمیم دوحۂ طٰہٰ
سحاب عدل را ژالہ ریاض شرع را لالہ — خرد بر چہر او والہ رواں از مہر او شیدا
رخش مہر فروزندہ لبش یاقوت زندہ — ازاں جان خرد زندہ ازیں نطق سخن گویا
ز جود دستش قطرۂ قلزم ز رویش پرتوے انجم — جنابش قبلۂ مردم رواقش کعبۂ دنیا
ستارہ گوے میدانش ہلال عید چوگانش — ز نعل سم یکرانش غبارے تودۂ غبرا
قمر رنگے ز رخسارش شکر طعمے ز گفتارش — بشر را مہر دیدارش نہاں چوں روح در اعضا
نظام عالم اکبر قوام شرع پیغمبر — فروغ دیدۂ حیدر سرور سینۂ زہرا
رضا بہر رضائے حق قضائے او قضائے حق — دلش از ماسوائے حق گزیدہ عزلت عنقا
ردائے قدس پوشیدہ بچشم نفس کوشیدہ — بزم انس نوشیدہ مے وحدت ز جام لا

مے از میناے لا خوردہ سبق از ما سوی بردہ　　وزاں پس سر برآوردہ ز جیب خانۂ الا

زدہ در دشتِ لا خرگہ کہ لا معبود الا اللہ　　ز کاخ نفی جستہ رہ بخلوت گاہ استثنا

ہمیں نوبادۂ آدم ہمیں پیرایۂ عالم

چو خیر المرسلیں محرم بخلوت گاہ او ادنیٰ

(۲)

ہوا جس کی ثنا میں تر زباں اس طرح قاآنی　　وہ تھا اپنے زمانہ میں بلا شک شانِ یزدانی

ابھی تک یادگار اُن کی ہے باقی مشہد میں　　مسلمانوں کو پہنچے اُس سے جو جو فیضِ روحانی

مزار اُس کا ہے مرکز خلق کے حسنِ عقیدت کا　　پہنچے ہیں وہاں مازندرانی اور خراسانی

عرب اور عجم سے مورچھل لے کر ارادت کا　　مسلماں کرتے ہیں اُس کے مرقد کی نگہبانی

قسم مامون عباسی نے کھائی جس کی حرمت کی　　نگہباں جس کی تھی عباس اعظم کی جہانبانی

جہاں جاروب کش ملکہ ہوئی ہیں کج کلاہوں کی　　ادب سے چومتے ہیں جس کو ایرانی و تورانی

وہ مرقد جس کے گنبد کی طلاکاری سکھاتی ہے　　فلک پر قرصِ خورشیدِ درخشاں کو زر افشانی

اسی مرقد کو ڈھانے آئے ہیں واحسرتا روسی　　فنا گستر ہے جن کی توپ کے گولوں کی غلطانی

نکل کر اشقیا کا لشکر آیا ہے جہنم سے　　ہے بھڑکی سینیاں ایران میں مسلم کی گرانجانی

جوان و پیر و طفل و زن ہوئے سب قتل مشہد میں
کہ گذرا سر سے کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ کا پانی

وہ روضہ جس کے خادم تھے ملائک آہ کل شب تک
سپرد ابلیس کے ہوتی ہے اُس کی آج دربانی

سر ایڈورڈ آپ کو اسلامیوں کی کیوں نہیں پروا
پریشاں کیوں نہیں کرتی تمھیں اُن کی پریشانی

مسلماں ایک ہیں اس واسطے غم ایک ہے اُن کا
حقیقت کس لیے اب تک نہیں تم نے یہ پہچانی

لگایا رُوس نے پہلوئے مسلم میں وہاں خنجر کا
یہاں لائی ہے رنگ اس زخم کی خوننابہ افشانی

ضعیفوں پر نہیں جو رحم کرتا، بد بلا اُس سے
یہ نکتہ جس میں مضمر ہیں حقیقت ایک یزدانی

عجب ناداں ہیں جن کو ہے عجب تاج سلطانی
فلک بال ہما کو پل میں بخشے ہے مگس رانی

سنہ ۱۹۱۲ء

زمیندار کی ضبطیٔ ضمانت

ہے کھٹکتا نگہِ برق میں خرمن میرا
خواب یہ ہے مگر اب دیکھیے اس کی تعبیر

جو صلے قیس کی دیوانہ سری کے نکلے
نذرِ گوش ہے لیلیٰ کو صدائے زنجیر

آج ہے ناز مجھے اپنی گنہگاری پر
میں کہاں ورنہ کہاں اُن کا خیالِ تعزیر

میں جو وابستۂ فتراک ہوا خوب ہوا
اے خوشا بخت جو کہلاؤں تمہارا نخچیر

کٹ دیئے قلب کے ٹکڑے یہ کرم تھا اُن کا
اشکِ خوں تھم نہ سکا تھی یہ ہماری تقصیر

فایدہ اس سے اگر ضبط ضمانت کرلی
کاش بتلاتے مجھے ضبطِ فغاں کی تدبیر

---

۲۵ ستمبر ۱۹۱۳ء

سُنّتِ حسینؓ

قتلِ احمد گل قافلہ سالار مہاجرین

فضائے قدس کے اندر مچا ہوا ہے یہ غل ‌ ‌ خدا کی راہ میں مارا گیا ہے احمد گل
ہے اس کے خون کی قیمت تمام ارضِ فرنگ ‌ ‌ اور اس کی جان کا فدیہ ہے کائنات یہ کل
یہ خون وہ ہے جس سے سُرخرو اسلام ‌ ‌ یہ جان وہ ہے جو ہے یادگارِ ختمِ رسل
شہید ہو کے وہ فردوس کو چلا جس وقت ‌ ‌ تو لائے اس کی سواری کو مرتضےٰ دلدل

یہ اس کے قتل کی تاریخ رو کے ہاتف نے
کہی کہ آج ہوا ہے چراغِ احمد گل

۱۴ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء

فتنۂ چکنور

شورِ بازار کی آفت نہ ٹلی تھی سر سے — کہ بپا غلغلۂ فتنۂ چکنور ہوا
آن پہنچے علما کفر کے فتوے لے کر — دین سراپردۂ اوہام میں مستور ہوا
قلمِ رحم گھسا جیب زرنباں تا بہ سناں — تیغۂ عدل چمک اٹھنے پہ مجبور ہوا
یاد آنے لگی پوتے کو روِش دادا کی — سخت گیری سے جو آفاق میں مشہور ہوا
پڑ گیا گنبدِ افلاک میں قندہار کا غل — خاور و باختر اس شور سے معمور ہوا
چند ہی دن میں یہ دن لگے کہ ملاؤں کے ساتھ — کفر کابل کی مضافات سے کافور ہوا

ٹوٹ ہی جائے گا طاغوت کی ٹولی کا طلسم
غلبۂ حق اگر اللہ کو منظور ہوا

۲۳ مارچ ۱۹۲۹ء

عہد نامہ سیورے

قدیم وضع پہ اندازۂ جہاں نہ رہا
مکیں رہے مگر اُن کا کہیں مکاں نہ رہا

زمیں پاؤں تلے سے نکلی جاتی ہے
سروں پہ سایۂ فگن تھا جو آسماں نہ رہا

ہوا ایسی یکایک چلی زمانے میں
کہ جس کے ہم تھے عنادل وہ گلستاں نہ رہا

وہ رونقیں نظر آتی نہیں خیاباں پہ
فضا وہ پہلی سی اگلا سا وہ سماں نہ رہا

نہ بوئے نسترن و یاسمین و گل نہ رہی
وہ رنگ لالہ و نسرین و ارغواں نہ رہا

خموش ہے چمنستاں کہ شاخساروں میں
خروش نالۂ مرغانِ صبح خواں نہ رہا

یہ کہہ رہے ہیں نصاریٰ کہ آج دنیا میں
کہیں بھی سطوتِ اسلام کا نشاں نہ رہا

بچا حرم بھی نہ صید افگنوں کے ہاتھوں سے
سلامت ایک بھی طائر کا آشیاں نہ رہا

بھٹک رہے ہیں اندھیرے میں قافلے والے
کہ رہبری کے لئے میر کارواں نہ رہا

دل شکستہ کو امید عافیت نہ رہی
زبانِ بستہ کو یارائے الاماں نہ رہا

کبھی زمانہ میں ڈالا تھا غلغلہ جس نے
وہ نام زینتِ عنوانِ داستاں نہ رہا

زوالِ دولتِ عثماں پہ خوش نہ کیوں ہو رقیب
کہ اک حجاب جو حائل تھا درمیاں نہ رہا

ہزار سال وہ سر پھوڑتا رہا جس سے
ہزار حیف وہی سنگ آستاں نہ رہا

گلہ ہے بخت کی نیرنگیوں سے لا حاصل
عبث ہے شکوہ کہ گنبد پہ گردگاں نہ رہا

گئی جو حاتمِ جم ہاتھ سے تو غم کیا
خدا تو سر پہ رہا گر خدائیگاں نہ رہا

فلک نے بادہ کشوں کا الٹ دیا ساغر
تو کیا حجاز کا ساقی بھی مہرباں نہ رہا ؟

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم
قضا بگردشِ رطلِ گراں بگردانیم

انتخابِ جداگانہ

یہ نظم ۱۹۲۶ء میں لکھی [illegible] لیکن ۱۹۳۲ء میں [illegible]

مذہب کی شرط کیا ہے مسلماں کے لئے
جس کے نہ ماننے سے وہ ہے موردِ عذاب

ایمان غیب پہ ہو مگر پختگی کے ساتھ
تھا اس سوال کا یہی قرآں میں جواب

اعلان کر رہے ہیں مگر مفتیانِ ہند
اس باب میں ہے تشنہ خود اللہ کی کتاب

ان محرمانِ سرِ ازل کے خیال میں
اسلام کی ہے شرط جداگانہ انتخاب

یہ شرط اٹھ گئی تو بس اسلام مٹ گیا
ہندوستاں میں خانۂ ملت ہوا خراب

ہندو سے لے لیا اگر اسلامیوں نے ووٹ — تھامے ہوئے چلیں گے وہ الحاد کی رکاب

کافر ہی کا فرائیں گے اس ملک میں نظر — وہ ہوں گے اور ان کے ستم ہائے بے حساب

فطرت میں جو ہیں شیر وہ بن جائیں گے شغال — اے ربِ کعبہ کیا ہے نرالا یہ انقلاب

کیوں ڈرنے لگ گئے ہیں بتوں سے خدا پرست — عصفور سے کرے گریز کس لئے عقاب

باطل کی کیا مجال کہ زک حق کو دے سکے — لائی ہے رات بھی کبھی نورِ سحر کی تاب

مخلوط انتخاب کہ منظور تو کرو — ہوتے ہی رائج اس کے سب اٹھ جائیں گے حجاب

تم ظلمتوں کے وہم سے ہو پیچ و تاب میں
اور سامنے ہے حق کا درخشندہ آفتاب

---

۱۱ اکتوبر ۱۹۳۸ء

زمینِ اکبر

پکالیں پیس کر دو روٹیاں تھوڑے سے جو لانا
ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

زمیں سنگلاخ اکبر نے کیسی منتخب کی ہے
کہ مشکل ہو گیا اس میں قوافی کو بٹھولانا

چلی لندن سے اک آندھی چمن میں پر اڑانے کو
غضب ہے اس میں کیں زن کا بگولا بن کے بولانا

چڑھا کنٹربری کا پادری تو اپنے منبر پہ
کدھر ہیں آپ مولانا جو تھے بالفضل اولانا

بچھائی آکر اس بت نے جفا کاری کی کچھ پپی
اور اس پہ ہم سے کہتا ہے وفاداری کی پولانا

بہایا کفر کو جس نے خس و خاشاک کی صورت
اسی دریا کی ہاں لے ناخدا پھر اک روانا

حریم مصطفیٰ کے بام و در جس سے فروزاں تھے
بہت ابتر شبستاں میں اسی مشعل کی ضو لانا

صلاح الدین نے فصل صلیبی جس سے کاٹی تھی
درانتی اس ہلال نو کی ہنگام درو لانا

کہیں ہیں جا ملا کے نعرہ سے تم کو زلزلہ دو
مرا خون گرم ہے پہلے ہی بس اس کو نہ کھولانا

۱۹۰۸ء

فریاد

ہر دل میں ہے یہ آرزو ہندوستاں آزاد ہو
یہ گھر جو ہے اُجڑا ہوا اک بار پھر آباد ہو

دنیا میں اس کا مرتبہ ہو ساری قوموں سے بڑا
جو بھی ہو اس کا فیصلہ عالم کا اس پر صاد ہو

سرمایہ داری کا عَلم ہو ایشیا میں سرنگوں
برباد استعمار ہو، نابود استبداد ہو

یہ لوز ابھی چھننے لگے بینش اگر ہو آنکھ میں
یہ قصر ابھی بننے لگے اسلام اگر بنیاد ہو

کعبے کی ساری آبرو صرفِ کلیسا ہو گئی
جب دل ہی پہلو میں نہیں پھر لب پہ کیوں فریاد ہو

۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۹ء

بیادِ میراں بخش شہید علیہ الرحمہ

یہ نغمہ عرش سے گاتا ہوا سروش آیا — کہ مے کشوں کے لیے عہدِ نا و نوش آیا
اُٹھا ہے دولتِ اسلام جس سے رنگیں تھی — پھر اک زمانہ کے بعد اُس لہو میں جوش آیا
حنین و بدر سما جائیں گے پھر آنکھوں میں — وہ دیکھ لشکرِ احرار سرفروش آیا
سیالکوٹ میں باندھے ہوئے کفن سر سے — نظر ہر ایک مسلماں سُرخ پوش آیا
ہزار سلطنتیں صدقے اُس مجاہد کے — غزا کے واسطے جو عاقبت بدوش آیا

یہ کس کے خون کے چھینٹے کرشمہ سنج ہوئے
کہ ایک قرن کے سوئے ہوؤں کو ہوش آیا

۱۰ نومبر ۱۹۳۱ء

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ

احیاءِ زمیندار

خوش ہو اے مسلم ہوئی آخر دعا تیری قبول
عرش سے فرمانِ احیاءِ زمیندار آ گیا

قدسیوں کو بھی ہوئی سن کر پیامِ تہنیت
نور کے تڑکے مبارکباد کا تار آ گیا

ملتِ بیضا کی رونق کا نکلتا ہے جلوس
سطوتِ کبریٰ کی شوکت کا علمدار آ گیا

جس کو سچی بات کہنے میں نہیں مطلق ہراس
آج میدانِ صحافت میں وہ اخبار آ گیا

اول اول غلغلہ حق کا کیا جس نے بلند
وہ مساوات اور حریت کا سزاوار آ گیا

بادۂ یثرب کے خم کے خم دیئے جس نے لنڈھا
آج پھر محفل میں وہ رندِ قدح خوار آ گیا

پھر بہار آئی رسول اللہ کے گلزار میں
فصلِ گل کے ساتھ ہی ساتھ ابرِ آذار آ گیا

باغباں سے گل کو تھے جتنے گلے جاتے رہے
نالۂ بلبل قفس میں تا بہ منقار آ گیا

کوئی رولٹ سے یہ کہہ دے جس سے حضرت تھے خفا
آپ کے نقشوں میں وہ باغی وہ غدار آ گیا

لیکن اس کو کیجئے گا کیا کہ کہتی ہے یہ خلق
قوم کا خادم حکومت کا وفادار آ گیا

دیکھ لی ملّت نے اس کے خواب کی تعبیر آج — رشتۂ تسبیح بن کر کام زنّار آ گیا
ہندو و مسلم کی ہم کیشی کی ساعت آ گئی
کیونکہ خاکِ کعبہ دل کا پرستار آ گیا

۲۰ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

نغمۂ نواس

خدا کی شان اک سقّے کا بچہ — مقابل ہے محمد زائیوں کے
نہیں دیکھے پنے کے ہاتھ اس نے — امان اللہ کے شیدائیوں کے
اسے اسلامیوں سے کیا سروکار — چونکہ دل پہ پلے عیسائیوں کے
سنے جاتے ہیں کابل میں ترانے — ابھی سے غزنوی شہنائیوں کے
لگا بیٹھیں گے نکلے کا طرح بل — لیے زن کابلی بلوائیوں کے
حرایف اس عہد میں پھیر اور نکلا — ہوئے اللہ کی یکتائیوں کے
ہوا میں اڑایا دن اٹھتے پھریرے — پہاڑ ان کی تھی تنّی ائیوں کے
جگہ میں جس قدر چپکے لگے ہیں — لیے کے ہیں خود اپنے بھائیوں کے

الٰہی ناپنے والے کدھر ہیں — ہمارے زخم کی گہرائیوں کے
سہے ٹکر جن کی اک دنیا نے دن رات — وہ سر ہیں کچھ نہیں سودائیوں کے
"مدینہ"[۱] کی طرح ہم بھی ہیں حقدار
حکومت کی کرم فرمائیوں کے

۲۲ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء

تخت یا تختہ

نکہتِ گل کے عوض دوشِ صبا پر اب کی بار — لوٹنے جان گلشن میں لائی ہے بہار انقلاب
جھومتے آتے ہیں محفل میں وہ رندِ لم یزل — جن کی آنکھوں سے ٹپکتا ہے خمار انقلاب
وضعِ عالم میں تغیر کے ہویدا ہیں نشاں — جوش میں ہے جذبۂ بے اختیار انقلاب

۱؎ مولوی نور الرحمٰن بی۔ اے مدیر مدینہ اس الزام میں گرفتار کیے گئے کہ انہوں نے ۲۸ دسمبر سنہ ۱۹۲۸ء کے مدینہ میں افغانستان کے متعلق ایک قابلِ اعتراض شذرہ تحریر کیا تھا۔

پھوٹنے والی ہے آزادی کے سورج کی کرن　　اٹھ رہا ہے پردۂ شب ہائے تار انقلاب

خیرہ ہو جانے کو ہے بینائی استبداد کی　　سر بسر تجلی ہے تیغ آبدار انقلاب

المدد اے خسرو بیداد مغرب الحذر　　ہر سو مشرق میں رقصاں ہے شرار انقلاب

ہند کے چاک گریباں کا ہے اس میں قصور　　پنجۂ یورپ سے ہے خوں ریز و زرکار انقلاب

سربکف میدان میں آپہنچے جوانان وطن　　جن کی قربانی پہ ہے دار و مدار انقلاب

کھیلتے آئے ہیں قتل کے وقت ہنس ہنس کے جو　　اُن کی یہ فطرت ہے اب ہیں یہ تجار انقلاب

گھر سے نکلے ہیں مسلماں بھی کفن باندھے ہوئے　　نعرۂ تکبیر ہے مضراب تار انقلاب

خاک میں مل جائے گا سرمایہ داری کا غرور　　کہہ رہی ہے گردش لیل و نہار انقلاب

وقت آپہنچا کہ یا مر جاؤ یا آزاد ہو
تخت یا تختہ حکم تاجدار انقلاب

دستۂ گل

کھلنے کو ہیں پنجاب کے گلشن میں نئے پھول / دینے کو پیام آئی صبا اور ہی کچھ ہے
تکبیر کے نعروں نے بلایا ہے فلک کو / آج آرہی گنبد سے صدا اور ہی کچھ ہے
پو پھٹنے نہ پائی کہ ہوئی نور کی بارش / لاہور کی گلیوں کی فضا اور ہی کچھ ہے
شوریدہ سری کا تو ہے الزام ہی الزام / اللہ کے بندوں کی سزا اور ہی کچھ ہے
ہے تاج کی خواہش نہ تمنا ہے نگیں کی / اسلام کا مقصد بخدا اور ہی کچھ ہے
مغرب میں بھی اچھوں کو برا کہتے ہیں لیکن / اس جرم کی مشرق میں سزا اور ہی کچھ ہے
فرعون نے بچوں کو تہِ تیغ کیا تھا / پر آپ کا اندازِ جفا اور ہی کچھ ہے
مانا کہ ہیں ٹیگور کے اشعار دل آویز / اقبال کے نغموں میں مزا اور ہی کچھ ہے
یہ سچ ہے کہ اٹلی کے حسیں آفتِ جاں ہیں / بنگالہ کے جادو کی ادا اور ہی کچھ ہے
دیتے ہیں قرار آپ بخاری کو اولی الامر / فرمودۂ شاہِ دوسرا اور ہی کچھ ہے
توحید کے پرچم کو جھکانے وہ چلے ہیں / پر فیصلۂ کلکِ قضا اور ہی کچھ ہے
ہم سنتے ہیں کچھ اور ہی راوی کی زباں سے / یاروں نے اٹک پار کہا اور ہی کچھ ہے

وہ ہم خدا ہی سے ہے جو زائل ہو دلوں سے — تنظیم کے پردہ میں چھپا اور ہی کچھ ہے
تلوار کا شکوہ ہے نہ جزیہ کی شکایت — کافر کو مسلماں سے گلا اور ہی کچھ ہے
تم کہتے ہو ہرگز نہیں مرتد کی سزا قتل — ہم نے تو شریعت سے سنا اور ہی کچھ ہے
ہاں آریہ پرشوں کو خدارا کوئی سمجھائے — منو کی سمرتی کی کتھا اور ہی کچھ ہے
ویدوں کی یہ شکشا ہے ادھرمی کو جلا دو — آج آپ یہ کہتے ہیں کہ لا اور ہی کچھ ہے

چرخے سے علاج مرض ہند نہ ہوگا
یہ درد وہ ہے جس کی دوا اور ہی کچھ ہے

---

۱۵ مارچ سنہ ۱۹۲۵ء

فحش اشتہار

سرکار کے بجٹ میں ہے کس بات کی کمی خرمہرہ بھی ہے سیم بھی ہے اور طلا بھی ہے
ابواب جلب زر کے جہاں اور ہیں وہاں چکلے بھی ہیں شراب بھی ہے اور جوا بھی ہے
سرکار کے خزانہ میں کچھ حصہ ساتھ ساتھ آزادیٔ ضمیر کے جرمانہ کا بھی ہے

"فحش اشتہار" پہلے بھی چھپتے تھے لیکن آج
ان میں مطالعہ کا فلسفہ بھی ہے

---

۲۲ دسمبر ۱۹۲۸ء

خطاب چہارگانہ

(۱) ملکانوں سے:-

ترک کر تقلید ابن خلیلؑ اور بت کو توڑ
ماسوا کو چھوڑ رب العالمین سے رشتہ جوڑ

یاد کر بھولا ہوا والرجز فاہجر کا سبق
شرک کی رسموں سے باز آ کفر کی ریتوں کو چھوڑ

اس نبیؐ کا اتباع سے دارین جو ہے ختم رسل
جس کی رحمت ہے دو عالم کی سعادت کا نچوڑ

چشمۂ دین محمدؐ خشک ہو سکتا نہیں
اس کنوئیں سے آ کے پانی بھر جو ہے پاتال توڑ

(۲) مذبذبین سے:-

جا رہا ہے سوئے حرم کو ناقۂ منزل شناس!
سارباں پڑ کر تذبذب میں مہار اسکی نہ موڑ

(۳) پرستاران ہرالات سے:-

ووٹ لے کے کونسل میں جا کرسی پہ ڈٹ تقریر کر

(۴) سوامی جی سے:-

یہ چٹیل اسلام کی ہے اس سے ٹکراتا ہے کیوں
ہند میں توحید کا جھنڈا نہ ہوگا سرنگوں

اسلام کا بے باک بیڑا

کنبھ کی گنگا جمنی گاگر رنگا رنگی ساگر ہے
ہر نر ناری کے ننگے بدن پر جس کے تڑیڑے پڑتے ہیں
جانی کے نازک ہاتھ کے صدقے جس کی حنائی شوخی سے
شیخ کے منہ پر دل کے بھانے والے تھپیڑے پڑتے ہیں
مولویوں کو نان جویں بھی کعبہ میں ہو کر مل نہ سکی
ناتھوؤں کے حصہ میں ہر [illegible] پوڑی کے پیڑے پڑتے ہیں
سنگٹھن اور شدھی کا جھمیلا یہ نہ سمجھے ختم ہوا
اور ابھی اس میں دیکھتے رہیے کتنے بکھیڑے پڑتے ہیں
رات ہے کالی دور ہے منزل ساتھ ہی یاروں کو ہے یہ خوف
رستہ میں ڈاکے ڈالنے والے بیسیوں کھیڑے پڑتے ہیں
مطلبی ہمت ہو کہو یا ہاشمی غیرت لشکر ہو!
یثربیوں کے یوں ہی نہیں منجدھار میں بیڑے پڑتے ہیں

۲۹ اپریل ۱۹۴۶ء

اٹک پار

سرزمیں بے آئیں ہو چلی ہے با آئیں
حق نے سر نکالا ہے پردۂ پشاور سے

بولشن سے کب دبتا جذبہ اس اخوت کا
جو ملا ہی دیتا ہے باختر کو خاور سے

پاس وضع داری کا ان کو ہے تو ہم کو بھی
داوری مسلماں کی ہے خود اپنے داور سے

صدقہ اپنی رحمت کا ایک گھونٹ مجھ کو بھی
ساقی اپنے ساغر کے ذرے مستی آور سے

جو نہ تیرنا جانے لے اٹک ڈرا اس کو
کیوں الجھ رہا ہے تو صدیوں کے شناور سے

جاڑ ہو گیا سستا بائیکاٹ کا اتنا
اب یہ مال بکتا ہے مفت بھر ساور سے

مغربی سمند اپنی تیزیوں پہ نازاں ہے
شوخیاں ابھی سیکھے مشرقی تکاور سے

حق ہے منہ دوں کا بھی میری جیب دامان پہ
لوٹ لیں کہیں جتنے دلی اس نچھاور سے

۲۰ نومبر سنہ ۱۹۲۰ء

نویدِ امن

لے کر نویدِ امن جب اسلام آگیا — آزادیٔ حیات کا پیغام آگیا
زندانِ ہند جس کو ترستے تھے دیر سے — گردش میں پھر وہ روح فزا جام آگیا
سرجان سائمن کو ہمارے خروج میں — اپنے عروج کا نظر انجام آگیا
صیاد پھانسنے ہمیں آیا تھا جال میں — آتے ہی لیکن آپ تہِ دام آگیا
برطانیہ سے ہم نے موالات ترک کی — تھا پاس ایک حربہ وہی کام آگیا
پیدا ہوئی وطن میں فضا اتحاد کی — ہندوستاں بزمرۂ اقوام آگیا

بھولا جو صبح کا ہو نہ بھولا کہو اُسے
گر اپنے گھر وہ چل کے سرِ شام آگیا

۱۰ فروری سنہ ۱۹۲۸ء

بھوجن

وہ تہذیب اے ہندو! ہو گئی کیا — بجا جس کا ڈنکا تھا دنیا کے اندر
ہوئی کیا وہ دولت کہ شوکت تھی اس کی — چمکنے میں بجلی گرجنے میں تندر
کدھر چل دیا ہے تمہارا وہ کس بل — بنایا تھا ارجن کو جس نے سکندر
کہاں ہے وہ مشعل کسی وقت جس سے — پڑے جگمگاتے تھے کاشی کے مندر
کدھر گم ہوا اسلوب اس ودیا کا — بہا جس سے تھا معرفت کا سمندر
تمہارا دھرم بن گیا کھیل اب تو — ہنومان بندر سب اور تم قلندر
جو گیتا ہی چشم بصیرت سے پڑھ لو — تو نور خدا دیکھ لو دل کے اندر

حقیقت شناسی کی گر جستجو ہے
سبق تم کو دیں گے سری رام چندر

۳۱ اکتوبر ۱۹۱۷ء

ضبطی

زمیندار مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۲۷ء کے تمام پرچوں کی ضبطی پیش آئی اس سلسلہ میں یہ بطور مقالہ افتتاحیہ شائع ہوا تھا۔

دل ضبط، زباں ضبط، فغاں ضبط، قلم ضبط
دنیا میں تجھے ہوں گے یہ ساماں کہیں کم ضبط

آنسو مری آنکھوں کے گئے پہلے ہی سے سوکھ
تھے ورنہ وہ اس فکر میں ان کا بھی ہو نم ضبط

پنجاب میں یوں ضبط ہوا آج "زمیندار"
بنگال میں جس طرح ہوا کرتے ہیں بم ضبط

آزادیٔ اسلام کی ضبطی پہ ہے خوش تو
ہو جائے کہیں یوں ہی نہ تیرا بھی دھرم ضبط

برطانیہ کا شیوہ رہا گر یہی کچھ روز!
سن لو گے عزیزو کہ ہوئے دیر و حرم ضبط

---

۱۹ نومبر ۱۹۲۷ء

بچّہ سقا کی گرفتاری

درّانیوں کی فوج جو میدان میں ڈٹ گئی
سقے کی مشک ایک ہی ٹھوکر میں پھٹ گئی

ہوتا ہے پھر بلند امان اللّٰہی علم
چوروں کے سرگروہ کی تقدیر الٹ گئی

خود کوہ دامنی ہی گرے اُس پہ ٹوٹ کر
اچھا ہوا کہ جوتیوں میں دال بٹ گئی

ہر وہ بلا جو عرش سے اتری تھی فرش پر
دارالامان کے رہ زنوں سے لپٹ گئی

سقے کا ہاتھ سر پہ پڑا تھا کھلا ہوا
قسمت ہی خراب تھی تلوار اُچٹ گئی

اُچھالا تیز تھا تو بنایا تھا کیوں پتنگ
پڑتے ہی ایک پیچ کے جھٹ ڈور کٹ گئی

اسلامیوں کا مرتبہ دنیا میں بڑھ گیا
نصرانیوں کی دہر میں توقیر گھٹ گئی

[illegible] ہوا خوشیوں کی ساعت آگئی ایامِ غم گئے
[illegible] نور طلوع ہوا رات کٹ گئی

---

۱۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء

ناٹال اور ہندوستان

جس جلسہ میں بمقام لندن یہ نظم پڑھی گئی۔ اس میں گاندھی جی جو جنوبی افریقہ سے آ گئے تھے اپنی بی بی سمیت موجود تھے۔

سنا ہے دردِ دل رکھتا ہے اے ہندوستاں تو بھی
جگر کے خوں کو دے سکتا ہے پلکوں کا نشاں تو بھی

جہاں سر پہ اٹھایا بلبلوں نے اپنے نالوں سے
دکھا اندازِ محشر ہو کے سرگرمِ فغاں تو بھی

ستم ناٹال میں جو جو ترے بچوں پہ ٹوٹے ہیں
بہت کچھ سن چکا ہے ان کی رنگیں داستاں تو بھی

مچا رکھا ہے ادھم کیپ کالونی میں گوروں نے
کر اپنی قوتِ بازو کا کچھ تو امتحاں تو بھی

دکھا اپنے جگر کا داغ جو شرمائے سورج کو
بنا مغرب کو مشرق اور زمیں کو آسماں تو بھی

جھلس دے سوزِ دل سے ٹیمز کی موجوں کے داماں کو
کہانی اپنی دہرا کہ ہے آتش بجاں تو بھی
غلط انداز ہیں صید افگنوں کے بے اماں ناوک
نکال اک تیر ترکش سے کہ رکھتا ہے کماں تو بھی
سنی ہے ہم نے ٹن ٹن پال کے گرجا کے گھنٹے کی
بجا مندر میں سنکھ اور دے مساجد میں اذاں تو بھی
لگا ہے کون سا سرخاب کا پر کیپ والوں میں
قبائے سلطنت وہ ہیں تو ہے تاجِ جہاں تو بھی
اگر شرمندۂ معنی ذرا بھی ہے شہنشاہی
تو ہے برطانیہ پر ہند کی لازم ہوا خواہی
یہ کیسا دیس ہے جس دیس کے ہم رہنے والے ہیں
گرفتارِ بلا ہیں اور خطا یہ ہے کہ کالے ہیں
غنیمت تھا قفس میں بال و پر کا پھڑپھڑا لینا
مگر صیاد نے افسوس وہ بھی نوچ ڈالے ہیں
بنی تاماں میں یہ گت ہے ہم خانہ بدوشوں کی
نہ چولہا ہے نہ ہنڈیا ہے نہ لڑکے ہیں نہ بالے ہیں

چمکتے ہیں ہمارے داغِ دل اس طرح رہ رہ کر
لہکتے جن اداؤں سے خیابانوں میں لالے ہیں

پڑے تھے پاؤں میں گاندھی کے جو صحرائے غربت میں
ہمارے یہ درخشاں داغ ہائے دل وہ چھالے ہیں

نچائیں گے اسے اک روز بوئر ناچ نگنی کا
یہ انگلستاں نے اپنی آستیں میں سانپ پالے ہیں

وزیرِ ہند ہی سنتے ہیں اونچا ہم کم نصیبی سے
پہنچ سکتے زحل تک ورنہ ہم لوگوں کے نالے ہیں

یہ نوبہ تو تغافل اور یہ پیہم سختیاں کب تک
یہ ظلم آرائیاں تا کے یہ شر انگیزیاں کب تک

لندن فروری ۱۹۱۴ء

دنیائے توحید پر دنیائے تثلیث کی آفت

ڈالا کسی نے ڈاکہ مارا کسی نے چھاپا !
رٹتے ہیں زار و کرزن درس جناب پاپا

روتی ہے تجھ کو یورپ افریقہ کی تتیّا
اور تجھ کو پیٹتا ہے ایران کا رنڈاپا

انصاف اور ایماں ہم کو نظر نہ آئے
مغرب کو ہم نے تاپا، مشرق کو ہم نے ناپا

گاتے ہیں روس و اٹلی مل کر رجز کی بیتیں
پنچھی کی لے میں جو راگ ابلیس نے الاپا

ہر تیر اس کماں کا جوشن گذار ہوگا
لاتوں تمھیں پتہ ہی اسلام کا بڑھاپا

جو چاہے وہ رجز کرے کیا ڈر ہے پانیر کو
اپنے ہی گھر کی بجلی اپنے ہی گھر کا چھاپا

مذہب وفا ہمارا مسلک جفا تمہارا
ہم نے تمہیں سراہا تم نے ہمیں سراپا

ہندوستاں کی قومیں کچھ ہو گئیں عجب ہیں
کس واسطے پھر ان آپس میں ہو سیاپا

ہیں مسلم اور ہندو ہندوستاں کا زیور
وہ فلسفی سراسر یہ آشتی سراپا

"آفتاب"

بکوریٔ چشمِ سنسر

مولوی وجاہت حسین صاحب ایڈیٹر "آفتاب" بھی ایک عرصہ تک جناب سنسر کے بیداد و جفا کا تختۂ مشق رہ چکے ہیں۔ آپ کی جو شامت آئی آپ نے ہز آنرز سر ایڈورڈ میکلیگن کی شان میں ایک بہاریہ قصیدہ لکھا۔ میکلیگن کے ساتھ قافیہ گلشن بھی بندھ گیا تھا۔ نظم جب سنسر صاحب کے پاس پہنچی تو لال بھبوکا صاحب نے یہ سمجھ کر کہ اس سے سر مائیکل اوڈوائر کا باغ فارستان ہوا جاتا ہے۔ بیچارے ایڈیٹر "آفتاب" کی نظم کی اشاعت ہی روک دی۔ میں نے ان سے یہ واقعہ سن کر انہیں کی طرف سے اسے یوں نظم کر ڈالا۔

دل ہو تو ایک اور حکایت نئی سنو — آزادیٔ خیال کے عہدِ عذاب کی
سر مائیکل سے جائزہ جب سے لیا گیا — جس وقت ختم ہو گئی مدت جناب کی
ہم سمجھے آ گئی چمنِ علم میں بہار — چھائی ہوئی تھی جس پہ خزاں احتساب کی

سنہ کے ہاتھ سے ابھی چھوٹا نہ تھا قلم
جس نے ادب کی خوب ہی مٹی خراب کی

پنجاب کی صحافتِ مسکین و کس مپرس
شاکی تھی آپ کے ستمِ بے حساب کی

اک روز میں نے مدحِ سر ایڈورڈ میں کہی
اک نظم جو ہے جان وفا کی کتاب کی

اس کو بھی کر دیا لٹری دیکھنے کے ساتھ
کیا بات ہے جنابِ رقابت مآب کی

گلشن کے ساتھ قافیہ میکلیگن آگیا
سب سے بڑی خطا تھی یہی "آفتاب" کی

از بسکہ ذلہ خوار تھے عہدِ قدیم کے
مجھ کو دکھائی شان پلے نے عتاب کی

کہنے لگے کہ لکھ کے قصیدہ یہ آپ نے
"پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی"

سر پیٹ کر دیا انھیں میں نے بھی یہ جواب
"جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی"

---

۲۵ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

پردہ داران پردہ در

دین کی شوکت گھٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
کفر کی عزت بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

دیتے ہیں ترجیح ہم قرآن پہ زندوا دستا کو
اپنی ہستی کو مٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

آنریبل ہو کر اور سرکار سے لیکر خطاب
منہ شریعت کا چڑانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

مغربی سے میں نوآموزی ابلیس سے
مشرقی پٹے کا کاٹنا کوئی ہم سے سیکھ جائے

تار و پود اسلام کا ہم نے بکھیرا آپ ہی
اپنے ہاتھوں گھر لٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

---

۷ جولائی ۱۹۱۲ء

۱ مرزا عباس علی بیگ ممبر انڈیا کونسل

تابوتِ استعمار کی آخری میخ

جس مئے گلرنگ سے سرمست تھے احرارِ ہند
اور بھی ساقی کے جادو سے نشیلی ہو گئی

پیچ گاندھی کی لنگوٹی کا جو تو نے کس لیے
کشمکش میں اپنی ہی پتلون ڈھیلی ہو گئی

ٹھکی تھی جس میخ کی تابوت استعمار میں
ہم مسلمانوں کی ضربوں سے کیلی ہو گئی

گھٹ گیا سونے کا نرخ اور بڑھ گیا چاندی کا بھاؤ
گوری گوری ان کی رنگت آج پیلی ہو گئی

میرے مینا میں چھلکتا ہے مزاجِ زنجبیل
اور مرے ساغر کی فطرت سلسبیلی ہو گئی

جب اڑا لی رتّل القرآن ترتیلا کی تان
جبرئیلی سازِ خلقت بھی سریلی ہو گئی

قافیہ تنگ اور زمین سخت اس فضا میں بھی یہ نظم
میرے خامہ کی زباں پر تھی سریلی ہو گئی

---

۱۲ ستمبر ۱۹۳۱ء

مارشل لا

حکومت جن دنوں پنجاب میں تھی مارشل لا کی
تو قابل دید کیسی تھی اوڈوائر کی غضب ناکی

جب امرتسر میں ہم پر گولیاں برسیں تو ہم سمجھے
کہ بوندیں ہیں یہ اہل ہند کے خون تمنا کی

خدا کے قہر کی بجلی گرا کرتی ہے ظالم پر
مگر پنجاب میں اس سبق کے مظلوم تھے شاکی

مساوات اسکو کہتے ہیں کہ مشق تیغ اعضا ہیں
نہ بوڑھوں ہی کو دیکھا اور نہ بچوں ہی کی پروا کی

جناب اوڈوائر کی بم اندازی کے کیا کہنے
ڈبی کے لینے والے سیر کرتے تھے ثریا کی

ہمارے بازوؤں کی دھجیاں اڑتی تھیں گردوں تک
ہماری ٹانگ کے تسمے خبر لاتے تھے جوزا کی

یہ صورت تھی ہماری خواہ مسلم خواہ ہندو تھے
یہ حالت تھی جناب جارج پنجم کی رعایا کی

۲۷ مئی سنہ ۲۰ء

کنارِ اٹک پر رندانِ لم یزل کی سرمستیاں

اس نظم میں متعدد تلمیحات ہیں گل مست سے گل مست خاں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور بلبل سے محمد حسین خاں انسپکٹر مراد ہیں۔ جو راقم الحروف اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو اٹک پار اتر کر صوبہ سرحد میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے منجانب حکومت سرحد مامور ہوئے تھے اور جب تک ہم لوگوں کا اٹک کے اس پار دریا خاں میں رہا یہاں ڈیرہ اسمٰعیل خاں جلسہ میں شرکت کیلئے آ گئے تھے۔ یہ دونوں افسران پولیس اپنے فرائض نگرانی انجام دیتے رہے۔ نواب سیف اللہ خاں ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے رئیس اعظم ہیں اور مولوی احمد اس علاقہ کے مشہور مکفر مولوی ہیں جنہوں نے شاہ امان اللہ خاں غازی کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ جان بل سے مراد یہاں سنارسن پولیٹیکل ہیں جو جان بل کے سرحدی نمائندے ہیں اور جنہیں یہ شرف حاصل ہے کہ جب چاہیں دستارِ فضیلت چھین لیں اور جسے چاہیں عالم بنا دیں۔

اٹک کی موج کی سرگوشیاں دیکھ ہیں دریا خاں میں بلبل مست و گل مست
چڑھا ہے نشہ سیف اللہ خاں کو ظفر مست و بخاری مست و گل مست

رہے اک مولوی احمد سواں کو — کرے گا قلقل مینائے کل مست
نچائیں گے اسی نگنی کا رسم ناچ — کرے رقص ہو کر حبان کل مست
ہلا دیں گے مسیحیت کی بنیاد — اگر اس بات پہ جائیں گے کل مست
"الٰہی خانہ انگریز گرجا"
مچائیں گے لب دریا یہ غل مست

۱۰ دسمبر ۱۹۲۹ء

قسمت

ہند میں بستا ہوا تیمور کا گھر لٹ گیا — چھین لی انگریز نے دلّی چلو چھٹی ہوئی
ملک کی پھوٹی ہوئی قسمت کو اب کیا روئیے — ایک ٹھوکر میں پٹی تلّی چلو چھٹی ہوئی!

نوشتۂ تقدیر

بھگت سنگھ، راج گرو اور سکھدیو کے حوالۂ رسن و دار ہونے پر

توانائوں کے بس میں ہے سراپائے حقارت سے
کروڑوں ناتوانوں کی تمنّاؤں کو ٹھکرانا

دبا دینا کسی مظلوم کی آہوں کو سینے میں
کسی بیکس کو ساری عمر آنسو خوں کے رُلوانا

ہے جن کے دل میں آزادی کی دُھن ان نوجوانوں کو
وطن کے عشق کی پاداش میں سولی پہ لٹکانا

بہا دینا کسی کی راکھ کو ستلج کی موجوں میں
کسی کی لاش اٹک کے پار خاک اور خوں میں تڑپانا

ملوکیت پرستوں کیلئے یہ سب کچھ آساں ہے
مگر دشوار ہے قانونِ فطرت کا بدل جانا

زوال اس سلطنت کا ٹل نہیں سکتا ہے ٹالے سے
خود اپنی ہی رعایا سے پڑا ہے جس کو ٹکرانا

مکافاتِ عمل سے گر وہ غافل ہیں تو بیشک ہوں
ہمارا کام تھا نیک اور بد کا ان کو سمجھانا!

---

۲۵ مارچ ۱۹۳۱ء

فرشتہ و حیوان

آدمی زادہ طرفہ معجون است ۔۔۔ از فرشتہ سرشتہ واز حیوان
گر کند میلِ ایں شود بہ ازیں ۔۔۔ ور کند میلِ آں شود کم ازاں"

چو مسلم علم دین و زید "فخر الدین رازی" شد ۔۔۔ گہے چوں در عمل کوشید "امان اللہ غازی" شد
گہے ظلمت شد و بر خاک و خوں غلطید در برلن ۔۔۔ گہے در نیل "چو نادر خاں" علم در یکہ تازی شد
بچنگِ ملتِ بیضا گہے زد نغمہ چوں "طرزی" ۔۔۔ نوا پیرا بہ بزم اندر بآہنگِ حجازی شد
سمرنا را چو یک لک داد آصف جاہ ہشتم گشت ۔۔۔ نوالش رشتۂ اسلام را اوچہ درازی شد
چو از یزداں دلش بگرفت با طاغوتیاں پیوست
گشت از خویش و فیصل گشت و انگلیس مجازی شد

۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء

ارمغانِ عید

اس آبِ سرخ کا ساقی ادھر بھی ایک کنٹر لا
لنڈھا کر جس کے خم کے خم ہوئے سرشار لوبر لا

سمرنا کی مئے گلرنگ اگر تیزی میں کچھ کم ہو
حرم میں جا کے یورپ کے لئے خونِ کبوتر لا

مے آشامانِ مغرب کو اگر ساغر کی حاجت ہے
کسی مسلم کا مٹی میں ملا اک کاسۂ سر لا

مری آغوش میں آئے تو اس بت سے سمجھ لوں میں
کسی حیلے سے اس کو گھیر کر اک شب مرے گھر لا

حریفوں کو مٹا جس طرح وہ ہم کو مٹاتے ہیں
بحقِ مصطفےٰ یا رب مرادِ اسلام کی بر لا

مجھے بچوں کو عیدی جا کے دینی ہوگی کابل میں
جگر سے مانگ کر کچھ لعل و گوہر دیدۂ تر لا

میرے اشعار لکھنے چاہئیں سونے کے پانی سے
اگر سونا نہیں ملتا کم از کم کاغذِ زر لا

---

۲۹ جون ۱۹۲۱ء

از دیباچہ سیر ظلمات

خواستم گفتن از اعجاز بیانم سرّے　　منکہ صد نقش بہ یک پردہ ہویدا کردم
رہنمونم خضرے گشت کہ از تائیدش　　در ظلمات بہ مضمونِ نیا قلم وا کردم
آمد از جانبِ لندن چو عروسی معنے　　من ز پیرایہ و دلہیش مجلّا کردم
گیسوئے خامۂ من مشک فشاں گشت ہمی　　رشکِ صد تبت و تاتار و اروپا کردم
آمدم از درِ تہذیب و تمدن گاہے　　گہ تماشائے کُہ و وادی و صحرا کردم
پردہ بر داشتم از چہرۂ فطرت گاہے　　قوتِ واہمہ را گاہ تجسّسی کردم

کاشتم سنبلِ ندرت بہ زمینِ انشا
کشتِ خود روکشِ گلگشت مصلّا کردم

جون سنہ ۱۹۰۰ء

"زمیندار" کے شہید نمبر، اسلام نمبر اور کشمیر نمبر کی ضبطی

دل ضبط، جگر ضبط، زباں ضبط، فغاں ضبط
سب سازِ عیاں ضبط ہے، سب سوزِ نہاں ضبط

مظلوم کو فریاد بھی کرنے نہیں دیتے
ڈر ہے کہ نہ ہو جائے یہ سب "امن و اماں" ضبط

اٹھتی ہے جو سینے سے تو ہو جاتی ہے آہ ضبط
آئے جو دہن پر وہیں ہوتا ہے گماں ضبط

روکیں گے وہ کیونکر مرے مضمون کی روانی
تنکے سے بھی ہوتا ہے کہیں سیلِ رواں ضبط

وہ ضبط کریں میری دوات اور قلم کو
ہو جائیں گے خود ان کے تفنگ اور سناں ضبط

تم ضبط "زمیندار" کے نمبر نہیں کرتے
کرتے ہو حقیقت میں محمد کا نشاں ضبط

۱۰ دسمبر ۱۹۳۰ء

نوید امن

دہلی سے نوید امن کی لائی ہے صبا آج
ہوتا ہے وطن قید مصیبت سے رہا آج

مضبوط ہوا عدل و مساوات کا رشتہ
اور قطع ہوا سلسلۂ جور و جفا آج

ہے ناؤ حکومت کی مظالم کی بھنور میں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا آج

چرچل کی خرافات کے بکھرے ہوئے پرزے
اک پل میں اڑا لے گئی دہلی کی ہوا آج

بیدار ہوئی ہند کی سوئی ہوئی تقدیر
کیوں مرتبہ مشرق کا نہ ہو کل سے سوا آج

مظلوم کی فریاد کو بخشی گئی تاثیر
اور عرش سے لے آئی اجابت کو دعا آج

برسائے گی پھر دولت اقبال کے موتی
اٹھی ہے پھر اللہ کی رحمت کی گھٹا آج

رندوں کے لئے بادہ سے لبریز ہے ساغر
ہر جرعہ ہے اس بادہ کا اندوہ ربا آج

ہر شہر کے ہر کوچہ میں ہے آج چراغاں
ہر قریہ کے ہر گھر میں جلا گھی کا دیا آج

گاڑا تھا جسے قوم نے راوی کے کنارے
گردوں سے بھی اونچا وہ علم اٹھ کے ہوا آج

آزاد کرے ساری خدائی کو اب اللہ
اس عہد کی تجدید کریں ما و شما آج

۱۰ مارچ سنہ ۱۹۳۱ء

قانون انتقال اراضی

قانون انتقال اراضی سے آج کل — بے حد خفا ہیں صوبۂ پنجاب کے ہنود
ان کو یہ شکوہ ہے کہ جب اس ملک کے لئے — ہر طرح سے مفید ہمارا بھی ہے وجود
دن رات اگل رہی ہیں ہماری ہی تھیلیاں — سرکار کے خزانہ میں ہیں جس قدر نقود
پھر کیوں ہمیں غریب سے دیتے نہیں زمیں — کیوں ہو گئے حقوق ہمارے ہی غتربود
آزاد کیوں ہے بیع و شریٰ میں کسان ہی — کل کائنات جس کی ہے افلاس کا نمود
انصاف مقتضی ہے کہ اٹھ جائیں یک قلم — اس سلسلہ میں جتنی ہیں قانون کی قیود

ہر طرح سے بجا ہیں یہ سیدھی شکایتیں — بے شک زمیں کی ملک کے حقدار ہیں ہنود
لیکن یہ شرط ہے کہ زمیندار کی طرح
خود ہل چلائیں اور غریبوں سے لیں نہ سود

---

۱۷ دسمبر ۱۹۳۱ء

سائمن کمیشن کی نوازشات کا تجربہ

کمیشن سے تعاون کرنیوالے یہ تو فرمائیں ۔۔۔ کہ آخر اس خوشامد کا صلہ اُن کو وہ کیا دے گا
نئی عزت ملے گی کون سی اُن کاسہ لیسوں کو ۔۔۔ وہ کس سرخاب کے پر اُن کی ٹوپی میں لگا دے گا
وفا کی ناک رگڑیں گے اگر یہ اسکی چوکھٹ پر ۔۔۔ تو کیا وہ بیڑیاں ان کی غلامی کی بڑھا دے گا
مسلماں گر اقلیت میں ہیں مدراس کے اندر ۔۔۔ تو کیا وہ ہندوؤں کی اکثریت کو گھٹا دے گا
تناسب ہندوؤں کا گو پنجاب میں کم ہے ۔۔۔ تو کیا اسلام کی خاطر وہ مندر ان کے ڈھا دے گا
یہ سچ ہے سر بنے کچھ، کچھ ان سے مولائی ۔۔۔ کسی کو سر کرا دے گا کسی کو جج بنا دے گا
مگر یہ وہ چچوڑی ہڈیاں ہیں خوانِ مغرب کی ۔۔۔ جنہیں وہ پھینک کر مشرق کے کتوں کو لڑا دیگا
مسلمانو ابھی ناموسِ وطن اس وقت خطرہ میں ۔۔۔ بچاؤ گے جو تم اس کو خدا تم کو جزا دے گا
اگر ٹھکرا دیا تم نے کمیشن کو تو سن لینا ۔۔۔ تمہارے نام کا ہندوستاں ڈنکا بجا دیگا

تعاون کر کے انگریزوں سے اب تک کیا لیا تم نے
نہ سمجھے ہو تو سمجھو، تم کو جو دے گا خدا دے گا

۱۷ دسمبر ۱۹۲۷ء

دو سائے

کبھی ہندوستاں بھی صاحبِ تاج و نگیں ہوگا
سنیں گے لارڈ برکن ہیڈ ہماری بھی کبھی دھمکی

بدل دے گا الٰہ العٰلمیں ذلت کو عزت سے
ذلیل اس طرح رہ سکتی نہیں اولادِ آدم کی

علم احرار کا لہرائے گا مینارِ دہلی پہ
صفِ استبداد لو کے حلقوں میں بچھ جائیگی ماتم کی

یکایک خیرہ ہوں گی دیوِ استعمار کی آنکھیں
ہماری تیغ جوہر دار عریاں ہو کے جب چمکی

کہاں تک اس کے آگے بند باندھوگے غلامی کا
روانی رک نہیں سکتی ہے آزادی کے قلزم کی

خوشامد ہو نہیں سکتی محمدؐ کے غلاموں سے
اُن ابن اللہیوں کی جو ہیں امت بن مریم کی

ہمارے سر پہ دو سائے ہیں ایک اللہ کا سایہ
اور ایک اس ذاتِ اقدس کا جو رحمت ہے دو عالم کی

———

۲۵ فروری ۲۸ء

پیام آزادی

کھول آنکھ اور دیکھ مقدر کا بند و بست   ہیں آج زیر دست جو کل تھے دراز دست
حق سر فگندہ تھا مگر اب سر بلند ہے   باطل جو تھا بلند نظر آ رہا ہے پست
سر جان سائمن کے پجاری ہوئے ذلیل   کھائی اسمبلی میں گورنمنٹ نے شکست
خم خانۂ فرنگ کے رسیا کدھر گئے   محفل پہ چھائے جاتے ہیں مشرق کے مے پرست
جو ہوشیار ہیں انہیں مستی کی دے نوید   اے جرعہ نوش بادۂ خم خانۂ الست
ہندوستاں غلام ہے آزاد کر اسے   تلقین کر رہا ہے یہی ہر وطن پرست

ہیں ہالوی بھی میرے شریک اس پیام میں
"از یک چراغ کعبہ و بت خانہ روشن است"

---

۲۲ فروری ۱۹۲۸ء

مہاتما گاندھی کا ترانہ

کبھی اپنی آتما سے نہ میں دشمنی کروں گا
نہ لبوں کا جام لے کے بن میں نہ میں خودکشی کروں گا

مجھے ایسی کیا پڑی ہے کہ ہمالیہ کو جاؤں
یہیں گھر میں بیٹھے بیٹھے میں سہری کرونگا

یہ فرنگیوں سے کہہ دو کہ میں سوں دھرم کی سوگندھ
جو کریں گے وہ عداوت تو میں آشتی کروں گا

ہے مرا دھرم اہنسا ہے اسی میں سب کی مکتی
ترے پاس ہے جو ہنڈی اسے درشنی کروں گا

مرے من کی کھلبلی میں نئی جوت کی جھلک ہے
نہ ٹھہر سکیں گی آنکھیں میں وہ روشنی کروں گا

کوئی دن میں سبز ہوگا وہ چمن جو جل رہا ہے
میں ان اپنے آنسوؤں سے وہ فسوں گری کرونگا

پرانی شراب نئی بوتل میں

مسٹر ریمزے میکڈانلڈ رہنمائے حزب العمال کا دورِ حکومت

پہلا دور

کس مپرسی کے دنوں میں تو ہمارے نئے صدر
کرتے رہتے تھے بہت دعوائے غمخواریٔ ہند

کہتے رہتے تھے کہ عمال کا ہوتے ہی عروج
ختم ہو جائیں گے ایام نگوں ساریٔ ہند

بے سبب ہم سے نہ تھی آپ کی یہ ہمدردی
آپ بے وجہ نہ کرتے تھے طرفداریٔ ہند

آپ واقف تھے اُن اسباب سے جن کے باعث
بڑھتی جاتی تھی ہر انگریز سے بیزاریٔ ہند

ہم تو کیا چیز ہیں خود آپ کی یہ حالت تھی
کہ نہ ضبطی سے بچی آپ کی "بیداریٔ ہند"

آپ کو اچھی طرح تھی یہ حقیقت معلوم
کہ گرفتاریٔ گاندھی ہے گرفتاریٔ ہند

اب جو ہاتھ آپ کے آئی ہے حکومت کی عناں
تو اس انداز سے فرماتے ہیں دلداریٔ ہند

"کہ نہ چھوڑی روش ترکِ موالات اس نے
تو یہ مشکل ہے کہ آسان ہو دشواریٔ ہند"

"ابھی ہے سلطنت گورمنٹ کی خواہش لیکن — ہونے پائے متزلزل نہ وفاداریٔ ہند"
"کوئی انگریز نہ تھا یہ سے ہوگا مرعوب — اس سے ہلکی کبھی ہو گی نہ گرانباریٔ ہند"
ہے یہ وہ قوم جو کل تک ہماری دمساز — آج کرتی ہے مگر وعظ غلط کاریٔ ہند
دل نوازی میں یہی لوگ تھے کل تک مشہور — آج کرتے ہیں جو اس طرح دل آزاریٔ ہند
تہنیت کے اگر اس پہ بھی انہیں جائیں پیام — متقاضی ہے کب اس بات کی خودداریٔ ہند

دُوسرا دَور

اس میں ہیرو کہ لبرل ہوں کہ کنسرویٹو — سب کا مقصود ہے ایک اور وہ ہے خواریٔ ہند
باہمی جنگ کا ہے سلسلہ قائم جب تک — علم انگریز کا ہے اور عملداریٔ ہند
ڈیڑھ سو سال کے ہاتھ اور گریباں ہیں گواہ — اسکا کام نہ زور و نہ زر و زاریٔ ہند

جب تک اپنے ہی مسیحانہ معالج ہوں گے
نہیں ممکن کہ کبھی دُور ہو بیماریٔ ہند

---

۶ جون سنہ ۱۹۲۶ء

واپسی برار

کبھی ہارے سے آگے جرمنی جن کے حریفوں میں
دکن اس وقت تک ہے ان کے تابع بھی حلیفوں میں

نظام الملک آصف جاہ اگر ہمت نہ فرماتے
قوی جن کے ہیں بازو جا ملے ہوتے ضعیفوں میں

مگر بالعجب جب ساعت آئی حق شناسی کی
ہما عنقا بنا منت گذاری کے صحیفوں میں

یکایک ہز ہائنس بن گئے نیپال کے راجہ
اور اس پر تسلیاں بھی دی گئیں ان کو لطیفوں میں

نظام اپنا فقط حق مانگتے ہیں حق نوازوں سے
جزا احسان کی احسان ہوتی ہے شریفوں میں

برار اب بھی نہ واپس ہو تو ہم سمجھیں تو کیا سمجھیں
یہ نکتہ آپ کو ہم نے سمجھایا ہے لطیفوں میں

---

۹ فروری سنہ ۲۰ء

گاندھی اور مالوی

ادھر گاندھی ہمیں تلقین کرتے ہیں اہنسا کی — کہ مضمر ہے نجات اس مسئلہ میں ساری دنیا کی
وہ انساں کی طرح گر شعلہ افشاں ہوں تو ہونے دو — مگر تم سپردی چھوڑو نہ خاموشی میں گنگا کی
تشدد ہو تو دو ان کو تحمل سے جواب اس کا — کہ ہیبت یوں ہی زائل ہو سکے گی مارشل لا کی
اسی حربہ سے الٹا تھا مسیحیت نے روما کو — چلن سیزر کا چھوڑو عادتیں سیکھو مسیحا کی
ادھر سنگم سے اٹھ کر مالوی اپدیش دیتے ہیں — کہ مٹ جائے گی جاتی گر نہ عامل ہو گی گیتا کی
ابھی تک نسل بابر حکمراں اس دیس پہ ہوتی — اہنسا ہی کے بل پہ زندگی کٹتی جو سانگا کی
تم اک چانٹے کے بدلے چار چانٹوں کا کرو ساماں — یہی تہذیب ہے دراصل کاشی اور متھرا کی
کمر میں گوپیاں پستول گھر سے باندھ کر نکلیں — تو اندرلوک میں خوش آتما ہو گی کنھیا کی
اگر ہتھیار بے لیسنس مل سکتے نہ ہوں تم کو — تو کر سکتے ہو اینٹوں سے مدارات اپنی اعدا کی
ہر اک چھوٹا بڑا اس سن کے یہ باتیں ہے بدحواس — عجب اس وقت حالت ہو رہی ہے پیر و برنا کی

مقلد مالوی جی کے ہوں یا پیرو ہوں گاندھی کے
سراسر آتشی بن جائیں یا ہوں سربسر خاکی

پٹیل کا پیغام

دے رہا ہے ہمیں زنداں سے یہ پیغام پٹیل
منزلِ آزادئ کامل کی ہے اس عہد میں جیل

آئے دن اپنوں میں ہوتی جو نہ دانتا کل کل
جُھنے پاتے نہ وہ اس طرح پرایوں کے ویل

جان بل ہیمن و شیخ سے ہے برسرِ جنگ
ایٹ ہوتا تو پھر ان دونوں میں ہوتا کب میل

سر ہتھیلی پہ لیے جب نکل آیا پنجاب
تو یہ سمجھو کہ منڈھے چڑھ گئی اس دیس کی بیل

پھیلتی جاتی ہے گاندھی کی لگائی ہوئی آگ
کوئی اردن سے یہ کہہ دو کہ نہ اس آگ سے کھیل

ڈیڑھ سو سال تک انگریز شتربان رہا
اب اس اونٹ کی خود ہاتھ میں تھامیں گے نکیل

جبر اور صبر

جھک گئی سکھوں کے آگے کس طرح سرکار دیکھ
دیکھتے کیونکر ہیں نیچا زیردست آزار دیکھ

ڈوبتی ہے کس طرح منجدھار میں ظالم کی ناؤ
کس طرح ہوتا ہے مظلوموں کا بیڑا پار دیکھ

تو نے چلتے دیکھ لی بات فروشوں کی دکاں
سرفروشوں کی بھی آ کر گرمیٔ بازار دیکھ

مالوی جی کے پرانے ہتھکنڈے کس کام کے
خالصہ جی کا نرالا شیوہ [illegible] دیکھ

جبر کی تلوار چلتے چلتے آخر گر گئی
صبر کا ہتھیار کام آیا ہے آخرکار دیکھ

تھا با سمع و الطاعت کبھی تیرا شعار
ہو گئے پیدا اس حقیقت کے علمبردار دیکھ

ہے کہ تیری وضع کو کچھ ضد سی ہے تغیر سے
ابلقِ ایام کی بدلی ہوئی رفتار دیکھ

تو نے دیکھے ہیں شہنشاہوں کے درباروں کے ٹھاٹھ
اب فقیروں کا بھی جنگل میں لگا دربار دیکھ

کٹ مری سکھوں کی قوم اپنے گرو کے نام پر
تو بھی مسلم اپنی جاں اپنے نبی پہ وار دیکھ

آموختہ

کیا حکومت نے چند دن کے لئے جو زنداں میں بند تجھ کو
تو شکرِ حق کر کہ راہِ حق میں پہنچ رہا ہے گزند تجھ کو

جس آزمائش میں پڑنے والے حیاتِ جاوید پا چکے ہیں
اُس امتحان کے لئے کیا ہے ترے خدا نے پسند تجھ کو

جو تجھ کو صیاد چھوڑ دیتا سمجھ کے صیدِ زبوں تو کیا تھا
کشاں کشاں لے گئے حرم تک مگر خود اس کی کمند تجھ کو

حسین کا سر ہے آسماں پہ کہ رہ چکا تھا کبھی سناں پہ
تو کم سے کم سر بکف تو ہو جا جو سر ہے کرنا بلند تجھ کو

بھرا ہوا زہر کا پیالہ جو آگے آئے تو اس طرح پی
کہ گھول کر دے رہا ہے گویا حریف ساغر میں قند تجھ کو

زمیں کو لرزا فلک کو چکرا عرب کو گرما عجم کو تڑپا
ملا ہے فطرت کی ارجمندی سے دل اگر درد مند تجھ کو

وہی ہو انداز بسمل کا جو شیوۂ ترک نیم جاں ہے
اگر کٹانا پڑے محمدؐ کے نام پہ بند بند تجھ کو

یہ چند نکتے ہیں اس سبق کے جو تو کئی بار پڑھ چکا ہے
وہی سمجھائی ہوئی حقیقت سمجھاؤں پھر تا بچند تجھ کو

ہنوز دہلی دور است

کشمیر سے کہیں تو کہیں کان پور سے
پیدا ہر اک گوشہ سے شور نشور ہے

ہے تار تار پیرہن امن و عافیت
زخموں سے جسم سیکھنی چور چور ہے

زینت ہے اس زمانہ میں نسیاں کے طاق کی
وہ مسلک قویم جو خیر الامور ہے

ہے شیخ کا دماغ نواز سے بے نیاز
اور برہمن کی عقل کے اندر فتور ہے

لگی ہوئی ہیں سر پہ غلامی کی لعنتیں
بنے سنئے کہیں تو کہیں جی حضور ہے

آپس کی پھوٹ کر کے رہے گی ہمیں تباہ
سمجھیں یہ نکتہ اب ہمیں اتنا شعور ہے

لندن کی گول میز کو یاروں نے جا لیا لیکن یہ قافلہ ابھی دہلی سے دُور ہے

اس وقت تک اگر نہیں آزاد ہو سکا

ہندوستاں! خود یہ تیرا ہی قصور ہے

۲۹ اگست ۱۹۳۱ء

ہندوؤں کی محکومی کے اسباب

لالہ لاجپت رائے کی تاریخ ہند پر نظر

لاجپت رائے نے تاریخ تو لکھی ہے مگر
جس سے روشن ہو ضمیر اس میں وہ تحکیم نہیں

مسئلہ یہ ہے کہ باں ہمہ عظمت ہندو کا
کشورِ ہند میں کیوں صاحبِ دیہیم نہیں

سینکڑوں سال سے اغیار کے ہیں کیوں تابع ذلیل
اور سبب ان کی غلامی کے جرائیم نہیں

اس تنزل کے علل پر ہے مؤرخ کو عبور
لیکن اصلی جو سبب ہے وہی تسلیم نہیں

ہیں فقط اس لئے اغیار کے محکوم ہنود
کہ انہیں دی گئی توحید کی تعلیم نہیں

آج جھک جائیں اگر ایک خدا کے آگے
سر افلاک جھکے اُن کی ادا کے آگے

خالصہ بھی تو وہی قوم ہے جس کے معبود — کثرت انداز تھے کاشی کے صنم خانوں سے
ان میں بھی جمع تھے گوسالہ پرستوں کے عیوب — ظلم انسانوں پہ سوا کرتے تھے حیوانوں سے
کبھی ان کو بھی اچھوتوں سے وہی نفرت تھی — ہندوؤں کو ہے جو ان سوختہ سامانوں سے
ان کی ہر بزم کی رونق بھی بڑھا کرتی تھی — قرن ہا قرن کے اوہام کے افسانوں سے
مگر اک گھونٹ پلایا انہیں جب نانک نے — مانگ کر ساقیٔ یثرب کے خمستانوں سے
تو کرامت وہ نمایاں ہوئی ان کے ہاتھوں — جس کو تھی نسبت تخصیص مسلمانوں سے
آج تم دیکھ رہے ہو کہ ہوئی ہے پیدا — ید بیضا کی چمک ان کے گریبانوں سے
کاٹنے نکلی ہے زنجیر غلامی کی یہ قوم — اپنے ہی خون میں نہائی ہوئی کرپانوں سے
اس طرف تیغ و تفنگ اس طرف اک ذوق عمل — جا کے ٹکراتے ہیں درویش جہانبانوں سے
عقل اور عشق کا یہ معرکہ پھر گرم ہوا — جنگ چھڑتی ہے دیوانوں فرزانوں سے

شان نمرود اُدھر آن براہیم اِدھر
آتش تیز اُدھر شیوۂ تسلیم اِدھر

تو بھی اے برہمن آئین براہیمی سیکھ — توڑ دے بت کی جو گردن وہ تبر پیدا کر
اب بنا اپنے لئے کوئی نیا ہی مندر — نئی دیوار کے اندر نئے در پیدا کر

تاکہ ہر وقت ترے گھر کی نگہبانی ہو — جس کا ہمسایہ ہو اللہ کا وہ گھر پیدا کر
جو ہر انسان کی گردن میں حمائل ہو جائے — ایسے زنار کی بندش کا ہنر پیدا کر
جو ابد تک نہ مٹے قشقہ جبیں پر وہ لگا — خاک سے سجدۂ پیہم کا اثر پیدا کر
خود بخود غیر پہ طاری تری ہیبت ہوگی — دل میں پہلے مگر اللہ کا ڈر پیدا کر
سلطنت کی ہے تمنا تو موحد بن جا — خاک اکسیر ہو جس سے وہ نظر پیدا کر

تجھ میں گر علتِ گوسالہ پرستی نہ رہے
یوں حکومت کو تری قوم ترستی نہ رہے

کلکتہ

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
اک تیر ایسا سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

انگشت رام پور کا پنجاب کی طرف
منگلی کے گھاٹ پر وہ اشارا کہ ہائے ہائے

عبرت کی آنکھ کھول کے آپس کی پھوٹ کا
دیکھا وہ جانخراش نظارا کہ ہائے ہائے

آزادیٔ وطن کی تڑپ نے ہنود میں
وہ دل نواز جذبہ ابھارا کہ ہائے ہائے

ان میں وہ اتفاق کی طاقت کہ واہ وا
ہم میں وہ اختلاف کا یارا کہ ہائے ہائے

ملت کی آبرو سے علی بھائیوں کی ضد
لانے لگی وہ رنگ خود آرا کہ ہائے ہائے

بنگال کے افق میں کچھ ایسا ہوا غروب
ان دونوں بھائیوں کا ستارا کہ ہائے ہائے

ہندوستاں کے صدر کی عزت کو دیکھ کر
ہر سائمن پرست پکارا کہ ہائے ہائے

۲۵ دسمبر ۱۹۲۸ء

ناخنِ مدراس اور عقدۂ بھوپال

کھنڈر اسلام کے مشرق کے ہر ساحل پہ بکھرے ہیں
قیامت بن گیا تثلیث کے بھوپال کا جھٹکا

یہ سمجھے تھے کہ چھلکے گی وہی گاگر جو ادھ جل ہو
فرد افزوں ہے نظارہ کاشی جی کے پنگھٹ کا

سما جاتا ہے کلیسا کی پری میری ان آنکھوں میں
مگر دل میں اترنے کو خدارا یوں نہ لٹ چھٹکا

میں اے شیخ طریقت تیرے مکر و فن سے واقف ہوں
تصوف کا بنا کر بھاؤ کوے کو نہ یوں مٹکا

شراب خانہ ساز آئی ہے یثرب کے خمستاں سے
ہے اک اک حوضِ کوثر قطرہ قطرہ جس کی تلچھٹ کا

دھمک اُس پاؤں کی چپکے کان میں پڑنے ہی والی ہے
کھٹکتا تھا کبھی شورِ قیامت جس کی آہٹ کا

وہی تکبیر جو خیبر سے مالا بار تک گونجی
کراچی سے ملایا چاہتی ہے رشتۂ سلہٹ کا

کیا مدراس نے حل عقدۂ بھوپال تنگ آ کر
تماشا کب تک آخر دیکھتا آپس کی کھٹ پٹ کا

حیاتِ جاوداں اُس وقت کے "منصور" کا حق ہے
انا الحق کہہ کے جو ہنستا ہوا پھانسی پہ جا لٹکا

۰ جولائی ۱۹۳۱ء

سوراج

ہے کل کی ابھی بات کہ تھے ہند کے سرتاج
دیتے تھے تمہیں آ کے سلاطینِ زمن باج

یا رنگ زمانے نے یہ بدلا ہے کہ تم کو
دنیا کی ہر اک قوم سمجھتی ہے ذلیل آج

داماں نگہِ حرص کی فضا کے لیے تھا تنگ
وہ باغ ہوا دیکھتے ہی دیکھتے تاراج

محفل میں ضیا ہے نہ ساقی ہے نہ ساغر
گلشن میں نوا ریز تھا بلبل ہے نہ وہ آج

سوچو ذرا تم کہ تمہارا ہی سفینہ — کیوں ہو گیا بازیچۂ زخّاری امواج
ہر برق جو کوندی ہے گری ہے وہ تمہیں پہ — ہر فتنہ جب اٹھتا ہے تمہیں بنتے ہو آماج
جب تک رہے تم دست نگر اپنے خدا کے — ہونے نہ دیا اس نے تمہیں غیر کا محتاج
جس وقت مگر ہاتھ سے سر رشتہ رضا کا — چھوٹا تو نہ تھا تخت نہ تھا تاج
جھک جاؤ گے اب بھی اگر اللہ کے آگے — بن جاؤ گے گر خاک در صاحب معراج
مٹی بھی اٹھا لو گے تو ہو جائے گی سونا — کنکر بھی اٹھا لو گے تو بن جائے گا پکھراج
جو ہو گئے اس کے وہ ہو گیا ان کا نگہبان — اس کی ہے جنہیں شرم ہے ان کی بھی ہے لاج
ترکوں ہی کو دیکھو کہ جب اس پہ ہوئے قربان — یورپ کی دھری رہ گئی سب کثرت افواج
داتا کی یہ ہے دین رنگ اس کے نیارے — مانگے نہ ملی بھیک نہ مانگا تو ملا راج
اک سجدہ میں حاصل ہوئے جاتے ہیں دو عالم — وہ کیوں نہ کرو بات کہ اک پنتھ ہو دو کاج

مٹ جاؤ مگر حق کو نہ مٹتے ہوئے دیکھو
سیکھو یہ روش گر تمہیں لینا ہے سوراج

کنیسا

وہ جو خود غلام بن کر بھی جتاتے ہیں دوہائی
کہ سکھا ہی جا رہے ہیں انہیں بندگی پرائی

جنہیں بندشِ زباں کا ہے خطر قدم قدم پہ
بہ تصورِ رفتگی ہی خطائے لب کشائی

یہ ہے جن کی آج عزت کہ خود اپنے گھر کے اندر
کوئی جلسہ کر جو بیٹھے تو پولیس دوڑ آئی

جنہیں اپنی کونسلوں میں ہے یہ اختیار حاصل
کہ خود اپنے قیدیوں کو نہ دلا سکے رہائی

جنہیں اپنی ہی زمیں پر جنہیں اپنے ہی وطن میں
نہیں مل سکے ہیں اب تک یہ حقوق ابتدائی

کوئی مدعا بھی جن کا نہیں ہو سکا ہے پورا
کوئی آرزو بھی جن کی نہیں آج تک بر آئی

ہے خدا کی شان یہ بھی کہ وہ بت اکڑ اکڑ کر
چلے جا رہے ہیں کنیسا کہ وہیں کریں خدائی

بحوالہ عراقی کوئی جا کے ان سے پوچھے
"تو درون در چہ کردی کہ برون خانہ آئی"

فرماں روائے کشمیر کا اعلان عفو عمومی

فرمانے لگے ہنس کے مہاراجہ ہری سنگھ
جنبش مرے خامہ کی ہے اس نکتہ کی تفسیر

تقدیر فرنگ آج ہے تقدیر خدا اور
وہ نقش ہے پانی کا جو پتھر کی ہے تحریر

تقدیر یہ مؤخر تو ٹلی ہے نہ ٹلے گی
تقدیر مقدم پہ ہے غالب مری تدبیر

دیں گے وہی کچھ داد مری بانکی کماں کی
جن کے جگر و دل میں ترازو ہے مرا تیر

خوش مجھ سے ہو گر میری مسلمان رعایا
پھر خطرۂ اغیار سے آزاد ہے کشمیر

۱۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء

جنگِ آزادی میں شامل ہو گیا لاہور بھی!

مرد عورت پہ ہاتھ اٹھاتا نہ تھا اس دیس میں
آج ان آنکھوں نے دیکھا یہ ستم یہ جور بھی

بجبرِ زنداں کی آرائش ہوئیں خاتونانِ ہند
آ گیا ہندوستاں میں اس جفا کا دور بھی

لاٹھیاں برسیں نہتّوں پر تو آ کر جوش میں
چوٹ کی لذت پکار اٹھی کہ ہاں کچھ اور بھی

جبر سہنے کے لیے اور صبر کرنے کیلئے
اس حقیقت پہ کبھی تم نے کیا ہے غور بھی

ان کی تلقین میں اور خود تشدد پہ عمل
کیا عجب اب سیکھ جائیں تم سے ہم یہ طور بھی

گرم تھا پنجاب کا خوں کیوں نہ آخر کھولتا
جنگِ آزادی میں شامل ہو گیا لاہور بھی

فانوسِ ہند کا شعلہ

زندہ باش اے انقلاب اے شعلۂ فانوسِ ہند
گرمیاں جس کی فروغِ منزلِ جاناں ہو گئیں

بستیوں پر چھا رہی تھیں موت کی خاموشیاں
تو نے صور اپنا جو پھونکا محشرستاں ہو گئیں

جن بلاؤں سے گھرے رہتے تھے صبح و شام ہم
تیرے آتے ہی وہ انگریزوں کی درباں ہو گئیں

جتنی بوندیں تھیں شہیدانِ وطن کے خون کی
قصرِ آزادی کی آرائش کا ساماں ہو گئیں

مرحبا اے نو گرفتارانِ بیدادِ فرنگ
جن کی زنجیریں خروش افزائے زنداں ہو گئیں

زندگی ان کی ہے دین ان کا ہے دنیا ان کی ہے
جن کی جانیں قوم کی عزت پہ قرباں ہو گئیں

سر عبداللہ مامون السہروردی کی شان میمونی

الہ دین کے چراغ کی لو اور ریمزے میکڈانلڈ کے برقی قمقمے کی ضو

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ

خدا نے دولت کونین سب کو — بقدر رحمت خیر البشر دی
الہ آباد میں ملت کی مشعل — حیات نو کے انگاروں سے بھر دی
سکھائی ہم کو آزادی کی ترکیب — بتایا فرق نامردی و مردی
بتایا ہم کو عبد و کل کا مقصد — ہمیں تو تھی شرح خشک و زردی
یہ سب کچھ قوم کو مل ہی چکا تھا — کہ آئے تھے ان میں ہمدردی
اور ان کے ہم وطن پہ تقاضے — اجانب کی غلامی ختم کر دی
اتار کر ہمارے سر سے وہ تاج — رسول اللہ نے جس کی خبر دی

وہ پہنانا ہمیں بس چاہتے ہیں
کسی چرچل کے چپراسی کی وردی

الہ آباد ۲۰ دسمبر ۱۹۳۲ء

اصلی مجرم

وہ اعلان آج میں نے بھی پڑھا جس میں حکومت نے
گنایا ہے رضا کارانِ ملت کے گناہوں کو

خدایانِ فرنگ اس میں یہ فرماتے ہیں جھلا کر
کہ ہم دم لیں گے سیدھا کر کے ان گم کردہ راہوں کو

انہوں نے جب سے ٹوپی سر پہ گاندھی کی جما لی ہے
اُسی دن سے نہیں خاطر میں لاتے کج کلاہوں کو

برس پڑتے ہیں جلسوں میں ہمارے جاں نثاروں پر
سُنا دیتے ہیں صلواتیں ہمارے خیر خواہوں کو

کبھی میخانے میں پیرِ مغاں کو تنگ کرتے ہیں
ستاتے ہیں کبھی بازار کے جادو نگاہوں کو

ہوا ہڑتال کا وہ زور ان کی کوچہ گردی سے
گزرنا ہو گیا شہروں میں مشکل بادشاہوں کو

اگر دو چار ہنر محتسب اِن کو لگاتا ہے
تو پہنچاتے ہیں چوتھے آسماں پر اپنی آہوں کو ٧٠

کہا اس پہ میں نے ہے گنہ اک اور بھی اِن کا
سیاہی جس کی شرماتی ہے اِن سارے گناہوں کو

یہ اُن کا جرم اصلی ہے کہ ان کی چیرہ دستی سے
چھٹی کا دودھ یاد آیا ہے لندن کے جلاہوں کو

فکاہی نظمیں

کاتب عبدالجبار حسرت گونڈوی

معبودِ وقت کی پرستش

حکومت کیا کرو گے لے کے انگریزوں سے نادانو ‏ ‏ ‏ بیاہ مسجدوں کے آگے باجا گائے کو پوجو
وطن اور اس کی آزادی سے ایسی بے عداوت کیا ‏ ‏ ‏ کرو جنگ سے پھر کربلا جیت کی رائے کو پوجو

خدا کا نور مالابار سے پھیلا ہے تبریز تک
جو آنکھیں ہیں تو اس کو ورنہ اس کے سائے کو پوجو

---

۱۰ نومبر ۱۹۲۷ء

پٹواری

آپ نے اب تک کیوں نہ بڑھایا درماہہ پٹواری کا
قطع نہ ہو جائے کہیں صاحب سلسلہ مال گذاری کا

اسکی بھی آنکھ سے کھل گئی پٹی آپ کی دی ہوئی عزت کی
ہو ہی گیا احساس اُسے بھی اپنی ذلت و خواری کا

کھائیے چاپ اور پیجئے وسکی شوق سے لیکن بندہ نواز
اس کو بھی حصہ دیجئے اس کی ابلی ہوئی ترکاری کا

پیٹ ہے بھوکا جسم ہے ننگا ہونٹ ہیں خشک اور آنکھ ہے تر
پھر یہ نہ کہئے گا کہ ہے لاحق اس کو مرض غداری کا

حق طلبی کی آگ لگی ہے شہر میں بھی اور گاؤں میں بھی
کیونکہ گھسیٹا مدِ مقابل ہو گیا عبدالباری کا

چشم نمائی کا جو دیا حق آپ کو آپ کی دولت نے
ہم کو بھی استحقاق دیا ہے بخت نے شکوہ گذاری کا

سیپری کی خاطر باغ میں جا کر آپ نے سیکھا خندۂ گل
آگے سکھا گئی خود ہمیں شبنم مشغلہ گریۂ زاری کا

---

۲۵ مئی ۱۱ء

مسجد اور بُوٹ

ایک دن پیش امام دہلی سے — ڈرتے ڈرتے کیا یہ میں نے سوال
آپ ہیں نورِ دیدۂ بزمِ قبول — آپ ہیں آب و رنگِ محفلِ قال
آپ کو میں نے کھینچتے دیکھا — شرع کے مسئلوں کے بال کی کھال
الغرض شرع ہے اگر رخسار — تو ہیں آپ اُس کے اک دل آرا خال
پھر یہ کیا بات ہے کہ وہ مسجد — جو ہے کعبہ کا عکس بے تمثال
جس سے قائم ہے فخرِ پیغمبر — جس پہ نازاں ہے ایزدِ متعال
جس کے منبر کے آپ ہیں سورج — جس کی محراب کے ہیں آپ ہلال
صبح اور شام یورپینوں کی — ٹھوکروں سے ہو اس طرح پامال

ہنس کے کہنے لگے یہ مولانا — آپ کیا جانیں اس زمانہ کا حال
ہیں انہیں ٹھوکروں کے صدقے میں — ہو گیا صاحب خطاب و منال
حشر تک بوٹ یہ رہیں قائم — اور سلامت رہے یہ ان کی چال

ہیں ہماری بہریں اسی قابل
کہ ہو ان کے تلے سے ان کا وصال

۶ ستمبر ۱۹۱۲ء

رابغیات

ریل اور تیل

رابغ میں مسٹر فلبی سے ملاقات ہوئی۔ ان سے چند باتیں ہوئیں۔ وہ ذیل کے اشعار میں نظم کر دی گئی ہیں:-

اگر حجاز میں بھی پہنچ جائے ریل — اور اس سرزمیں سے نکل آئے تیل

تو خوش حال ہو جائے ابن سعود — پھریں یوں نہ اونٹوں کی تھامے نکیل
عرب میں بچھے جو سے سیم و طلا — ہر اک سمت دولت کی ہو ریل پیل

کہا میں نے سن کر یہ فلبی کا قول — منڈھے چڑھنے والی نہیں ہے یہ بیل
میں سمجھا تمہیں ریل اور تیل کا — کہ اچھے ہیں یہ سب تمدن کے کھیل
یہ مقصد ہے لیکن اگر آپ کا — کہ نجدی ہو نصرانیوں کی ڈھیل
تو رکھیے مری آج کی بات یاد — فرنگی سے بدو کا ہوگا نہ میل
یہ ہے ناقۂ ریگ زار حرم — وہ ہے رود بار کلیسا کی وہیل

وہ مشاطہ پیدا ہوئی ہے نہ ہو — جو ڈالے چھچھوندر کے سر میں پھلیل
مری صاف گوئی کو کیجیے معاف
کہ بالغ نہیں منٹگمری کا جیل

---

۵ دسمبر ۱۹۲۵ء

بسنت

آئی بہار لالہ و گل کو لئے ہوئے — چھیڑا ہے بلبلوں نے ترانہ بسنت کا
چلنے لگی وطن میں ہوا اتفاق کی — صوفی سے اتحاد ہوا ہے مہنت کا
شیخ اور برہمن تو بغل گیر ہو گئے — اب کون انہیں دکھائے تماشا لڑنت کا
مل کر لگاؤ زور کہ ہو زیر سائمن — ہندوستانیو! ہے یہی وقت تنت کا

ساری بہار ہند مسلماں نے لوٹ لی — سہرا ہے سر ملا پہ کہ اس میں گھڑنت کا
خوشحال چند بن گئے ہندو دھرم کی لاج — کانٹوں میں تل رہا ہے بھرم لاجونت کا

لکھ پڑھ کے بھی وہ جاہل و کودن ہی جب رہے
کیا فائدہ پھر ایسی لکھنت اور پڑھنت کا

۲۸ جنوری ۱۹۲۸ء

علمائے امت سے شکوہ

خدارا کھول آنکھ اور دیکھ لو اے ملت بیضا
کہ تیری کیا روش ہے اور ہے کیا شان نرالی

ادھر دنیا و ما فیہا سے تو ہر وقت ہے غافل
ادھر اسلام پر چاروں طرف سے ہے یورش اعدا کی

کھلانا چاہتے ہیں دشمنان [illegible]
جو بلبل کو کبھی پوپو تو طوطی کو کبھی [illegible]

بشیر الدین محمود [illegible] سے جب [illegible]
[illegible] پیدا کی

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

محمدؐ سے خطا ممکن مگر بے عیب ذات اُس کی

خدایا تو کہاں ہے کیا ہوئی تیری غضب ناکی

کبھی حج ہو گیا ساقط کبھی قید جہاد اٹھی

شریعت قادیاں کی ہے رضا جوئی نصاریٰ کی

قیامت بن چلا یہ فتنہ اور خاموش بیٹھے ہو

نہیں اے عالمانِ دیں یہ تم سے بے سبب شاکی

۱۹ اکتوبر ۱۹۳۱ء

سلسبیل کی چند بوندیں

۲۰ جون ۱۹۲۷ء کی صبح کو میں ڈلہوزی جانے والا تھا۔ رات کے بارہ بجے تک ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہا۔ ملک لال دین قیصر بھی آئے۔ اور چند اشعار کی فرمائش کی جو چند منٹ میں لکھوا دیئے گئے۔ وہ اشعار یہ ہیں :-

مئی کی جون میں تحویل ہوئی جاتی ہے ‏ ‏ جسم کیا روح بھی تحلیل ہوئی جاتی ہے

میر عثمان علی خاں نے پکائی تھی جو کھیر — دیکھتے دیکھتے انجیل ہوئی جاتی ہے

بندہ و زندہ و بیزاری و بیزن شدھی بھی — عمرو عیار کی زنبیل ہوئی جاتی ہے

منجی و مالوی نے گانٹھے تھے جو منصوبے — ان کی لاہور میں تکمیل ہوئی جاتی ہے

لاجپت رائے کو ہم نے بہ حقارت دیکھا — آج شہباز وہی چیل ہوئی جاتی ہے

راجپال آج عدالت سے ہوا صاف بری — شرع اسلام کی تذلیل ہوئی جاتی ہے

اب یہ لکھنؤ والے ہوئے جاتے ہیں اگر — دولت نجد ابابیل ہوئی جاتی ہے

کبھی گوکل میں بجی تھی جو دل آرا مرلی — وہی اب صور سرافیل ہوئی جاتی ہے

بھائی سے بھائی جدا دست سے ہو دست الگ — فطرت اسلام کی تبدیل ہوئی جاتی ہے

ہونے والا ہے پھر اسلام کا خورشید طلوع — مشعل گل تری قندیل ہوئی جاتی ہے

مجھ سے قیصر نے کہا تھا کہ کچھ اشعار
ان کے ارشاد کی تعمیل ہوئی جاتی ہے

۳ جون سنہ ۱۹۲۷ء

؎ بہ اصطلاح دکن جوار کا دبہ

تل کی اوٹ میں ہمالہ

خمیر پایا مسلم خدا نے
اٹھایا ہے عرب کے آب و گل سے

نبی نے درس آزادی دیا ہے
نہیں ہم نے سبق سیکھا ہے کل سے

نہیں اسلام وہ دنیا کہ مٹ جائے
سبھی جیتے کے بیٹھا ہو دل سے

مشاغل کی محبت ہے نرالی
جو مومن ہے ملا کرتا ہے دل سے

کبھی تھا اٹھ ولیوں کا تاک میں ہم
ہمارے حملہ پاسے جاں گسل سے

اب ایسا انقلاب آیا جہاں میں
یہ تو ہے ہی نکل آئی ہیں بل سے

بہت جلد اس بلا کو ٹال دیں گے
خدا تو دے اپنے فضل مستقل سے

ای کی آنکھ سے ... بس کیا جادو
ہمالہ کو چھپا لیتا ہے تل سے

١٠ جون ١٩٦١ء

ہفت خوانِ ہند

ملیبار سے تابہ اقصائے خیبر — ضیا بیز ہے مالوی جی کا جلوا
کہیں گائے کی پونچھ پر سر ٹپول — کہیں ہاتھ سے جھٹکے جانے پیڑوا
مسلماں بیچارہ کس کس سے نبٹے — ادھر شدھ بیڑا ادھر بیر کلوا
کسی طرح پھاندا گنا ہفت خوان کو — تو موجود ہے پیچھے ہی سنگٹھن بلوا
نہیں پیر ہن ہی کو ان سے شکایت — یہ ناشدہ دیں آپ ہی تیلی ہیں کلوا
خدایا مسلمی کی عزت کے صدقے — ہمارا ابھی ایک ارمان نکلوا
جو ہندی کو متھرا کے لڈو دیئے ہیں — ہماری بھی بخشش ہے من و سلوی

مسلماں کے بازو کو زور علی دے
حریفوں کی چھاتی پہ مونگ اس سے دلوا

۱۶ اگست ۱۹۲۶ء

گوش ہوش کو صلائے عام

دیئے ہیں کان خدا نے تو ان سے کام بھی لے　　ہما ہمائیوں کے گلشن کی ٹن ٹن سن
کہاں تک اور انگوٹھی میں یہ پاک کھیلے گا　　ہوا جنوں کی بھری تیلیوں کی چھن چھن سن
نبیؐ کے نام پہ کر کائنات کو قرباں
یہ قول سرورِ عالم جسے من عن سن

---

۲۶ اگست ۱۹۴۷ء

گیٹی تھیٹر لاہور

سرِ راہ اک اشتہار آج دیکھا — کہ ناچیں گی آج شب لولو اتھا ایکٹ
ہیں سازندوں کے گھات کی جو بہو — حسین قطعہ بیٹھیں جادو کی بستی
قلم کا تو سنسر نے سر کاٹ ڈالا — زباں وحشت کی آپ کر دیں گے تقلی
گمیں گے نہیں ہم بہ املائے نقولی — دکھائے گا تمثیل پل ہو پہ ننگے تلی

یہی خاندیاں سب تو آ ہو ڑالو
تمہاری المقدس کی گاڑی بھی چلی

---

۲۵ اکتوبر سنہ ۱۹۳۴ء

کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا

سنا بھی تم نے اے اسلام والو! کہ حال اس وقت ہے اسلام کا کیا
دبایا جا رہا ہے حق کو بالکل! بدلتا آسماں ہے رنگ کیا کیا
جہاں دیکھو وہاں ہیں بت کے شیوہ پجاری کیا اور ان کے دیوتا کیا

خدا کا ڈر ہی دل سے اٹھ گیا ہے تمہیں کہہ دو کہ پھر باقی رہا کیا
حکومت ہے نہ حکمت ہے نہ دولت بچی اپنی زندگانی کا مزا کیا
ہم اپنے آپ دشمن ہو رہے ہیں ہے اس میں ہاں کوئی حج کی خطا کیا
جہاں جولاں ہر طرف ہے رہزن ہی رہزن وہ منزل کیا اور اس کا قافلہ کیا

بہت سے ہندوؤں کے دوست بن جائیں سوا اس کے ہے شدھی میں دھرا کیا
مسلماں ہو گئے دل سے بھی پرزور تو اے حق کے پرستارو ہوا کیا
یہ شدھی کیا اور اس کی کیا حقیقت یہ پدی کیا اور اس کا شوربا کیا

جنہیں جگنو پہ سورج کا گماں ہو — اُن اندھی عقل والوں سے گلا کیا
اُدھر سے ہم چلے وہ بھی اُدھر سے — تمہارے سنگٹھن کا پوچھنا کیا
بزدلوں کی جان کو رویا اگر میں! — تو بتلاؤ بُرا میں نے کیا کیا

ہماری راکھ اب بھی ہے شرر خیز — کہ بدلی ملت ہندو ہوا کیا
بجھا دیں تیں دکا ذرا بار کر پھونک — سرم سے طاقچہ کا دم دیا کیا

ہجوم کفر نے لی توت دم کو
نہیں آقا ہمارے لطف کیا،

۱۲ جنوری ۱۹۲۰ء

سر

سرفروشوں کے ہیں ہم سر، آپ سرکار کے — آپ کا منصب ہے سرکاری، ہمارا خانگی،
فیصلہ کرے گی دُنیا ہم میں افضل کون ہے — آیئے چل کر دکھا دیں اپنی اپنی بانگی،
پاؤں میں زنجیر ہے زنداں سے گھبراتے نہیں — ہم محبانِ وطن کا شیوہ ہے دیوانگی
عافیت کوشی ہے پہلے ہی سے مسلک آپ کا — اور اسی میں سنت ہے آپ کی فرزانگی
چھوڑ کر اپنوں کو غیروں کا دیا ساتھ آپ نے — بات ہے یہ عقل کی یا عقل سے بیگانگی

"مسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو"
چھوڑ دے اس بزدلی کو اور دکھا مردانگی

---

۲۹ دسمبر ۱۹۲۷ء

بارِیش بابا ہم بازی

شایگاں گنجے کہ عمرِ رایگاں را حاصل است
قطرۂ خونِ امیدے کہ نامش دل است

در حقِ ما ہر چہ گوید از رہِ طعنِ انقلاب
باطل اندر باطل اندر باطل اندر باطل است

دستِ گستاخش بگیرد ریشِ بابا ہم سپید
طفلکِ نادان ز بازیہائے بابا غافل است

دیدۂ بینا رہ پرسد زمینِ قادیاں
آنکہ بنیادِ ستم را خشتِ اولین باطل است

باش تا بینی کہ خاکش در جہاں برباد رفت
قادیاں دنیائے سفلی ہست و خاکش ساحل است

۲۰ ستمبر ۱۹۳۱ء

شدھی اور سنگٹھن کے چار رتن

پوجیہ مالوی جی

سنگھاسن پہ بھارت کے بیٹھا اگر میں
تو کونوں میں گاڑوں گا جھنڈا دھرم کا

گھمائے گا اسلام کے سر پہ چوٹی
مہاں ستے کٹوا کے ڈنڈا دھرم کا

بنارس کے قربے میں شدھی کی گتی
دیئے جائے گی روز ڈنڈا دھرم کا

حفاظت کرے گا ورن آشرم کی
اچھوتوں کے متھے سے گنڈا دھرم کا

ہمالے سے لنکا تلک اک آگن بن
کروں گا عجب لا کر میں جھنڈا دھرم کا

مسلماں جہاں تک نکل لے جائیں
یہی ہوگا اس وقت ایجنڈا دھرم کا

مری راج دھانی میں تم دیکھ لوگے
نہ ہوگا کبھی جوش ٹھنڈا دھرم کا

مانیہ بپن چندر پال جی

کسی وقت اگر ساری جاتی نے مل کر
کیا مجھ کو تسلیم بھارت کا راجا

تو سن لے گی دنیا کہ مسجد کے آگے بجے گا دھڑلے سے دن رات باجا

دیوتا سروپ بھائی پرمانند جی

مرے تاج کا سنتری بیل ہو گا مرے راج کی منتری گائے ہو گی
چلیں گی جب اک ساتھ کوٹھوں سے ٹمٹیں تو ہمراہ ان کے مری سانٹے ہو گی
اذاں کی صدا کی جگہ مسجدوں میں
کہیں ہائے ہو گی کہیں ٹائے ہو گی

بھارت بھوشن شری سوامی شردھانند جی

بنا چکرورتی مہاراج اگر میں تو پہلے کروں گا بیگانوں کی شدھی
اچھوت اور مسلمان سے ہو کے فارغ مرا فرض ہو گا پٹھانوں کی شدھی
بڑھاپا مرا ایک دن دیکھ لے گا مجھ سے کے بھیلے جوانوں کی شدھی
مرے عہد کی آخری یاد ہو گی حرم کے نئے پاسبانوں کی شدھی
نہ پھر بھی مرا میں تو یورپ میں جا کر
کروں گا سبھی گورانوں کی شدھی

۶ جولائی ۱۹۲۶ء

بُرے دن

شورِ بازار کے مُلّا سے کہا ستّے نے
تیرے اور میرے مقاصد کے بُرے دن آئے

تجھے کہتے ہیں صداری مجھے استعمار ہی
مرے ہیکل تری مسجد کے بُرے دن آئے

تو جہالت کا مُرید اور میں ذلالت کا عبید
تیرے پیر اور مرے مُرشد کے بُرے دن آئے

ہم سے شیخ اور برہمن کو ہے یکساں پرخاش
ہم اسیرانِ شدائد کے بُرے دن آئے

جن کو دین کر کے مرے حلق میں ٹھونسا تو نے
تیرے ان سارے عقائد کے بُرے دن آئے

سینہ کوبی میں ہیں باباے خلافت مصروف
جن کے اکرم و مجاہد کے بُرے دن آئے

پگڑیاں جن میں شریفوں کی اُچھالی جائیں
اُن بد انجام جرائد کے بُرے دن آئے

۲۳ جون ۱۹۲۹ء

بچہ سقا

لقب سقے کو کب شایاں ہو ہر ارذل کمینی کا
خطاب اس کے لئے موزوں ہے ظل ایزدی کا

وہ کہتے ہیں کہ یہ سقہ حبیب اللہ غازی ہے
بقول اقبال کے جیسے تھا پیسہ کا مجازی

یکایک پھر پڑی ہے دولت چرخ زنگاری
دی واردن ایک تہائی ہے خدا شوخی و خواری

مری آنکھوں میں ہیں عبرت کے سقا کی کہانیاں
بچے جیسے ہیں سب ہم دینار کی تھالیں

بٹھائے اللہ اکبر کہہ کے افریدی و مہمندی
چلے اللہ کی رستے پہ سقے کی ورثہ ہی

ہماری عقل کی شوکت علی ہیں بادشاہ ہیں
لئے ہے گھر میں آئے حبیب کی تقدیر ہیں

چلے اللہ والے ہاتھ لئے کابل کی آفت کو
ادھر بابا کی سب نے دیا بابا ئے خلافت کو

محبت خاں نے سنا ہے سقے کو بتایا ہے مارا
محبت ... ڈوبا ہوا ... مارا

۲۳ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء

بہلیّات

لگ گیا ہاتھ کہیں سے مجھے اُن کا فتویٰ
دستِ توحید ہے اور شرکِ جلی کی داڑھی

کہہ دو آدمؑ سے کہ دو بال ہمیں بھی بخشیں
نوچ کر اپنے مریدِ ازلی کی داڑھی

پیٹ میں اپنی درازی کو چھپا لیتی ہے
اور بافاتِ بریلی کی نلی کی داڑھی

بال کے آم کی چوسی ہوئی گٹھلی کا ہے جھونٹ
یا کہ ہے قبلۂ دیدارِ علی کی داڑھی

اس کو اسلام کی لاج اُس کو فقط لاج اپنی
چور کے ہاتھ میں ہے آج ولی کی داڑھی

---

۱۲ جون ۱۹۲۵ء

بچّہ اور اُس کی انّا

مشرقی بچّے کی خاطر دایہ اصلاحات کی لائی مغرب سے دو گلّی کا اچھوتا جھنجھنا
چائے پینے کیلئے جب اُس نے مانگی گول میز کیتلی میں لائی پانی بھر کے وہ بھی کنکنا
اس ادا میں ہے اگر تلخی اسے بیشک نہ سن اپنی انّا ہی کی میٹھی میٹھی لوری گنگنا

مسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
وہ نکل آئی سحر سرگرمِ تقاضا تو بھی ہو (اقبال)

---

۱۲ جنوری ۱۹۲۸ء

رابغیات

علی کے ہوائی کارنامے

کہیں سے آ گئی ہاتھ اک گرہ ہلدی کی چوہے کو
تو رکھ کر اس کو اپنے بل میں بن بیٹھا وہ پنساری

علی بھی لے کے اک طیارہ آقایانِ مغرب سے
سمجھتا ہے کہ میں ہوں اور عرب کی حکم برداری

شہید اب تک ہوئی ہے ایک بکری اس سے لوگوں کے
اب اس سے بڑھ کے ہوگی کارگر کیا اس کی بمباری

نبیرہ رہ کے اس کے باپ نے اسلام کو بیچا
اب اس کے حصّہ میں آئی ہے یہ دیرینہ غدّاری

مگر بطشِ شدید ربِ اکبر سے نہ چھوٹے گا
کہ ہے سخت انتقام اس کا اور اس کی ضرب ہے کاری

بہ ہجرت جس طرح مکّے سے راتوں رات بھاگا تھا
مدینے سے بھی اب اس کے نکلنے کی ہے تیاری

---

۱۷ جنوری سنہ ۱۹۲۶ء

سرکار کا نظر ٹٹو

کبھی ہندو سے ہے گردش میں کبھی مسلم سے چکر میں
پھرا کرتا ہے یوں ہی چرخِ ناہموار کا ٹٹو

عنایت کی نظر اس وقت منشی رام جی پر ہے
انہیں آنکھوں کا تارا تھے کل تک میاں چھٹو

خوشامد کا عراقی اڑ رہا ہے مسجد کے زینے پہ
مسلماں ہی کو ہے آخر یہ اڑیل مشرقی ٹٹو

مری سرکار کا اٹکل کر ہی نہیں سکتا
کبھی ہندو ہے یہ ٹٹو کبھی مسلم نظر ٹٹو

۲۱ ستمبر ۱۹۰۳ء

میثاقِ ملی

[illegible] کس ہشیاری سے
[illegible] داری سے

[illegible] نے ملایا اس میں
[illegible] کس نے اپنی سیاہ کاری سے

[illegible] مذہب اسلام بھی ہے
[illegible] کی ہنرکاری سے

[illegible] کے لئے دینا کفر کا لقمہ ایمان کو
[illegible] کس ہشیاری سے

کھل گیا سب [illegible] کا
[illegible] قوم کو اس بیماری سے

آپ کی ذات میں [illegible] آپ ہوں حاکم ہم محکوم
[illegible] اس وطن کی خود مختاری سے

آپ جو یوں چپت پھرتی ہیں پٹ داؤں تو بیشک اچھا ہے
آنکھیں لیکن پڑ نہیں سکتی وصول اب اس عیاری سے

داس سمجھے اور آزاد سے پوچھ ملت کے میثاق کا راز
عقدہ یہ ہرگز کھل نہ سکے گا لاجپت اور انصاری سے

کاش یہ مادہ قاید ملت سمن بیر وداسے ہو جائے
ہندو مسلم ایک ہوئے تھے جس کی علم برداری سے

انگریز کا حسن مذاق

لوٹی ہے جس نے تصوف کے باغ کی — انگریز کا مذاق بھی کتنا لطیف ہے
توڑی بھی شریعت بھی ایسی بے شریعت — انصاف جو شریف ہے اس کا حلیف ہے

تہذیب

لاش ہندی کی جلادی واہ کیا تہذیب ہے
پھر ہوا میں راکھ اُڑا دی واہ کیا تہذیب ہے

ضد تو اس کو دین سے تھی لیکن معین الدینؒ کی
قبر پہ گولی چلادی واہ کیا تہذیب ہے

راہزن تو خود ہے لیکن تہمت اپنے پیشے کی
اولیاؤں پہ چڑھادی واہ کیا تہذیب ہے

کہتے کہتے عقائد من بچے بیٹھے درس صلح
خوں کی ندی بہادی واہ کیا تہذیب ہے

تاکہ اپنے لیمپ میں جو تیل ہے وہ تھوڑا جلے
آگ محل میں لگادی واہ کیا تہذیب ہے

گر کسی اخبار نے سچ کہہ دیا ہے الگ بات
اس کی چھپت قرقی کرادی واہ کیا تہذیب ہے

قابلیت کی جب اک شرط پوری ہو چکی
قید رنگت کی بڑھادی واہ کیا تہذیب ہے

خاکساروں نے اٹھا کر سر بھیڑوں کے سامنے
مجھ سے گردن جھکادی واہ کیا تہذیب ہے

جس نے پیمانِ وفا باندھا اسی کم بخت کو
اپنے پیماں کی سزادی واہ کیا تہذیب ہے

یار سے چھینا ہزار اور جب کیا عذر حسین
جنگ کی دھمکی سنادی واہ کیا تہذیب ہے

دوستی کے پردے میں مرقوم ست کی دشمنی
ایک عالم کو دغادی واہ کیا تہذیب ہے

[illegible]

کلکتے کی کونسل میں پیری کس نے کی تھی ہاے دو — [illegible]

بھنگی نظر آتا ہے فرنگی کے برابر — [illegible]

گنگ مست میں جب ہے ہندوستان کا دم — [illegible]

سرچشمہ ہے وطن [illegible] — [illegible]

جب بال میں [illegible] لگے کہنے [illegible] — [illegible]

اک [illegible] — [illegible] ایسا ہی [illegible]

[illegible]

پشتوں کے مضمون میں ملے تن بھی

غلاموں کا مذہب

غیر کے محکوم ہونے سے کہیں اچھی ہے موت
تف ہے ایسی زندگی پہ جو غلامی میں کٹے

قدحِ ٹامی شغلِ جلوت ہی سہی لیکن یہ کیا!
یعنی خلوت کی ہو مہلت مدحِ ٹامی میں کٹے

تھا یہی طعنہ زن کل تک تو پیدا ہو آج
دن ہمارے شہرتِ کفرِ دوامی میں کٹے

شوق سے بدنام کر لیں ہم کو یارانِ کہن
یوں ہی شاید اُن کی فرصت نیکنامی میں کٹے

جب تلک آزادی ہو گی ہم نہ ہوں گے شادکام
دیکھئے یہ عمر کب تک تلخ کامی میں کٹے

---

۲۷ جنوری ۱۹۳۴ء

چٹنی

ننکانہ کے بھگت کو قید فرنگ میں
ملتی ہے چپڑی روٹیوں کے ساتھ کھیر بھی

لیکن ستم رسیدہ بخاری کو آج تک
چٹنی کے واسطے نہ ملا کوتھمیر بھی

یہ کیا نیا غضب ہے کہ مرتدوں کے ساتھ
شامل ہیں انقلاب کے دونوں مدیر بھی

پیٹیں گے سر شفیع اب ان کی جفا کا ڈھول
اور ساتھ ہی پیٹیں گے فنا کی لکیر بھی

مجموعہ انقلاب کا اقبال دونوں سے
دونوں کی ناک میں تھا مگر چیخ پیر بھی

ہم خود ہیں اپنے تین جرائم کے معترف
جاہل بھی ہیں ذلیل بھی ہیں اور فقیر بھی

پنجہ میں اب مہاجنوں کے بھی پھنسے ہوئے
اور چل رہے ہیں ہم پہ حکومت کے تیر بھی

---

۱۴ فروری ۱۹۲۶ء

راون پرستی

نہیں لنکا سے کچھ بھی کم ہے پنجاب　　جسے دیکھو یہاں راون گڑا ہے
ہوا ستیا مذہب کا پڑاوہ　　مگر جھگڑا ادہی ڈیڑھ اینٹ کا ہے
خدا کو چھوڑ بیٹھے لالہ و شیخ　　پڑا شیطان گھر گھر پہنچ رہا ہے
کوئی کرتا ہے احمدؐ کی غلامی　　مگر بنتا بروز مصطفےٰ ہے
کوئی لیتا ہے منہ سے رام کا نام　　مگر کہتا ہے راون ہی خدا ہے

تشکک کر رہ گیا ہے پیکرِ عقل
تماشا پتلیوں کا ہو رہا ہے

---

۱۰ نومبر سنہ ۱۹۱۷ء

لٹھ اور طپنچہ

وہ چھائی چھائی تھی جو اسلام نے دل پر
چھانے کو ہے اک روز ہما ہیروں کے دل پر

اس خطرے سے ہیں لرزہ بر اندام وہ جب سے
جو کودتے ہیں گاؤ کے کھونٹے کے بل پر

کہتے ہیں کہ اسلامیوں کو پیس کے رکھ دو
ہو آج جو ہونا ہے نہ چھوڑو اسے کل پر

جو لوگ ہیں گاؤ کے لئے کشتۂ و ذابح
اس چھیڑ سے ان میں ہیں نتائج کا خلل پر

کہہ دو انہیں اب کے لٹھ والوں کو نہیں خوف
اس دم سے شیدا ہو جو لات و ہبل پر

لٹھ باندھ کے نکل آتے ہیں تو ہم بھی
آتے ہیں طپنچے لیے چھاتے ہوئے دل پر

۲۲ نومبر ۱۹۲۶ء

آریہ اخباروں کے مسلمان قلم کاروں کا ترانہ

لڈو ہمیں کھلوا دو ٹھرا ہمیں پلوا دو جانا ہے تیرتھ گر کچھ پیسے یہیں دلوا دو
پھر کرنے کو حاضر ہیں ہم ہجوِ پیمبر بھی
اور حملہ خدا پر بھی ہم پیٹ کے بندے ہیں
کعبہ کو مٹا دیجے قرآں کو جلا دیجے اسلام کی خاکستر گنگا میں بھرے بیٹھے ہم
اجرت ہمیں ملتی ہے جب آریوں کے گھر سے
پرتاپ کے دفتر سے روٹی کے یہ صفحے ہیں
ناموسِ عرب کیسا! یثرب کا ادب کیسا! ہے مایہ جو ہو ایسا! کعبہ کا وہ رب کیسا!
ہم رہتے ہیں بھارت میں لچھمی کا جو زیور ہے
کانِ گہر و زر ہے چاندی کے سکے ہیں
ہم بھوکے ہیں روٹی کے محتاج لنگوٹی کے روزی کے لیے مضمون سکہ دینے ۔ لچھمی کے
اسلام کے بے فکرے چلاتے ہیں جھلا کر
یہ ماتھے پہ تل لا کر مضمون گندے ہیں گالان کیا رہے ہیں

۷ر نومبر ۱۹۲۷ء

ووٹ

(۱)

منڈلو ہے حقیقت راز اور مجاز ووٹ
کرتا ہے ناؤ نوش کا افشا راز ووٹ

خود ووٹ خود ہی ووٹ گر اور خود ہی ووٹ گیر
کیوں پردہ دار لیگ نہ ہو خانہ ساز ووٹ

کچھ فرض یہ نہیں کہ پڑھیں وہ نماز بھی
دیتی ہے لیڈری کا جنہیں امتیاز ووٹ

محمود تھا جو ناظم بزم صنم گری
لایا برہمنوں سے چھپا کر ایاز ووٹ

مضراب مصلحت سے بجائیں نہ کیوں اسے
ہے نغمۂ ہوس کے لئے مثل ساز ووٹ

(۲)

برپا کرے گا شہر میں شور نشور ووٹ
لانے کو ہیں مزنگ سے اہل قبور ووٹ

فی پارٹی بہانۂ تحصیل ووٹ ہے
بسکٹ جو ہیں سطور تو بین السطور ووٹ

ڈرخاتیں بے وضو کی نماز اس کے واسطے
ہے زاہدان لیگ کی آنکھوں میں حور ووٹ

حکام میں رسوخ نہیں قرب حق سے کم
اس دور کے کلیم کو ہے کوہ طور ووٹ

اتنا تھے بدحواس کہ آتے ہیں آن کر
ٹھونسے دی لونڈا لیجے حضور ووٹ

ہمدم تجھے بھی چاہئے کونسل میں جد و جہد
جو تیرے کاسہ لیس ہیں دیں گے ضرور ووٹ

کچھ اور بھی ہوں شعر کہ مشکل نہیں زمیں
بکتا ہے پیسہ پیسہ میں ٹرن ڈیک و ڈرووٹ

۲۲ مئی ۱۹۱۲ء

گورا رنگ

کمزور کو لوٹ اور سستوں کا گلا کاٹ — کس سے تجھے اندیشہ ہے کس کی تجھ کو پڑی
اس عہد کے تہذیب کے فتوی پہ عمل کر — سب تجھ کو روا ہے تری رنگت ہے جو گوری

فکاہات

ہم کو بھی کفن کے لئے مل جائے گا گاڑھا
گاندھی کو ہے گر خبط جلاہے کی نلی کا

ہنگریز سے کر جھگڑے میں ہے بیٹ اور ٹن چاپ
اور خیرہ مسلماں کو ملا مونگ پھلی کا

اشدھی ابھی کہنے بھی نہیں پائی سبھا میں
اور شور ہے پہلے ہی سے بربادہ پیلی کا

بھوسا گئو ماتا کے لئے مالوی لائے
سانی کے لئے فکر ہے منشی کو کھلی کا

لالہ سے لالائن کہے ہے کیا کیا گلہ لیکن
مضمون یہ ہے مولوی ممتاز علی کا

فطرت میں عرب ہوں تو سلیقہ میں عجم ہوں
اکبر کی زباں میں ہے تخیل شبلی کا

۰ جولائی سنہ ۱۹۲۷ء

شدھی کی قاتلانہ دھمکیاں

اسلام کا جواب

ہو جائے کہیں بھی کوئی مظلوم اگر قتل
سمجھو کہ ہاں ساتھ ہی سب نوع بشر قتل

شدھی کے جہاں بیر یہ لائے ہیں سندیہ
اک دن وہ کرے گی مجھے آکر مرے گھر قتل

اے کفر کے خنجر نکل آ اپنی کمیں سے
ہر وقت میں حاضر ہوں مجھے شوق ہے کر قتل

میری بھی پیمبر کی طرح ہے یہ تمنا
ہوتا رہوں رہ رہ کے اُدھر زندہ ادھر قتل

دنیا میں مسلمان کی یہی تو ہے نشانی
اللہ کے رستے میں ہو بے خوف و خطر قتل

کٹواتے ہو کیوں سر کو زمین و زر و زن پر
ہونا ہے تو ہو نام خدا و نبی پر قتل

پیغام دیا ہے یہ حسین ابن علی نے
لاتا ہے نئی زندگی اسلام میں ہر قتل

بھارت کی فضا گونجے گی اسلام کی جے سے
جس دن خبر آئی کہ ہوا آج ظفر قتل

۲۷ مئی سنہ ۱۹۲۷ء

خواجۂ امرتسر!

میں نے امرتسر میں اک دن اپنے خواجہ سے کہا
پیٹ کے بل رینگ لیجے بندہ پرور آپ بھی

ایک تو آنا اس کی تا فربہی پر جا سے چڑھے
کھائیے ہر روز صبح و شام ہنٹر آپ بھی

ناک سے کچھ دن زمیں پر کھینچتے رہیے لکیر
پھیریے کوچی سفیدی کی بدن پر آپ بھی

بعد مغرب جائیے مسجد کو اور اس جرم میں
پیٹھ پر کھچوائیے چابک سے مسطر آپ بھی

بنئے دولہا اور نکلئے لے کے گلیوں میں برات
دیکھئے ساتھ اس کے پھر سامان محشر آپ بھی

سجدہ ٹوپی کو نہ کیجے اور اس کے ساتھ ساتھ
درس حبل من مسّن کا پڑھئے فر فر آپ بھی

چلئے سولہ میل دن میں ہانپتے اور کانپتے
پاؤں میں کچھ روز ڈالے رہئے چکر آپ بھی

بیٹھے جا کر جیل میں اور کھائیے ارہر کی دال
میہمان رہیے ذرا سرکار کے گھر آپ بھی

پھر یہ کہیے مارشل لا حشر تک قائم رہے
ورنہ ہوں گے منکر جنرل ڈائر آپ بھی

۶ فروری سنہ ۱۹۲۰ء

گیسو درازو لیوں کی کرامتیں

میں اپنی کرامت کا جھنڈا جو کھڑا کر دوں
اک رائی کے دانے کو پربت سے بڑا کر دوں

چاہوں تو کروں پل میں خشکی سے تری پیدا
سوکھے ہوئے پیپل کی ٹہنی کو ہرا کر دوں

قرآں کی فضیلت کو خود گائے سے منوا کر
گوسالہ پرستوں میں اک حشر بپا کر دوں

کافر کو کروں مومن جھوٹے کو کروں سچا
پیتل کو طلا کر دوں کھوٹے کو کھرا کر دوں

بندے سے بنا لینا انسان کا آساں ہے
میں وہ ہوں کہ انساں کو اک دم میں گدھا کر دوں

واعظ کی ضرورت کیا تبلیغ کی حاجت کیا
[illegible] طرح جو میں حق سے باطل کو جدا کر دوں

کیا ابوالکلام آزاد اسلام فروش ہیں

ہے جن کو یاد رام کی اسلام دشمنی — بھولے ہیں کیوں وہ شام کی اسلام دشمنی
اس کا عناد نام کی اسلام دشمنی — اس کا فساد کام کی اسلام دشمنی
رام اور شام کو بھی مگر ہے کہاں نصیب — ٹوڈی بدلگام کی اسلام دشمنی
ہے شعر فہمی آپ کی سمجھے ہوئے ہیں آپ — جس کو ابوالکلام کی اسلام دشمنی

کیا انقلاب ہے کہ ہو آزاد کی حریف
انگریز کے غلام کی اسلام دشمنی

---

۲۵ اپریل ۱۹۲۱ء

پُرانی روشنی

ہمارے شاہ کا ہمسر نہ دارا ہے نہ خسرو ہے
کہ اُس کی ذات پر نازاں لباسِ کہنہ و نو ہے

اگر اُس کی سلامی کے لئے نواب جھکتے ہیں
تو راجاؤں نے بھی چھدوائی اپنے کان کی لو ہے

کئی مسلک کئے ہیں لازمی تعلیم نے پیدا
احد شہ کا کوئی پیرو کوئی آغا کا پیرو ہے

عجب ہے کھیل قسمت کا کہ جیسی الکشن کی
بچھائی شیخ جی نے لالہ کو پڑی لو ہے

نہیں ہے بہرِ اظہارِ وفا لازم نمود اصلا
کہ جو شعر میں پانی نہیں مطلق مگر رو ہے

حصولِ جاہ و عزت جس وفاداری کا مقصد ہو
وہ جنسِ ناروا گندم نہیں گندم نما جو ہے

ملے گی تشنۂ عزت کو کب اعزاز کی تھیلی
مہینہ جون کا ہے اور یہ سرگرمِ تگ و دو ہے

مبارک ہے جشنِ تاج پوشی جس کے قصد میں
وہ مسجد تک چلا آیا کلب گھر کا جو رہرو ہے

مسلمانوں کی جمعیت اگر کم ہے تو کیا پروا
عدد سو کے چھپا سکتے ہوں مگر مفہوم تو سو ہے

نہیں سمجھے ہیں لیڈر اُن میں پیدا قابلیت ہے
مسلمانوں میں یہ محسن لوگ مثلِ سبزۂ خودرو ہے

خوشامد نے جلا ڈالا ہے خودداری کے خرمن کو
ذرا سی شمع ہے کم بخت اور کتنی بڑی لو ہے

ضرورت کچھ نہ کچھ دنیا میں ہے عصمت فروشوں کی
یہ روحانی قدمچہ ہے یہ اخلاقی بدر رو ہے

پرانی روشنی میں دیکھ لو بے پختگی کیسی!
کہ اب مدت سے مہر و ماہ میں قائم وہی ضو ہے

یکم جولائی ۱۹۱۱ء

ڈیڑھ سو سال کی وفاداری کا صلہ

ہو گئی تھی مجھ سے خوش انگریز — میری کوشش یہ انتہائی تھی
میں نے اپنے غرور کی گردن — ان کی دہلیز پہ جھکائی تھی
میں جو حاکم تھا خود بنا محکوم — یہ بھی اک شان کبریائی تھی
اس کے قدموں میں ڈال دی لاکر — باپ دادا کی جو کمائی تھی
تاکہ بڑھ جائے آبرو اس کی — اپنی توقیر خود گھٹائی تھی
اس کی خاطر کی جو اپنوں سے — کونسی ایسی وہ برائی تھی
آج میں ہوں اور اس کی ٹھوکر ہے — کہ اسی تک میری رسائی تھی
آج روتا ہوں میں کہ کیوں میں نے — اپنی بنیاد آپ ڈھائی تھی

میں نے اپنے کیے کا پھل پایا — اُس سے کیا میں نے کیوں کھلائی تھی
کہہ گئے خوب میرزا غالب — کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں میرا بھلا نہ ہوا

۲۳ فروری سنہ ۲۰ء

حجامت

میری داڑھی نے کیا بڑھ کر یہ آج اُن سے سوال — کیا یہاں کے نائی بھی کونسل کے ممبر ہو گئے
ہو گیا منسوخ شاید اسلحہ کا ایکٹ بھی — ورنہ کیوں ناحق بڑھے اتنے کہ نشتر ہو گئے
کس لیے کرتے نہیں قانونِ موسیٰ[1] کا نفاذ
لارڈ ریڈنگ[2] آتے ہی عیسیٰ کے کیوں خر ہو گئے

۱۔ اُسترے کو بھی کہتے ہیں ۲۔ موسائی یعنی یہودی ہیں

پیمبر کی شفاعت پر میرا حق

مراکش میں رگیدی جا رہی ہے امتِ عیسیٰ
اُدھر آقطع میں ہسپانی اُدھر ابتر فرانسیسی

مسلمانوں سے ٹکر لئے تو تھے لیکن خبر کیا تھی
پڑے گا منہ پہ اک تھپڑ تو پھر جائیگی تلبیسی

جدھر دیکھا اُدھر دشمن ہی دشمن تھے نصاریٰ کے
کہیں تھے شیخ سنوسی کہیں تھے سید ادریسی

شہادت میں جو لذت ہے اُسے یہ رنگ کیا جانے
رموزِ عَلَّمَ الاَسمَا چہ داند ذوقِ ابلیسی

برستے آسماں سے بھی نہیں پتھر فتنہ و شر کے
مگر سختی کہاں اس پتھراؤ میں ہے سنگ فلاخن کی سی

سبق لیتے ہیں ناحق بالڈون جی شاہ نامہ کا
پڑھیں بیٹھے ہوئے پریال میں بیتال پچیسی

خدا کی شان انہیں بھی شہسواری کی تمنا ہو
مقدر میں ہے جن کے لارڈ برکن ہیڈ کی سائیسی

پیمبر کی شفاعت پر مری اس عرض کا حق ہے
کہ آقا تیری خاطر میں نے چکی جیل میں پیسی

۱۶ اگست ۱۹۲۵ء

توبہ فرمایاں چرا توبہ کمتر می کنند

ہم کو تاکید ہے تصوف کی — کہ دنیائے دوں خیال مبند
ہمہ ہیچ است کارِ ایں دنیا — ہیچ را نہ برائے خود مپسند
بہت اچھا یہ فلسفہ ہے مگر — صوفیہ خود بھی اس کے ہیں پابند؟
کیا ہماری ہی گردنوں کے لئے — رہ گئی ہے نجات کی یہ کمند
خود ہی جب ٹس سے مس نہ ہوں ناصح — ہے عبث آپ کی نصیحت و پند
منع ہم کو ہے گڑ کی بھیلی بھی — آپ پیتے ہیں گھول گھول کے قند
ہم رہیں جھونپڑوں کے اندر۔ اور — آپ کا قصر ہو رفیع و بلند
آپ "نفس" بھی پڑھیں تو ہو وہ "نص" — ہم جو "نفس" بھی پڑھیں تو ہو "پاژند"
وہی حضرت ہیں لوٹ چند کی — جن کی ہے بات بات میں تا چند
کہہ گئے خوب ہی چچا سعدیؒ — ترکِ دنیا بہ مسلم آموزند
خویشتن سیم و غلہ اندوزند

۲۳ دسمبر ۱۹۱۷ء

متکلم کی ضمیر کا متصوفانہ مرجع

کیوں حضرتِ دنیا کوڑیوں کے بھاؤ نہ بک جائے
جب گم ہو حجاب میں بازارِ طریقت
قرآں میں اولی الامر کے معنی ہیں نصاریٰ
پیدا ہے کوئی پوچھے نہ متکلم کی حقیقت

مغربی بجلی اور مشرقی بھونچال

گومتی جل کر گئی راوی سے تہذیبِ فرنگ
لکھنؤ میں لاشیاں ہیں بیچ ہلال پہ
دیکھئے [illegible] ہے [illegible] پہ
مغربی بجلی [illegible] ہے مشرقی بھونچال پہ

حکمت جدیدہ

لسان العصر حضرت اکبر کے رنگ میں

فلسفہ انرجی و بنرجی

ہندو نے یہ مسلم سے کہا از رہِ غیرت — مشرق میں ہے پھیلی ہوئی مغرب کی انرجی
پھر کس لئے تم لوگ ہو اک عضوِ معطل — کیوں ہند میں اسلام کی بدلی نہیں گرجی
مسلم نے یہ حسرت سے کہا اس سے کہ بھائی! — ہم میں نہیں کوئی بھی چیٹرجی بنرجی

فلسفہ علّت و معلول

مالوی بھی علّتی اور مولوی بھی علّتی — حرفِ علّت گر نکل جائے تو ملّت ہو ایک
رنج و راحت میں برابر کے ہوں دونوں حصہ دار — ننگ و ناموس ایک ہو عزّت و ذلّت ہو ایک
متحد ہو جائیں باہم سارے مسلم اور ہنود — تفرقے مٹ جائیں ان کے کثرت و قلّت ہو ایک
ڈھانپ لے دونوں کو دامن رحمتِ اسلام کا — کیمیا خانے کے اندر حرمت و حلت ہو ایک

حکمت قدیمہ

(وہ بھی جناب لسان العصر کے انداز خاص میں)

نکتہ وحدت واجب الوجود کی نئی تفسیر

اَلْوَاحِدُ لَا یَصْدُرُ اِلَّا الْوَاحِدُ

مسلم میں پہلے اور نہیں کچھ اور بعد میں
اُمّت میں ہیں یہ سہم جنابِ رسالت مآب کی

جغرافیہ سے ہم نہ کبھی ہوں گے منقسم
تاریخ لاجواب ہے اِس انتخاب کی

واحد ہی کا صدور ہے واحد کی ذات سے
یہ انتہا سمجھیے ہمارے حساب کی

لیکن کچھ اس زمانے میں ایسے بھی ہیں ننگ
ڈالی انہوں نے اس پہ نظر احتساب کی

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی
پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی

۹ ستمبر ۱۹۱۷ء

علامہ طرزی کی غزل کے انتظار میں

گل و نسریں نے طرزی کو لبھایا ہے مصوری میں
وہ کاش اک شرح لکھتے میر دل کی ناصبوری پہ

چڑھی لندن کے چولھے پہ ہے لائڈ جارج کی ہنڈیا
نیا اک حاشیہ لکھنے کو ہوں میں بھی قدوری پہ

تمہارا دور ہے یا کوہ ہے نزدیک مس لیے ریوٹر
نہیں الزور جو ہاتھ آئے بس پڑتا ہے نوری پہ

کہیں مسلم بھی ایمان بلا زر بیچ سکتے ہیں
ہنسی آتی ہے مجھ کو ناسمجھوں کی بے شعوری پہ

میں سوز درد دل سے ایشیا کو پھونک سکتا ہوں
مگر موقوف ہے اظہار درد دل حضوری پہ

---

۲۴ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء

پردہ اور پبلک

مشرقی تنگنائیوں میں جو نہ پاتے تھے بار
خوش نما اخلاق میں تہذیب کے ڈھلنے لگے

رات اک محفل میں تھے [illegible] ٹ سے دو چار شیخ
شمع پر [illegible] پبلک آ کے منڈلانے لگے

سقف بھی [illegible] ن [illegible]
[illegible] آ [illegible] والوں کے اندیشانے لگے

وقت آ پہنچا کہ سوچیں [illegible] تحسین [illegible]
البتہ [illegible] کی طرح [illegible] نے لگے

جو روایات اس قدر [illegible] والوں کو [illegible]
[illegible] سے کیوں آپ ان کو بھلانے لگے

آپ کیوں ان [illegible] میں شرم
[illegible] آ [illegible] سے [illegible] شرمانے لگے

آپ کیوں کترا کے میداں کی طرف جاتے نہیں
تا کہ دشمن آپ کی سطوت سے تھرانے لگے

ہوش اڑاتے شہ والوں کے ہیں کیوں [illegible] کے آپ
جامِ غیرت ناحق ان کا آپ چھلکانے لگے

وقت آ پہنچا کہ میرا [illegible] نگار
[illegible] سے اپنا [illegible] لگے

الٹی سمجھ

کچھ تو انگریزوں کو بھی یا رب دیا ہوتا کبھی　　تو نے کیوں اے خدا نے کاہیں غم دیا
یہ گزارش کر فرشتوں سے کہا بدل نہ ہو　　ہم نے آج ان کو بھی اپنا الٹی سمجھ دے دیا

کلیسائے عیسوی

عمل سختی سے اس قانون پہ ہوتا ہے مغرب میں　　کہ کھل سکتا نہیں دروازہ کالوں پر کلیسا کا
کہا اس پہ یہ اک گورے نے عیسیٰ بھی تو کالے تھے　　نہ کیوں اپنا اٹھا لیں مسیح ہو لو جائیں عیسیٰ کا

دلوانے دو

نال پر مجھ سے ملے کچھ بہاری متاپہ — بن سکے اعزاز کی فہرست میں خانے دو
یعنی ہیں لائے بھی آپ اور بہادر بھی ہیں — بزم اور رزم میں اب ہیں یہی افسانے دو
مجھ سے کہنے لگے آپ ہی کو زیبا ہوا — اب نظر آئیں گے ناہوں میں فرزانے دو
باغباں کی یہ عنایت ہے کہ فرما ہی دیا — بلبل کو قفس میں آنا جانے دو
رائے صاحب نے کہا یہ سن کے تو بس اجی — آپ شافعیں سے ہیں مجھے پڑھانے دو
حضرت فدوی نے یہ ہدایت کی ہے — کہ دل بنا ہے اپنا سے بہانے دو
حکم ہے پیر مغاں کا کہ صمانت کی شراب — ان کو بھی پینے دو اوروں کو بھی پلوانے دو
آج کل میں بلا انبار سبھی گھاتے ہیں — ان کو ملتے ہیں روپے میں نقط آنے دو
خود کو اس کی نہیں پروا مری گیت ملال — کہ یہ یغولوں نے گنڈے ہیں بن جانے دو
مجھ پر اور آپ پہ اٹھتی ہے یہ چھیتی سربلند — ایک ہے دام فریب اس کے ہیں یہ دانے دو
لاٹ صاحب کہ حکومت کی ہیں شمع محفل — ہیں اسی شمع فروزاں کے یہ پروانے دو
ایک ہی ناز ہے جسم کے یہ کیسے یاد رہیں — ایک ہی جام ہے جس کے ہیں یہ پیمانے دو
[illegible] ممتاز — ایک بت ہے مگر اس کے ہیں صنم خانے دو

رائے صاحب متبسم ہوئے اور مجھ سے کہا
لوگ جھلائے ہوئے ہیں انہیں جھلانے دو

چیخ لینے دو انہیں شور یہ آخر کب تک
شوق سے ان کو گلا پھاڑ کر چلانے دو

بے سبب آنے بل ابرو پہ تیوڑ سے لینے دو
گرم ہوتے ہیں جو بے وجہ تو گرمانے دو

دیکھتے دیکھتے ہر شعلے سے اگ آئیں گے پھول
اور تنور رقابت انہیں بھڑکانے دو

طعنہ دیتے ہیں بری طرح اگر تم کو بھی
اس خرافات سے تیور پہ نہ میل آنے دو

میں بھی جاسوس سہی قوم کا اور تم بھی سہی
خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

۲ ستمبر ۱۹۱۷ء

پدّی

مسلمان ہو گئے دو ایک مرتد
تو اسے حق کے پرستارو ہوا کیا

یہ شدھی کیا ہے اور اس کی کیا حقیقت
یہ پدّی کیا اور اس کا شوربا کیا

مولوی بخاری

وہ مسجد سے آخر نکالے گئے　　امامت کا ہاتھ ہی اٹھا لے گئے
ہوا خاتمہ آپ کا اس طرح　　[illegible]
منافق ہیں خاشاک و خس کی مثال　　[illegible]
نہ سمجھو کہ مسجد ہی سے آستیں　　[illegible]
مسلماں کو ہے قصد آشفتگی کو　　[illegible]

مسیحا سے کہہ دو کہ یورپ کا تاج　　[illegible]
ہمیں اور دنیا میں کیا چاہیئے　　[illegible]

امام دکن دور موسے ہیں آپ　　[illegible]
عوض مسجد کے [illegible]
بجز اس کے اور آپ کیا لے گئے

۱۲ جنوری ۱۹۲۰ء

پبلک سیفٹی بل

نہ بم سے ڈر اور نہ پستول سے — ہے جیسے بلا کا ہمارا پٹیل
معاً سیفٹی بل کو ٹھکرا دیا — منہ سے چھٹنے پائی نہ اوروں کی بیل
تھا اپنی ہی مجلس میں اپنا دیا — تھی اپنی ہی بتی اور اپنا ہی تیل
وہی آشنا ہے جو درد آشنائے وطن — جو ہرگز نہ ہو جان بُل کا دبیل
مسلماں بھی ہو لیں اسی میں شریک — تو ہوتا ہے آج اس کا ہندو سے میل
وہ اس وقت اسلام کا نام لے — ڈرائے جب اس کو نہ پھانسی نہ جیل
حرم تک نہ جائے کیونکہ وہ اونٹ — کلیسا نے تھامی ہو جس کی نکیل
محمد علی اس سے سیکھیں سبق — نہ سمجھیں سیاست کو بچوں کا کھیل
یہ کھیل آپ کھیلے مگر اس طرح — کہ غلا ہیں آپ اور حکومت غلیل

سلامت رہے اس کا خوانِ کرم
اور اس خوان پر چاہ کی ریل پیل

۱۳ اپریل سنہ ۲۹ء

سودائے خام

ہوا ہے جذبہ پیدا انگشتیوں میں جو حکومت کا — مگر سمجھے نہیں اب تک وہ اس جذبہ کی خامی کو
اڑا سکتے نہیں جو ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی — نکالیں گے وہ بحث لس شرح تو یوں لٹے نامی کو
جھکائی جس نے گردن اپنی غیر اللہ کے آگے — مسلط کر دیا اللہ نے اس پر غلامی کو
فقط اتنا ہی آزادی پہ حق ہندو مسلماں کا ہے — [illegible] نظامی کو
تمام اس ملک میں جو کچھ ہے گانوں میں الشان — مدلل کرتے ہیں ثابت نہیں اپنی ناتمامی کو

مسلمانوں سے پوچھو ہندوؤں سے پوچھ لیا ہو
مری شیوا بیانی کو مری شیریں کلامی کو

۲۸ اگست ۱۹۲۸ء

تخییل ہفت رنگ

جولائی ۱۹۱۲ء کی حیات عموی پر تبصرہ

ہندوستان کی چھیڑ گئی اخبار عام سے — گویا جھڑپ ہوئی ہے رسپے کی پیام سے
وہ برق پا ہے اور ٹکے گز کی اس کی چال — چھکڑا انکل کے جا نہیں سکتا ٹرام سے
رستہ ہے سنگلاخ ہمیں خوف ہے یہی — ٹھوکر نہ کھا کے گر پڑیں لالہ دھڑام سے

اخبار عام کا نہ ہو کیوں سوقیانہ رنگ — منطق ہی مستعار جو لی ہے عوام سے
سٹھیا گئے ہیں لالہ بڑھاپے کا دور ہے — چڑھتا بخار ہے انہیں سائنس کے نام سے
فرماتے ہیں کہ قتل حبیب علی ہوا — مسلم سب انسپکٹروں کے اہتمام سے
لالہ کو آٹے دال کا آجائے یاد بھاؤ — نالش کا طشت پھینکیں یہ افسر جو بام سے

مسلم کی بدنصیبی سے ارباب حل و عقد — غافل ہیں شائد آگرہ کے انتظام سے
سر سلی پور ٹرچ ہیں ساقی، انجمن — لائے ہیں خم بھرا ہوا ایک او لڈہام سے

رسیا ہیں صاحب کے لالہ بھی اور شیخ بھی مگر
گیلن ہے ان کو شیخ سے ان کو رام سے

اخبار مسلموں کے نہیں چلتے بائیکاٹ
لالہ کا پیٹ اب تو بھرا اشتہار سے

کافر کے دل میں زہر ہے امرت زبان پہ
سیکھو دو رنگیاں یہ بہت لالہ رام سے

تھا اللہ اللہ پھر یہ دن بھی نصیب ہیں
ظالم کہے ہے بات مری رام رام سے

جنت میں شیخ جی سے کہیں کیا نہیں ہے جا
کیوں ضد ہے دوزخ کو چھوڑ بت کے نام سے

ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں سن لو کہ گوش ہوش
بدلیں گے ہم نہ شیخ کو روم اور شام سے

تم چاہتے ہو شیخ سے غزنی بنے ہی ہے
اور تالیہ لالہ کا ہو اتنا تمام جام سے

کچھ بھی اگر خدا نے تمہیں دی ہے سمجھ بوجھ
خالی رہو دماغ کو بس حرص خام سے

یہ چھیڑ چھاڑیاں ہمیں اخلاق نہیں پسند
رکھتے نہیں ہیں واسطہ ہم اپنے کام سے

کیا فائدہ ہے مرادِ وصال کا
کیوں دوست دو چیں نہیں کیا سا پیام سے

ہوں مثل ہو دل سے علما سارا پیار
جمشید ہے نہیں اپنے جام سے

پیغام جنگ آ گئے الہ دونوں بیدیں
انداز ہو آسمان کی ایسے پیام سے

بچوں کے ایک تحریب ہے تو بابل کا الکیا
وہ خوب ہے آسمان کی برق و غمام سے

سنتے ہیں سرکشن کی کماں اب اتر گئی
معزول ہو گئے ہیں وزارت کے کام سے

سالار جنگ کو یہ قلمدان مل گیا
حق دار کو ملا ہے حق اپنے نظام سے

تم ہو ہمارے مرکز اقبال کے مدار
کہتے ہیں آصف اپنے مدارالمہام سے

برسات کی بہار کا آغاز ہو گیا
اب یار لوگ لطف اٹھائیں گے آم سے

سیراب ہوں گے کھیت نکھر جائیں گے شجر
اور سبزہ سر نکالے گا دیوار و بام سے

آئیں گے جھونکے عطر میں بس کر نسیم کے
نکلے گا دم بدم نہ پسینہ مسام سے

کچھ پردہ در یہ چاہتے ہیں گھر کی عورتیں
لوگوں کے دل کو خوش کریں دیدار عام سے

اک میرزا الجھ گئے مغرب کی زلف میں
پھنس کر نکل سکے نہ وہ لندن کے دام سے

بے پردگی کی لذت عریاں کو دیکھ کر
بول اٹھے فائدہ نہیں کچھ روک تھام سے

مسلم بھی عورتوں کو کھلے منہ کرائیں سیر
پردے کو کیا غرض ہے حلال و حرام سے

ڈپٹی کمشنری بھی خدائی سے کم نہیں
اس کے گنہ ہیں پاک تھے جو اتہام سے

کرتا ہے نقش [illegible] عجب اک تمیز رنگ
سر ہو گئے [illegible] [illegible] ہم سے

سارے میاں ہوتے ہیں پھیلا ہی پڑ گئی
[illegible]

مسلم دعائیں دیتے ہیں صاحب کی جان کو — فارغ ہوئے غریب کھیتی کے کام سے

بانکا دیال جھنگ سے لاہور آگیا — شاکی ہے اس سے جھنگ خاص و عوام سے
لٹھ ہاتھ میں لئے ہوئے لڑتا ہے چوکھی — ہندو سکھ راجپوت سے اشرار عام سے
میدانِ جرم کے جتنے سوار ہیں — تنگ آگئے ہیں اس فرس بدلگام سے

ایسے بھی ضلعدار ہیں جہلم کی نہر پر — آباد کار کانپتے ہیں جن کے نام سے
بیچارے کاشتکار کا گھر لوٹ لوٹ کر — کوٹھے سب اپنے بھر لئے ہیں جنس خام سے
چمڑی ہی خواہ اتار کے دینی پڑے اسے — ہے لالچی کا کام بڑا اپنے دام سے
ان لالچی سے وقت پہ گر ہوتی پوچھ گچھ — گیہوں گڑ اور کپاس نکلتی گدام سے
موجود اب بھی ریل کی ہیں چند بلٹیاں — منگا نہیں ہیں اپنی جو تو اور فرام سے

حاسد کے تن بدن میں حسد کی لگی ہے آگ — اک اک شرارہ چھوٹتا ہے اک اک مسام سے
یہ آگ وہ ہے جس کی جلن لاکھ تب — بڑھ کر ہے تب ہاویہ کے اضطرام سے
کیسے گداز شمع گداز حسود سے — پگھلا یہ صبح سے وہ پگھلتا ہے شام سے

اک یونیورسٹی ہمیں خود اپنی چاہیے
ہو یاد تازہ قرطبہ جس کے نام سے

ملتا نہیں وہ علم ترستے ہیں جس کو ہم
بیگانہ بوئے گل سے ہے ہمارے مشام سے

ممکن نہیں کہ قوم کی اصلاح ہو سکے
تدریس و درس حال کے بگڑے قوام سے

ذوق زباں ہیں ہارسڈن اور لتھبرج کے نام
ہم بے خبر ہیں طبری و ابن ہشام سے

بیت الصنم کو آنکھ کے بل اور سر کے بل
جاتے ہیں کنی کاٹ کے بیت الحرام سے

مشہد میں روح امام کی ہے تلملا رہی
محشر بپا ہے روس کے طرز خرام سے

روضے سے حال زار ہمارا نکل کے دیکھ
فریاد کر رہے ہیں مسلماں امام سے

آزاد جس زمیں میں کل تک تھے اہل دیں
آج اُن کا حال اس میں ہے بدتر غلام سے

بجلی اطالوی کی رگ میں تڑپ گئی
جب تیغ تیز ترک نے کھینچی نیام سے

چمکا طرابلس میں ستارہ وہ صبح کا
تھے جس کے انتظار میں بیدار شام سے

اور یہ ستارہ پیش رو آفتاب ہے
ہوگا جو اب طلوع حجاب ظلام سے

آگاہ راز قوت اسلام سے بھی ہو
کل شب کیا [illegible] یہ ولیم نے ٹام سے

یہ قوت یگانہ، دیا ٹام نے جواب
سیم اور زر سے ہے [illegible]

یہ آہنیں طلسم جو ہے فارغ از شکست — قائم ہے پنجگانہ قعود و قیام سے
شوقِ جہاد سے اور شہادت کے عشق سے — اور آرزوئے نصرتِ دار السلام سے
پہنچا نہیں ہے پیکِ خیال آن تلک جہاں — اسلام جا پہنچتا ہے اس اونچے مقام سے

کچھ ہم کو ڈر نہیں کہ ڈرانے لگے ہیں ہم — یہ مخالفہ ہم نے ہماری پیام سے
اسلامیوں سے وعدۂ فتحِ قریب ہے
ثابت ہے میری کتب نہ کے عادت سے

۷ مئی ۱۹۱۲ء

مولانا طرزی

عقدہ جو تھا شرق لیلیٰ شناس سے کھلے — وہ شاہ دست ہم و طرزی آ گئے
شیشہ دیر اب پیچ سے جو شراب پیا — پینے یکبار کے کام سے دوزخ آ گئے

الصلح خیر

نواب ذوالفقار علی خاں کو چھیڑ کر　　عزت رہی سہی بھی گنوا بیٹھے لاجپت
چھپتے ہیں دم دبائے ہوئے لومڑی کی بُت　　پنجاب کیسری کی بنا لی گئی وہ گت
بیگانۂ عقل سے ہے بنارس میں مالوی　　مونجی کی ناگ پور میں ماری گئی ہے مت
ہے تیج اور ملاپ میں نسبت قریب کی　　وہ جھوٹ کا نچوڑ ہے یہ گالیوں کا ست
وہ بندے ماترم جو کبھی تھا وطن پرست　　اب کانگرس کی کرنے لگا وہ بھی مقت
دھرم پت پہ گا رہا ہے دیانندیوں کے گن　　بھیشم کو بھی سناتنیوں کی پڑ گئی ہے دھت
ہندو سبھا کے کام نہ آئیں گے شنت سنگ　　جیندر پال پہ پڑ لی جو خدا شنت کی ایک چپت
پرشوں کے سنگٹھن سے نہ جب کچھ بھی بن سکا　　اب دیویوں کو کرنے لگے ہیں وہ سنگٹھت
ٹامی سے لڑ سکیں جسے ملتا ہے روز بیف　　ہے دال کھانے والوں میں اتنی کہاں سکت
اے کفر کینہ جمع ہو تیرے ہی سینہ میں　　اسلام کا حساب ہے اس بنک میں جلت
آندھی ہے اُس کی تاک میں اقبالِ غیب کی　　جس ڈھائی دن کے جھونپڑے کی آڑ میں چھپت
"فوارہ چوں بلند شود سرنگوں شود"　　شدھی کی یہ بھی ہوئی ہے دولت یہی الٹ

کلکتہ تجھ کو شملہ سے بھیجا سری نواس بنگر کہ از کجا بکجا می فرستمت
سن لیں پیام ہم سے بھی "الصلح خیر" کا وہ سب سناتنی جو ہیں بھگوان کے بھگت
سکھوں سے دشمنی کوئی اسلام کو نہیں اسلامیوں کے بھائی ہیں جو خالصہ ہیں نت
پرتاپ کے لیئے نہیں باقی بچا کوئی
تھی اتنے قافیوں ہی کی اس نظم میں کھپت

---

۱۳ نومبر ۱۹۲۶ء

ہندو

ہر ایک پرش ہو بھارت کا ہمسر ٹیگور ہر استری کا تخلص سروجنی ہو جائے
ہر ایک شہر میں ہو دیا کا دان اتنا کہ ملک بھر میں جو کنگال ہے دھنی ہو جائے
کرشن اور بدھ ششٹ ہر اک بالک ہر ایک کنیا سیتا و پدمنی ہو جائے
نہ امتیاز رہے ذات پات کا کچھ بھی
ہر ایک شودر کی لڑکی برہمنی ہو جائے

۹ دسمبر ۱۹۱۶ء

مالوی جی اور اُن کے سمدھی

مالوی جی گرچہ شدھی کے علم بردار ہیں
پاسیوں کے اور چماروں کے بڑے غم خوار ہیں

بھنگیوں کے ساتھ بھوجن چکھنے سے جن کو ہو عذر
آپ ہو جاتے ہیں اُن کے گلے کا ہار ہیں

دے چکے ہیں آپ کو درشن کنہیا اور کپل
آپ کی نظروں میں پرمیشر کے سب اوتار ہیں

آپ کو ان دیوتاؤں نے دیا ہے یہ پیام
خوش ہیں ہم ان سب سے جو کرتے دلت اُدّھار ہیں

الغرض اٹھے ہیں لے کر آپ جھنڈا دھرم کا
منتظر جس کے حرم کے بھی در و دیوار ہیں

لیکن اپنے کنبہ والوں سے ہے اُلٹا ہی سلوک
اپنے سمدھی تک سے آپ آتے نظر بیزار ہیں

گو ہے باہر کیا داماد کیوں اُس نے پسند
اس خطا پر اُس کو دکھلانے لگے پیزار ہیں

مرتے دم سمدھن کی صورت تک نہ دیکھی آپ نے
آپ کی آنکھوں میں پھول اُس کے ابھی تک خار ہیں

اُس کی ارتھی لے کے جو شمشان بھومی تک گیا
برہمن بھی تھا تو اُس سے جنگ کو تیار ہیں

کیا یہی وہ سنگھٹن ہے جس کا چپو تھام کر
مالوی کرنے چلے جاتی کا بیڑا پار ہیں

اس دھرم سے کیا ڈریں گی ہمتیں اسلام کی
جس کے گھر میں لعنتوں کے اس قدر انبار ہیں

ڈاکٹر کچلو

پچھاڑ کھاتے مل پنجاب کے ہجرت پسندوں نے — کہ دشمن قوم کے اور ملک کے ہیں ڈاکٹر کچلو
کوئی گالی نہیں ایسی جو ان کو دی نہ جاتی ہو — مسلط ہو گئے ہیں جب سے مسلم لیگ پر کچلو
یہ تعلیق پھبتی ان پہ ہر محفل میں اڑتی ہے — کہ ٹیڈی ہیں اگر جینا تو ہیں عیسیٰ کے خر کچلو
کوئی زیر لب غضب سے کٹکٹا کر دانت کہتا ہے — کچلنا چاہیئے جس کو ہے اس فتنہ کا سر کچلو
کبھی پھبتی یہ تھی جلسہ لاہور کی رونق — لگا دیتے اگر اڑ کر نہ کلکتہ کی ڈک کچلو
غرض جس رنگ میں دیکھو جہاں ڈھونڈو وہی ہیں — یہاں کچلو وہاں کچلو ادھر کچلو ادھر کچلو

یہ عزت پا نہ سکتے گر نہ اتنی گالیاں کھاتے
گن ان کے گائیں گھر میں بیٹھ کر اب عمر بھر کچلو

رجعت پسندانِ لاہور کی طرف سے سائمن کمیشن کی حمایت

لاہور میں سائمن کمیشن کی آمد پر ۲۰ فروری ۱۹۲۸ء کو ہڑتال ہوئی۔ سر محمد شفیع، ڈاکٹر اقبال، سر ذوالفقار علی خاں اور سر عبدالقادر وغیرہ نے ہڑتال کو ناکام بنانے کے لئے اس مضمون کے اشتہار اپنے دستخطوں سے شہر کے در و دیوار پر چسپاں کرائے کہ ہڑتال مسلمانوں کے حق میں سخت مضر بلکہ مہلک اور خودکشی کے مترادف ہے۔ اس پر ذیل کے اشعار پیر [illegible] نظم کئے گئے۔

ہائے کیا اسباب رجعت پسندی کی دلیل — قبر آزادی کی کھودی کس نے؟ سر اقبال نے

دشمنانِ ہند کو خوش کرنے کی خاطر شکست — آپ اپنی قوم کو دی کس نے؟ سر اقبال نے

کاٹ لی پنجاب کی [illegible] سے اپنے ہاتھ — آبروئے ملت کی [illegible] کس نے؟ سر اقبال نے

تھی ضرورت جس کی [illegible] آئے نظم میں — [illegible] کس نے؟ سر اقبال نے

ہند کے ناموس کی تذلیل سے لاہور میں — بھر دی انگلستان کی گودی کس نے؟ سر اقبال نے

کہہ رہے تھے ڈاکٹر عالم بہ فضل حق آج
قوم کی لٹیا ڈبو دی کس نے؟ سر اقبال نے

[illegible] ۱۹۲۸ء

میرزا ہادی علی بیگ اور پوجیہ پاد مالوی جی

وطن سے نوکری کی جستجو میں — بنارس کو گئے ہادی علی بیگ
جہاں چرچا ہے گھر گھر دیوتا کا — چڑھی رہتی ہے مایا کی جہاں ریگ

برستی ہے جہاں دولت چھنا چھن
پرکھتی ہے جسے "جالی" کھنا کھن

بیچارے سے میرزا ہادی علی بیگ — سنا کرتے تھے یاروں سے وطن میں
کہ سب سے پوجیہ ہیں مالوی جی — ہیں ساجھی خویش و اغیار کے دُکھ میں

ہیں شیخ و لالہ ایک اُن کی نظر میں
اگر ہوں ایک سے فضل و ہنر میں

یہ پوچھا آپ سے نایک ایرے — کدھر ہے مالوی جی کی حویلی
کھلایا ہوں یہاں اُن سے لپٹنے کو — ہے سب کی دنیا کے کرشن کی بھیلی

خدا شرمائے ایسے حسن ظن کو
جو حبل اللہ سمجھے سناتن کو

مغل تھے اور وہ بھی رام پوری — رگِ گردن میں اسلامی اکڑ تھی
اِدھر بازو میں تھا تر کا نہ کس بل — اُدھر پنجہ میں افغانی پکڑ تھی

انہیں دیکھا تو جیالی نے کہا بیر
یہ سمجھے سر پہ آ پہنچی ہے تقدیر

مخبروں کے سے پکارے مالوی جی — نکالو اِس مُسلّے کو یہاں سے
ملیچھوں کا مرے پھاٹک پہ کیا کام — اسے پہنچاؤ آیا ہے جہاں سے

لگے سرکار کی دینے دہائی
کہ ہے یہ دہلوی "نازی" کا بھائی

بنارس میں مچا کہرام گھر گھر — لرزنے لگ گئے شُدھی کے چیلے
یہی کہتا تھا ہر ہندو کہ ہے رام — بچا ہم کو کہ آ پہنچے رہیلے

پولس کی دوڑ پہنچی سن کے یہ غُل
کہ ہو جائے نہ شُدھی کا کہیں قُل

کیا قابو بچارے میرزا کو — کہ شاید کوئی خنجر ہو بغل میں
تلاشی میں مگر کچھ بھی نہ نکلا — کھلی ساری حقیقت پل کے پل میں

فضیلت کی سند تھی یا قلم تھا
یہی ملزم کا پستول اور بم تھا

مگر بیکل تھے اب بھی مالوی جی — کسی ڈھب سے نہ ضد پاتی تھی ڈھارس
کہے جاتے تھے کیا معلوم تم کو — کہ یہ تغلق بھی ہو دراصل سارس

کئی دن تک رگیدا اور جھنجھوڑا
پولس نے جب نہیں مرزا کو چھوڑا

کوئی اس سادہ دل مسلم سے پوچھے — بھلا بت خانہ میں تھا کیا ترا کام
گیا کیوں آستانِ کفر پہ تو — ترے آگے تھی جب بلیز اسلام

نہیں قشقہ لگا سکتا جبیں پہ
تو کر صبر اپنی ہی نانِ جویں پہ

۱ جون سنہ ۲۷ء

شدھی

یہ تاکید کی ہے گم پتا نانے — بہن اونچی کو پڑی والوں کی بوجھی
نہیں مسلم تو بن سکتا ہے کافر — کبھی مومن بھی ہو سکتا ہے شدھی

نمدا

"بھیشم" کی پہلواڑی میں پروفیسر لالہ گلشن رائے ایم۔ اے نے ۔ ارجون کو ایک نیا گل کھلایا اُس کی بہار ملاحظہ ہو۔

خواجہ حسن نظامی کے اخبار میں جو یہ خبر نکلی تھی۔ کہ شدھ ہو جاؤ اور پسند کرو۔ وہ در اصل سخت دل آزار اور ہتک آمیز تھی اور بظاہر بے بنیاد۔ وہ نکلی بھی بے سر و پا۔ جس کے لئے خواجہ صاحب کو اپنے اخبار میں گڑگڑا کر معافی مانگنی پڑی۔ بہت ترسے گیدی کی دُم میں نمدا !

لالہ گلشن رائے اب تک نہ جانتے ہوں گے۔ کہ ان کی لالا یانہ نثر کے آخری نقرہ نے خود بخود ایک مصرعہ موزون کی شکل اختیار کرلی ہے۔ جس کی سترنمانہ چستگی پر پہلا حق شاعری کا ہے کہ وہ قیامت تک ان کے حصہ میں نہیں آسکتی۔ پھر بھی ہم ان کے الفاظ کی کورانہ مؤونیت کے ممنون ہیں جس نے ذوقِ سلیم کو ذیل کا پھڑکتا ہوا ترانہ سجھا دیا۔ لالہ صاحب ناراض نہ ہوں۔ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سُنے۔

سُندر ناریوں والی لاری | جب ہوئی ثابت اصل سے عاری
خواجہ نے فوراً کر دی تلافی | مانگ لی لالاؤں سے معافی
صبر انہیں لیکن پھر بھی نہ آیا | جاتی کا بچھڑا یوں ڈکرایا

بہت ترسے گیدی کی دم میں نمدا

اُریوں کی اس گالی کے صدقے　　جالی کی اس کھوالی کے صدقے
خواجہ جو ہیں سچ بات کے عادی　　وہ بھی نہ کر دیں کیوں یہ منادی
سن کے جسے سر پیٹ لیں لالہ　　بہت ترے نخرے میں گرم مسالہ
بہت ترے گیدی کی دُم میں نِدا!

آلی لے ہے جب کے دیش میں شُدھی　　ماری گئی ہے جالی کی بُدھی
ہے کہیں لاٹھی میں کہیں اینٹیں!　　اُڑتی ہیں جن سے خون کی چھینٹیں
مار ترے ان غمزوں نے ڈالا　　بہت ترے نخرے میں گرم مسالہ
بہت ترے گیدی کی دُم میں نِدا!

جالی اگر بس خود ہی نہ بولتی　　لالہ کی دھوتی ڈھیلی نہ ہوتی!
پہلے جب اُس نے ہم کو ستایا　　ہم نے بھی اُس کو ناچ نچایا
دل کا بخار اس طرح نکالا　　بہت ترے نخرے میں گرم مسالہ
بہت ترے گیدی کی دُم میں نِدا!

---

۱۳ جون سنہ ۱۹۲۴ء

سپاس نامہ

دیوتا سروپ پنڈت مدن موہن مالوی کے پوتر چرنوں میں

"پرتاپ" کی زبان اور "زمیندار" کے قلم سے

اوم

(۱)

ہر سبھا میں ذکر ہے پنڈت مدن موہن ترا
نام سورج کی طرح اخبارات میں ہے روشن ترا

اس نے گویا سرب شکتی مان کا دیکھا سروپ
جس نے اٹھ کر منہ اندھیرے کر لیا درشن ترا

تو کھویا ہے تو کیا ڈر ہے دھرم کی ناؤ کو
شنکراچاریہ نے بھی سیکھا نہیں تھا فن ترا

تیر تیرا بے کماں ہے زخم تیرا بے نشاں
ناوک اندازی میں کیا ہوگا سہیم ارجن ترا

تیری جاتی تیرے احسانوں کو گن سکتی نہیں
ہندوؤں پر ہو چکا قربان تن من دھن ترا

تیرے اس اپدیش نے کایا پلٹ دی ہند کی
مشکل ایکے کے بغیر اے دیش ہے پالن ترا!

کر لیا جاتی نے جب ایکا تو شکتی آ گئی
آ گئی شکتی تو ہو سکتا نہیں کھنڈن ترا

ایک ہی مت ایک ہی بولی نہ ہو جب تک سبھی
راج کے پربت پہ جم سکتا نہیں آسن ترا

دیش کے اُپدیش دے دے کر جگاتا رہ یونہی
رات دن بھائی کی ہمت کو بڑھاتا رہ یونہی

(۳)

ہند کی عزت نہ ترکوں سے نہ افغانوں سے ہے
بلکہ تجھ سے اور تجھ ایسے دیا والوں سے ہے

بھیکھ دوت اترا ہے اندرلوک سے کاشی میں آج
اور پیام اس کا سنا میں نے بھی ان کانوں سے ہے

وقت آ پہنچا کہ پھلواری ہو بھارت کی ہری
جو خود آرائی میں بڑھ کر گلستانوں سے ہے

وقت آ پہنچا کہ نام اُچھلے پھر اُس تہذیب کا
جس کی ہستی ہے اگر قائم تو بت خانوں سے ہے

وقت آ پہنچا کہ شدھ ہو جائیں سارے اچھوت
گو نہیں اب تک دھرتی جن کے انسانوں سے ہے

وقت آ پہنچا کہ اپنوں کو یہ سمجھا دے تو
اختلاف اس ملک میں جتنا ہے بیگانوں سے ہے

ہے یہ سب پاکھنڈ پھیلا ہوا تعصب کا
دیش میں جتنی خرابی ہے مسلمانوں سے ہے

مار اک پھونک اور بجھا دے مشعل اسلام کو
سونپ دے دیا یہ مقدس کام منشی رام کو

۲۳ اپریل ۱۹۲۳ء

چند دلنشین نکتے

گورنمنٹ پنجاب کے حکم سے — بڑھا دی گئی ہے مدارس کی فیس
مبارک ہو خواجہ احمد شاہ کو — اور اُن کو جو ہیں خواجہ کے ہم جلیس
نہ تعلیم اب پا سکیں گے عوام — جہالت غریبوں کو ڈالے گی پیس
بہت آج کل ہے گراں نرخ علم — ہیں اشراف انیس اور اجلاف بیس
نہیں شوق امیروں کو تعلیم کا — غریبوں کو ملتی نہیں آہ فیس
ہے لڑکا زمیندار کا پابگل — کرے کیا وہ بنئے کے بیٹے کی ریس
بڑا ہو کے چٹخائے گا جوتیاں — بنے گا کسی ناسزا کا سئیس
یہ حالت جب آتی ہے مجھ کو نظر — تو رہ رہ کے اٹھتی کلیجہ میں ہے ٹیس
یہ گتھی جو سلجھائیں مولوی ڈین — تو دیں گے زمیندار ان کو آسیس
ہیں تو بارہ نمبروں کے اس عہد میں — کہ ہم تو رعیت ہیں اور وہ رئیس
سمجھتے ہیں کچہری میں سررشتہ دار — تو ہیں سارے صاحب عرائض نویس
انہیں ہم نے جانا تھا گوبر گنیش — مگر یہ تو نکلے بڑے ہی فریس

کیا علم تھا جس سے ہیچ دل کھول کر
سمجھتے تھے ہم لالچی کو نفیس!

جسے آپ کہتے ہیں ہندی زباں
حقیقت میں وہ ریختہ ہے سلیس
کبھی ان کو ہیرے کی کھانے کو دو
جو ہیرا کو سمجھے ہیں ہیرا کسیس
مٹے وہ زباں جیتے جی کہاں
کہ جس نے پیدا ہوں داغ و انیس

زمانہ ہمارا ہے تا ہم ہیں ساتھ
گزرنے دو سال پچپن ہیں

نومبر ۱۹۱۱

رام راج

یہ تو ممکن ہے کہ پنجاب میں اسلام کا راج
یہ نہیں ممکن کہ ہندوستان میں ہو یہاں رام راج
یوں ہی اب ہوتی رہے مومن و مشرک کی بحث
اٹھ نہیں سکتا قیامت تک بھی یارو رام راج

آزادی اور غلامی

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کلکتہ کے موقع پر جس میں سائمن کمیشن کے مقاطعہ کا فیصلہ ہوا،
اور سر شفیع کی جماعت نے اس فیصلہ سے ناراض ہو کر اپنی مسلم لیگ الگ بنا لی۔

نہیں جن کو ملی توفیق اقدام عمل اب تک ہے مرکز آج کل لاہور ان جدت پسندوں کا
ہمالے سے بھی اونچا لگ رہا ہے ڈھیر اُدی پہ وفاداری کے دفتر میں خوشامد کے پلندوں کا
کھلایا ان کو جب سینہ در افضل حق کی منطق نے تو پیٹنے لگ گئے کھسیانے ہو کر طعنہ چندوں کا
کلیسا کے یہ پیوستہ آزادی کی کیا جانیں مقام اس جذبہ کا ہے دل حرم کے دردمندوں کا
مبارک ہے یہی دنیا تک غلامی ان کو غیروں کی جنہیں کٹنا نظر آتا ہے دشوار ان کے پھندوں کا

وطن کی آبرو کے یہ حریف اچھی طرح سن لیں
کہ رب کعبہ کو پیارا ہے ناموس اپنے بندوں کا

۲ جنوری سنہ ۱۹۲۸ء

فَاعْتَبِرُوْا يَا اُوْلِی الْاَبْصَار

نظر آتے ہیں اب تک بھی مسلمانوں کی محفل میں
کہیں شاعر کہیں پنڈت کہیں بھانڈ اور کہیں بانڈی

حریف گرم جو نکل سے چڑھ دوڑا مدینے پر
گمان ان کو نئے بت ہیں تو تھی یا شرک کی منڈی

خدارا ان کی آنکھیں مولوی احمد علی کھولیں
دکھادیں گلشن کی ان کو لہراتی ہوئی جھنڈی

پھر ان کو لے چلیں شدھی کے جینو کی دکاں تک
چلن جن کا ہے سودا تولنا اور مارنا ڈنڈی

خبیثین اور خبیثات آج کل ہیں خوب زوروں پر
الگ بتشکن سے تو شدھی بھی ہے شنڈی

جنہیں لینی ہو گالی لے لیں پیتا پاپ لگاتے ہیں
لیے سنتا کر چلی ہے بھاؤ اپنا کفر کی منڈی

خدا محفوظ رکھے ان دیانندی جنیوں سے
قیامت کی ہے چال ان کی لٹکتی ہے یا کھنڈی

ہر اک ہندو کی شان ہی میں خدا نا شیر ہوتی ہے
طلا بند کر کاشی و زر علی سامول ملتوندی

---

۱۵ جون سنہ ۱۹۲۶ء

سمندِ انور

کرے گا کیا وہاں جنرل کنیوا[1] — جہاں بگڑا ہو سب آوے کا آوا
پڑھاتے تھے انہیں پٹی جینا کی — وہ پاپا جو کہ ہیں ان سب کے باوا
گلائی[2] نے ٹرپلی پر صد افسوس — کیا شیطان کی شہ پا کے دھاوا
کیا دجال نے اٹلی میں جا کر — وہاں ظلمت سے حرص و ہوا وا
چلا تازی سے لڑنے کو خرِ لنگ — قضا نے اس کو بھیجا ہے بلاوا
پھٹے گا کوئی دم میں کوہ اٹنا! — بہا دے گا تمام اٹلی میں لاوا
لڑائی کی خبر سن کر ہے بیکل — مسلمانانِ ہند و چین و جاوا
شکستوں پر شکستیں کھا رہے ہیں — ہیں رُیوٹر کی یہ سب خبریں بناوا
ہوئی پتلون ڈھیلی آبرزی[3] کی — دیا گھوڑے کو جب انور نے کاوا

غزا کا شوق اور عشقِ شہادت
مسلمانوں کو دیتا ہے بڑھاوا

۱۹۱۲ء

---

[1] اطالوی سپہ سالار [2] وزیر اعظم اٹلی [3] اطالوی امیر البحر

محمدؐ علی

نہ چھوڑا ابھی تک محمد علی کو
نہ پہنچا سکے آپ میری گلی کو

یہ کہہ دے گورنمنٹ سے کوئی جاکر
خفی کو نہ ترجیح دیجے جلی کو

سیاست کے رہبر کو لازم نہیں ہے
کہ سڑک پر چلے اور چھوڑے گلی کو

بہت آپ کو جانیں اور آپ ان کو
کہ سمجھا تھا سب نے ولی ہی ولی کو

مجھے ہے تو بس اپنے قرآں سے مطلب
میں کیا جانوں صاحب کی پا تجلی کو

شکر بانٹتے آپ پھرتے ہیں گھر گھر
ترستے ہیں مصری کی ہم اک ڈلی کو

۲۵ ستمبر ۱۹۱۴ء

ہاتھی کے دانت

سوامی شردھانند کے قتل سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات میں جو خوفناک کشیدگی پیدا ہو گئی تھی اس کے دور کرنے کے بجائے ہندوؤں کو مشورہ دیتے ہوئے پنڈت مدن موہن مالوی اور لالہ لاجپت رائے نے ۲ جنوری ۱۹۲۷ء کو ہندوؤں کے نام حسب ذیل پیغام شائع کیا۔

ہم ہندوستان کے تمام اخبارات بالخصوص پنجاب اور دہلی کے ہندو اخبار نویسوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ شری شردھانند جی کے قتل کے متعلق رائے زنی کرنے میں نہایت ضبط اور بردباری سے کام لیں اور چند دن تک اس واقعہ کی سرکاری تفتیش و ثبوت کا باقاعدہ انتظار کریں۔

اس ہدایت کی تعمیل ملاپ نے ۱۰ جنوری کی اشاعت میں یوں کی۔

آؤ اے ہندو بھائیو! جہاں ہم نے شری سوامی شردھانند جی کا ماتم منایا ہے وہاں ہم اس امر کی کوشش کریں کہ جس سے ان دشمنوں کے سارے منصوبے خاک میں مل جائیں جنہوں نے شری سوامی شردھانند جی کو شہید کر کے یہ سمجھ لیا ہے کہ انہوں نے شدھی اور سنگٹھن کے سرکردہ رہنما کو مار لیا ہے۔ مخالفوں نے بزدلوں اور پستولوں کے ذریعے ہمیں صاف اور واضح چیلنج دے دیا ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اس چیلنج کو بے پروائی سے ٹھکراتے ہوئے مستانہ وار آگے بڑھتے جائیں۔ اور اس وقت تک دم نہ لیں جب تک اپنے تمام گمراہ بھائیوں کو شدھی کا امرت اور آب حیات نہ پلا لیں۔

لالہ لاجپت رائے کے اخبار "بندے ماترم" میں ۱۷ جنوری والی ہدایت پر یوں عمل کیا گیا۔

کون کہتا ہے سوامی مر گئے ہرگز نہیں! — موت کے پردہ میں مرنا اک بہانہ ہو گیا
ورنہ کرنے کیلئے شدھی گئے افلاک پر — اہل جنت کی بھی شدھی کا بہانہ ہو گیا
جنت الفردوس میں شدھی کی لہریں دیکھیو — کھل گیا رستہ اُدھر کا آنا جانا ہو گیا
چرخ ہفتم پر بھی آخر لگ گئے شدھی کے کیمپ — واں بھی استادہ ہمارا شامیانہ ہو گیا
منتظر ہو کر مرتب جائے گی شدھی کی فوج — قافلہ سالار پہلے ہی روانہ ہو گیا

حامی جنت والے بھی ہندو بنائے جائیں گے
سوامی شردھانند کا وہاں بھی گھرانہ ہو گیا

بسمل الہ آبادی حسب گذارش ملاقات سے متاثر ہو کر اشعار ذیل سپرد قلم کئے گئے۔

کوئی مالوی جی سے جا کر یہ کہہ دے — ستائے ہوؤں کو اگر تم نے چھیڑا
تو نکلے گا سب اضطراب ان کے منہ سے — کرے غرق لنکا میں شدھی کا بیڑا
نہیں پائیں گے لوگ آپ لڈو — جنہیں آپ سمجھے ہیں متھرا کا پیڑا
سلا دیں گے جاتی کی چوٹی کو کس کے — اڑا دیں گے ایک ایک ٹانکا ادھیڑا
کہ بس ایک لامی گئے اچھی تو بس بھی — لڑا کوئی مردہ جو تم نے اکھیڑا

جہانگیری دینِ برحق کی زد سے بچے گا نہ بھارت کا کوئی بھی کھیڑا

ہیں ہم تم سے خوش اور ہمارا خدا خوش
اگر چھوڑ دو سنگٹھن کا بکھیڑا

۸ جنوری ۱۹۲۷ء

فکاہات

عشائے ربانی

ملوکیت کی ربانی عشا میں شراب ناب ہے پنجاب کا خون
یہ ہے وہ مے جس کی حقیقت بتا دیں گے ملک فیروز خاں نون
کیا کرتے تھے قربانی کی تلقین جنہیں ازبر تھے آزادی کے مضمون

مگر جب امتحاں کا وقت آیا
تو ڈھیلی ہو گئی یاروں کی پتلون

حدیثِ آرزومندی

کچھ ایسی اٹھ گئی قانون انگریزی کی پابندی
[illegible] پابندی

وہ نازک ہاتھ [illegible] انگلیوں [illegible]
[illegible] حنابندی

ادھر [illegible]
[illegible] خورسندی

یہ مانا [illegible]
[illegible] آرزومندی

[illegible]
[illegible]

وہ لمحہ [illegible] کلیوں میں [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible] لطف خداوندی

۲۰ مئی سنہ ۱۹۲۳ء

جان بل کا شکر

لگا جب سنکھ بجنے سنگٹھن کا — پھٹے جب کان اس کے شور و غل سے
تو ایوانِ حکومت میں پہنچ کر — کہا بدھو میاں نے جان بل سے
مری اک عرض سن لو بندہ پرور — اگر فرصت ہو تم کو جان بل سے
جسے تم بھیرویں سمجھے ہے دیپک — نہ تم کو بھی کہیں تان اس کی جھلسے
کریں گے مالوی جی تم کو محروم — کسی دن اختیارِ جزو و کل سے
پکڑ کر کان شردھانند جی پھر — گزاریں گے تمہیں شدھی کی پل سے
لہکتا دیکھ لو گے لالہ کا باغ — جو پھولے گا تمہاری فصلِ گل سے
ہمیں تو کچھ نہ کچھ پھر بھی ہے امید — نزولِ رحمتِ ختمِ رسل سے

مگر تم ان مہا بیروں کے ہاتھوں
بچو گے کس طرح اور کن سبل سے

کلوا تا گلو

فی البدیہہ

[illegible]

ہیں الاسلم الا حجت کا مجھو کا ؟ — بنی رت دا جہاں کلوا تا گلو کا
نیستان وحدت ساقی تیرے — پلا دے مجھے بادہ لاتقنطوا کا
پشاور کو جنت خالی کیا ہے — وہاں جائے دیکھا تو عالم تھا ہو کا
شہادت کے خوں سے لہا رہا ہے لام — مزا چکھ لیا ہے مجھے اس وضو کا
دکھائے گا اللہ نصرانیوں کو — تماشا حباب لب آب جو کا

کہا بڑھ کے ایک از بیوی نے — وہاں جب گیا تا سلسلہ جستجو کا
شہادت کی سارا اسلام پہ چھت
چھپا اس میں ہے راز حق بندہ کا

[illegible]

چندہ کا صحیح مصرف

لکھا ہے "خلافت" نے کہ چندہ کی ضرورت — ہرگز نہیں قندھار کے اربابِ وفا کو
قندھار کو جانا بھی نہیں مصلحتِ وقت — کیا جانئے منظور ہو کیا اُن کی ادا کو
مانا کہ فرح بیز ہے غزنی کی فضا بھی — کیا پہنچے کی چوپائی کی جاں بخش ہوا کو
چندہ ہی اگر آپ کو دینا ہے تو صاحب
دلوائیے کچھ آج خلافت کے گدا کو

۲۳ مارچ سنہ ۲۹ء

آئینہ

پوچھا انہوں نے ہنس کے یہ مجھ سے براہِ طنز — جب کرنے آئے جیل کا اک دن معائنہ
کیسی ہے اور کہاں ہے حکومت کی شیطنت — میں نے کہا جواب میں پیش اُن کو آئینہ

ملّائے شور بازار

شور بازار کے ملّا پہ خدا کی پھٹکار !
اس سے بچ جائے تو پھر آلِ عبا کی پھٹکار

گرم بازار کیا فتنہ و شر کا اس نے
مومنو! اس پہ امامِ شہدا کی پھٹکار

دشمنِ دینِ مبیں سے جو ادب اس نے کیا
اس پہ اسلام کی سنت کی نقبا کی پھٹکار

جو نصاریٰ کی موالات کو ٹھہراتے ہیں فرض
اس پہ اُن سب فقہا اور علما کی پھٹکار

اس نے سوچے تھے نئے [illegible]
[illegible]

[illegible] ۱۹۲۹ء

لیڈر کی نوعیت

لیڈر کیسے اور کس قسم کے ہونے چاہئیں، شاعرانہ تخیل کی دنیا سے اس سوال کا بھی حل لیجئے :-

جناب بسمل کا قول ہے :-

لیڈر تو نام ہے قلم احتساب کا — لیکن قلم میں لغزش مستانہ چاہیے

سی۔ آئی۔ ڈی کا ارشاد ہے :-

لیڈر وہی ہے جس کو ہو سی۔ آئی۔ ڈی کا ڈر — خوف خدائے پاک سے اصلا نہ چاہیے

کبیدہ خاطر معتقدیان قوم فرماتے ہیں :-

فرزانگی کی قدر نہیں اس زمانہ میں — لیڈر اس اعتبار سے دیوانہ چاہیے

مسلم لیگ کے ریزولیوشن متعلقہ میکڈانلڈ کے نکتہ چینوں کا گروہ از راہ تعریض پکارتا ہے :-

لیڈر وہ ہے جو گائے کی سیوا کیا کرے — لیڈر کو گھاس چاہیے ادوانہ چاہیے

ایک ہندو آواز کہتی ہے :-

ہے لیڈری کا لازمہ دعوئے ہوس و دل — گیسوئے لیڈری کو یہی شانہ چاہیے

ایک مسلمان آواز کا دعویٰ ہے :-

لیڈر وہ ہے جو دینِ محمدؐ پہ ہو نثار　　لیڈر نبیؐ کی شمع کا پروانہ چاہیے

عوام الناس کا خیال ہے :-

جو ڈر گیا تو قید سے اور تازیانے سے　　لیڈر ہماری قوم کو ایسا نہ چاہیے

بونڈلا کی منطق

شرابِ مغرب کا ساقی ادھر بھی ایک کنڈلا　　ادا کر جس کے غم سے غم ہوئے سرشار بونڈلا

عجم کے جام میں منظور ہے تجھ کو جہاں بینی　　تو میکش کے لئے پیالہ تب کا سر سرا

رسولؐ اللہ کے دربار میں گر نذر دینی ہو

تو مسلم کے جگر سے لعل اپنے ٹکڑوں کو بھر لا

بشائر

ندوی کی شان

شاہ جماعت کی مشہور آنسہ بیگم کو — آئیں یالوی تھیں شان لاجپت سنگھ
شیخ جی سے تھے آپ اتنے تنگ — چند ہی سال بعد کس قدر پلٹ گئے
دوران کی ارض کا اسلامی ہے — بیچ کے اس کی عبارت ہم است گئے

بنارسی خشت پارے

جنہوں نے مسلمان کے سر کو تاکا — ان پر جن سے اسلام کے خون کی چھینٹیں
جو کرشنوں سے اچھلیں تو کانوں میں ناچیں — وہ میر یالوی جی کے سینے کی انگیٹھیاں!

مومن کی شان

نگلنے اس حقیقت سے شاید ہے بے خبر — وہ جو مومن ہے کبھی کافر سے پٹ سکتا نہیں
ڈاکٹر مونجے نے چلے لاکھ سنبھالیں — تاقیامت ہند سے اسلام مٹ سکتا نہیں

سول اینڈ ملٹری گزٹ اور بلدیۂ لاہور

سول خوش ہو کہ رعب اس وقت ہے برقرار اس کا
ابھی تک دبدبے ہیں ساتھ وہی کے پیار اس کا

کبھی کو گالیاں دینا کسی پر پھبتیاں کہنا
کسی کا منہ چڑا دینا یہ بچپن سے شعار اس کا

شکوا دے غیر بازاری مہم کو سول پر
اگر بلدیۂ لاہور پر ہو بہتان باراس کا

ابھی تک جانی واری دیا گیا تھا کچھ پیسے
کی نیٹ سمجھے آیا ہے بتیس ہزار اس کا

تہی دستی میں بھی خالی نہیں ہے کیسۂ مسلم
عرب اس کا عجم اس کا عراق اس کا تتار اس کا

---

۱۰ فروری ۱۹۲۱ء

وطن پرست اور سائنس پرست

سرکار میں ہے مرتبہ جن کا بڑھا ہوا
احرار کی نظر میں ہیں سب کے گھٹے ہوئے

اغیار کا مقابلہ کیا جب ہمارے دل
ہوں ایک دوسرے کی طرف سے پھٹے ہوئے

آیا ہمارا نام تو سرکار کے غلام
بولے کہ بدمعاش ہیں یہ سب چھٹے ہوئے

ہم نیکبخت نہیں نہ ہی کمبخت ہیں
میدان جنگ میں ہیں ابھی تک ڈٹے ہوئے

وہ سائنس پرست ہیں ہم ہیں وطن پرست
ان دو پرستشوں کے ہیں حلقے بٹے ہوئے

کیا کم ہے یہ شرف کہ سبق جی حضور کا
کچھ ان سروں کی طرح نہیں ہم رٹے ہوئے

---

۱۷ فروری سنہ ۱۹۲۹ء

لاہور کی سائنس نواز خاتونیں

سرجان سائنس کی ملاقات کا جنوں — کچھ پردہ دار بیبیوں پہ بھی سوار ہے

پوچھے کوئی کہ شرم تمہاری کدھر گئی — تہذیب ہند کا جو پرانا شعار ہے

چہرے سے کیوں نقاب یکایک اٹھا دیا — [illegible] کی بات [illegible] ہے

کیا آج بھی آدمی ہیں [illegible] — وہ سائنس [illegible] پہ پردہ کا [illegible] ہے

ڈاکٹر سے [illegible] رہ گئے — [illegible] پہ دم [illegible] شمار ہے

انہوں نے دونوں سے جو نسخہ لکھ دیا

[illegible]

[illegible] مارچ ۱۹۲۸ء

بچپن کی لٹس کا فسانہ

بچپنے بہلایا کس کس بہانے سے — طعنے دلائے سارے زمانے سے
روٹھا بھی نہیں اب مجھ سے — مانا بھی نہیں اب منانے سے

میں باز آئی دل کے لگانے سے

میرے آنچل میں جب نشاں کیا — اپنے دامن کو مجھ سے چھڑاتا گیا
میرے سپنے میں تانے چھپایا گیا — سو ہنستا آیا اور رلاتا گیا

میں باز آئی دل کے لگانے سے

سکھیوں سے لگ کے جھانے کا فن — چنچل دل ٹیک کے پھیر دل جلانے کا فن
بے نیازی کو آنکھیں دکھانے کا فن — ناز و ادا سے آنکھیں چرانے کا فن

میں باز آئی دل کے لگانے سے

---

۲۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء

انقلاب

انقلاب زمانہ دیکھے گا — کل جو تھے دوست آج ہیں دشمن
قطع رشتے ہوئے اخوت کے — بھائیوں کا بگڑ رہا ہے چلن
جھک گئی تھی جو بار احساں سے — اب اکڑی ہوئی ہے گردن
میرے دامن نے دی پناہ جنہیں — ہاتھ ان کا ہے اور مرا دامن
مجھ پہ چلنے لگی مری ہی سناں — اب وہ ہیں گیسو اور ہیں گل پیش
ہوتی آئی ہے یوں ہی دنیا میں — رسم ہے روزگار کی یہ کہن
خوب فرما گئے ہیں سعدیؒ — کس نیاموخت علم تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

۱۴ جنوری ۹۲ء

صلائے خاص

ایک انگریز کی صلائے عام کے جواب میں

کام جلسوں سے چلے گا نہ ریزولیوشن سے
ہم نشیں کاٹ ہے آہن کی فقط آہن سے

ہم نے آندھی کبھی چلتی نہیں دیکھی اب تک
خواہ کتنی ہی ہوا دی گئی ہو دامن سے

بوزنہ کرمک شب تاب کو آتش سمجھا
کیا یہ آگ ہے جو لائے ہو تم گلخن سے

جلوہ یار کے مشتاق ہیں مشتاق نگاہ
کب ملے ملتے ہیں زنبور بھری روزن سے

ہفت خواں ہے یہ بابانہ غنیمت جانو
دولت اسلام کی بچ جائے اگر رہزن سے

غلغلہ گنبد افلاک میں ڈالو تم بھی
بلبل آئی ہے یہ پیغام لیے گلشن سے

در خور بیعت مسلم ہے جسد کی تائید
لازم امداد ہے اسلام کی تن من دھن سے

چاہیے رستے ہوئے زخم کو سینا بھی ضرور
مرہم لطف لگا دے یہ کہو رگ زن سے

جان بچ جسم کی دہائی ہے کہ ڈاکٹر ہے
آپ سینے کو بچاتے ہیں کسی شیون سے

نعوذ اللہ کے بندے ہیں مسلمان تمام
اس لیے ضد ہے ان انگریز کو اس فن سے

کیا نہیں آپ کی ملت بھی رعایا اس کی
خوشہ چیں کیا نہیں انگریز بھی اس خرمن کے

جارج کو تاج دنگیں کس کی نوازش نے دیا
پوچھئے جا کے یہ نکتہ اسقپ لندن سے

آپ کو اپنی حکومت کی بقا ہے مطلوب
ہم ہیں وابستہ خلافت کے مگر دامن سے

چال وہ چلئے کہ دونوں کو ہو دنیا میں قیام
تم نہ آئینہ بنو ہم بھی نہ ہوں دست و گریباں سے

ہند میں آپ سلامت صد وسی سال رہیں
خوف ہو آپ کی طاقت کو نہ کچھ لینن سے

مانٹیگو کو یہ مرا پیغام پہنچا دیجیے
بہ ادب عرض یہ ہے حضرت چیمبرلین سے

کانپوں کے قلمرو میں وقت ہو کہ ان کی ندیا
کام تمہیں سے لیا جائے اسی نیت سے

---

۱۳ دسمبر ۱۹۲۰ء

مشیر حسین قدوائی

اپنے بتلانے سے وہ شوق ہے تنہائی کو
ہے تماشہ وہ تو سب سے بھی تو نہیں ذاتی کو

سیکھیں گا ندھی و نہرو سے میں تنہا آئے ہیں
سکھئے جا کے یہ شوق فن آزادی کو

لکھنے تین ہیں یہ زمانہ ہوا ہے ایک خدا
کرنا ہے اب سب سے جا کے ہم کی آزادی کو

پنڈت نانک چند کی سائمن پوجا

مسلمانوں میں بے شک ہے [illegible] نانک چند [illegible] — [illegible] کا [illegible] ٹوڈی ہیں
نہیں ہے ہندوؤں میں بھی [illegible] — [illegible] سب میں نام آور یہاں نانک چند ٹوڈی ہیں
ہے یوں تو سائمن کو [illegible] — [illegible] کے نانک چند ٹوڈی ہیں
کھلے ٹوڈی [illegible] — [illegible] لیکن چند ٹوڈی ہیں
ہے ان کا پیٹ [illegible] — [illegible] آج [illegible] ٹوڈی ہیں

[illegible]
[illegible] ٹوڈی ہیں

---

۱۴ نومبر ۱۹۲۸ء

لاجپت رائے کی آخری فرمائش

لاجپت رائے نے تقدیر سے فرمائش کی | کہ مجھے چاہیے اب [illegible] لاہوت کی میخ
ہر وہ ضرب لگی جس کے بدن پر [illegible] لاٹھی | بن گئی [illegible] تابوت کی میخ
[illegible] | [illegible] وقت کی میخ
شیخ کی [illegible] میں لاٹھی [illegible] | [illegible] کی میخ

تو ڈیوڑھی [illegible]
[illegible] یا قوت کی میخ

لاہور لیگ

۱

کوئی کہتا ہے لیگ ہے لاہور کی لیگ | [illegible] ہے لاہور کی لیگ

جس نے علامہ اقبال کو بدمست کیا
آج اسی نشہ میں سرشار ہے لاہور کی لیگ

جس سے پنجاب میں ناموس کا جاتا ہے دیا
آج اسی تیل کی محتاج ہے لاہور کی لیگ

جتنے اس ملک کے ٹوڈی ہیں بنا ہے ان سے جہیز
کرفلانی کی طلب گار ہے لاہور کی لیگ

سالکؔ اس کا ہے امام اور ہے مسیحی نقش نبی
خانۂ مہر میں سرکار ہے لاہور کی لیگ

فتنہ پردازی اگر حق ہے تو ہے
تو ستائش کی سزاوار ہے لاہور کی لیگ

جنس دشنام ہے جس ادب میں ارزاں
تو ہندستان کی خریدار ہے لاہور کی لیگ

اگر امرا میں شامل ہیں آغا خان بھی
تو زمانہ کی اہرار ہے لاہور کی لیگ

آپ خود سر میں کہیں اسے دیوانہ مگر
اپنے ہر کام میں ہشیار ہے لاہور کی لیگ

جان و دل سے ہے فدا جن مسلمانوں پہ
فقط اسلام سے بیزار ہے لاہور کی لیگ

مفتی لندن کا اگر آئے تو قبل از مغرب
روزہ کھلوانے کو تیار ہے لاہور کی لیگ

مل گیا ہے قوم کے غداروں کو
حکومت کی وفادار ہے لاہور کی لیگ

---

۱۱ نومبر ۱۹۳۶ء

صوفیانہ کنکوے بازی

کر لیا میں نے انتظام ڈور کا اور پتنگ کا
چرخ پہ مجھ کو اب تماشا ہے پیا رنگ کا

حلقۂ گردن نیاز بن گئے گیسو دراز
[illegible] ہوا ہے [illegible] عشق کے آہنگ کا

حی علی الفلاح کا [illegible]
[illegible] ڈھنگ کا

اب نہ وہ ناصحا رہا اور نہ وہ [illegible]
[illegible] آب و رنگ کا

[illegible] نہیں ظلم سے [illegible]
[illegible] رنگ کا

وہم ہوا ہے سرنگوں عقل ہوئی ہے سرفراز
آئینہ نہیں [illegible] زنگ کا

راہ تو ہے یہ مستقیم [illegible] قوم
[illegible]

[illegible] ۱۹۱۲ء

خیال آرائی

نام لیوا شرع کا ہے [illegible] مشرب آزادہ ہے
کیوں نہ ہو آزردہ دل ہے اور خواہر زادہ ہے

پوچھنا کیا صوفیوں کی بزم [illegible] کا رنگ ہے
یہ وہ محفل ہے کہ جس میں سادہ ہے اور بادہ ہے

ہیں تصوف کے نشے میں [illegible]
[illegible] سجادہ ہے

یہ تصوف بن گیا [illegible]
[illegible] اسلام میں جادہ ہے

کتنے پانی پیر [illegible]
[illegible] تسبیح رواں آمادہ ہے

کیوں [illegible] صورت [illegible] شعار
[illegible] جادہ ہے

اب ہمیں اسلام کا ڈنکا بجانا چاہیے

قول اکبر ہے [illegible]
[illegible] دنیا میں بجانا چاہیے

اس کے شہزادہ کا لازم ہے گرد دل نزل
ظالموں پر بس یہی بند لگانا چاہیے

بندہ کہتا ہے تیاریاں کی ابھی ساعت ہے دور
ہم کو بس ابھی تیور دن بچانا چاہیے

ہمتِ مسلم تو ہے چوتھے فلک سے بھی بلند
اس سے بھی اونچا مسلمانوں کو جانا چاہیے

ضامنِ امن و اماں ہے مصطفٰےؐ کا نامِ پاک
بس ہمیں اس نام کا ڈنکا بجانا چاہیے

روضۂ اقدس پہ جا کر ہم کو با صد درد و کرب
حالِ زارِ اسلام والوں کا سنانا چاہیے

وہ جو یثرب میں پڑا سوتا ہے میٹھی نیند سے
مسلمِ بیکس کے نالوں سے جگانا چاہیے

ایک ڈبکی مارنی لازم ہے گنگا میں ہمیں
ایک غوطہ آبِ زمزم میں لگانا چاہیے

گلشنِ اسلام میں فصلِ بہار آنے کو ہے
بیج تازہ تازہ سبزوں کو مل کے لگانا چاہیے

بندۂ مسلم کے گھر ہے پیدا ہوا اقبال
جشن دونوں کو خلافت کا منانا چاہیے

۲ جنوری سنہ ۱۹۲۰ء

صوبہ آگرہ و اودھ کی اندر سبھا

ناظر کو دلہن چاہئے پیرانہ سری میں   موقع ہے گورنٹ مشاطگری کا
لندن سے ہراساں نہ ہو گلفام ہمارا   وصل اس کو میسر ہے جہاں سبز پری کا

ہلٹ سے کوئی جا کے کہے خان بہادر   اے تو کہ خداوند ہے خشکی و تری کا
راجاؤں کو تسخیر کیا ڈال کے ڈورے   شہرہ ہے جہاں میں تری جادو نظری کا
اک تیرے کرشمے سے ہے محمود ایاز آج   انعام ملا باز کو بے بال و پری کا
بس چل نہ سکا کس لئے تیرا املا پہ   الزام دیا ان کو جو شوریدہ سری کا

جب تو ہے کہ ناظر کو بھی تسخیر کرے تو
ہم کو بھی یقیں آئے تری باخبری کا

---

۱۲ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

فلسفۂ فرنگ

قامتِ شرق پر بھی راست آئے تو ایک بات ہے
یوں تو ہے جامہ دریدہ زیب فلسفۂ فرنگ کا

رشتۂ سوزن یقین ہی خود رفو نہیں
عقلِ قلیل ادھیڑ دے بخیۂ قبائے تنگ کا

مجھ کو بچا لیا ہے بس اک بات صوفی نقشبند نے
کھینچ کے نقش کھو دیا مغربیوں کی جنگ کا

گو ہو بسا ہوا لہو موجِ ہزار رنگ سے
گر ہو نکالنے کا شوق خوف نہ کر ذرا زنگ کا

۔ نومبر ۱۴ء

لاہور میں سر جان سائمن کا استقبال

سوا گت ہے نرالا سائمن کا
نشا آتے ہی تولا ڈھائی من کا

یہ گویا اسکو الہام نہیں ہے
مگر اس بہت کچھ بھی غم نہیں ہے

یہ وہ گولا ہے جس کا نام مس یو | لیا کس نے ہیں پڑھ کر ہم نے بسا دیو
جو گندھی سی کی بندے ماترم ہے | تو شورا اس کا غوغائے حرم ہے
پھر اک گوشے سے کول انداز لٹکے | لٹکے سے زمانہ جس سے سر پا زنگے
چپ باندھے ہوئے سنا ر آتے | وطن آزاد قوم کے سپہ دار آتے
طلاقت منہ پہ آزادی کا غازہ | غلامی کا نکلتا ہے جنازہ
ذرا انگریز دن کا ہو چکے لالوں ہیں | وہ نوذی گھس گئے اپنے بلوں میں
ہوئیں کیا پستیاں آج انتقالی | کہاں ہے آج مذہب پیر کالی
کدھر ہیں اب یہ بد اندیش امت | بڑی کیا اس سے ہو گی ان کی ذلت

کہ بیچ ہے پولس کے سامنے ہے
اور ان پر شہر سارا خندہ زن ہے

یکم نومبر ۱۹۲۸ء

موتمر شملہ کی گفت و شنید کا انجام

شگفتہ نہ ہوا گل کرم کے لئے جنگ کا | چل گیا شملہ بہادر سے نارنگ کا

گائے اور باجے پہ موقوف اس کی صلح و جنگ
پوچھنا کیا ہند کی تقدیر کے نیرنگ کا

پھیر دیتے جانی کے گھر میں آکر ہنسی ہنسے
مالوی جی نے لگایا ڈھیر خشت و سنگ کا

اس کے غل اور شور میں دب جائے گا بانگِ اذاں
ہے یہ مقصد گھنٹے کے سازِ بلند آہنگ کا

ہاتھیوں سے جھٹ نکل آئے سبھی ست گو لیے
بین کی جھنکار سے گونجا جو ساحل گنگ کا

پرش جانے یوں کبیت اور انکی استریاں پت
دیس ہوگا جب کہیں ہندو سبھا کے ڈھنگ کا

آریوں کی طرح اپنوں سے بھی کرتی ہو جو ضد
ہم نشیں تو بھی چڑھا جا اک پیالہ بھنگ کا

ناچتے ہیں جو مسلماں ہندوؤں کے تال پہ
دل خراش و جاں ستاں ہے زمزمہ ان کے چنگ کا

لالہ جی یورپ گئے اور لیتے آئے ارمغاں
افترا ہائے صریح و عذر ہائے لنگ کا

نخوتِ لیڈر اگر لندن کو ارزانی ہوئی
بادۂ کاشی کو بھی دیکھا یہ اور رنگ کا

ہم بھی منہ تکتے تھے میٹھی اور سلونی کا لیا
پار اگر بیڑا نہ ہوتا اپنے نام و ننگ کا

صفحہ صفحہ میں ہیں مانی کی نگار آرائیاں
نقطہ نقطہ میرے خامہ کا ہے نقشِ ارژنگ کا

۲ نومبر ۱۹۲۳ء

ٹوڈیوں کی جناب میں چند بے تکلفانہ گزارشات

ملک فیروز خاں کی آستاں کو سجدہ کیا ہو
کہ بیت رہنے لگے ہیں ٹوڈیوں کے ٹولوی کیسے

مسلمانوں کے قتل عام کا افسانہ سنتا ہو
تو سنئے انقلاب اِس کے شہر آشوب بادی ہے

گماں مجھ نے لگا دو بارہ پریشانیاں کا
جناب حضرت سالک کی شان بدلتی ہے

کبھی تھی جس پہ کل تو استعمال ان کی بھی
سے تجدید مرام آج اس جاہل بخاری سے

میں آتا نے تصوری شرم ہے ہیچ نظر میں
کہ دل لیتے ہیں یہ اُن کے دوستوں کے ساتھ چوری سے

عبوساً قمطریرا اس کو کہہ گئے آتش
اب اس سے بھی نہیں کہ ہے فقط فضل نصیر اُن سے

سرا آج نہیں تک شام تک جن کو سراپا تھا
یہ سب باتیں ہیں مگر آپ ہی کی کاسہ لیسی سے

شدھی کی آنکھ اور سنگٹھن کا ہاتھ

این شوخیِ چشمش بین واں دستِ بے باکش نگر

صدا کل شب یہ آئی مالوی جی کی حویلی سے
تمہاری آبرو کا صاف پانی سے بھی سستا ہے

وہاں ملنے کی دھمکی ہو رہی رگ جی پنتھ کی
بغل میں سنگٹھن والے ہیں شدھی کا لبادہ ہے

ستائش کر رہیں سیوا جی کے بابا آغا خاں بھی
بتے تجھے یہ پتا کہ یہ دو پونا کا رستہ ہے

گرو گل چند اسے اور بنا ہو رہے ہیں لال
ادھر بجلی چمکتی ہے ادھر بادل برستا ہے

پڑا ہے سنگٹھن سے اور شدھی سے ہمیں پالا
ادھر اس بھڑ نے ڈنک مارا ادھر وہ ناگ ڈستا ہے

ہماری آبرو کا خون ہے کاشی کی گردن پر
اور اس کے قتل پر پنڈت مدن موہن کا رستہ ہے

---

۱۳ مئی ۲۷ء

ہیموں بقال کی فوج

شدھی کے صدر دفتر میں بجا جب سنکھ
گھس گئے چاروں طرف سے آ کے پانی پت میں جاٹ

جس کو دیکھا تھا وہ الٹا سا اٹھا باندھے ہوئے
ہم تو یہ سمجھے تھے رکھ کر آئیں گے سر پہ وہ کھاٹ

لٹ گئے تکیے یہاں ان ندیوں کے سامنے
گرچہ ان کی منزلِ مقصود تھی جمنا کا گھاٹ

چلتے تھے یہ سمجھ کے دھاوا ان کا ہے اسلام پر
کر دیا لیکن پولیس نے سب کا تین پاٹ

شہر کے ہندوؤں کو بھی خود اپنی اپنی پڑ گئی!
ان سے کام اس سنت کیرتن ہی کی آئی نہ بات

ہیمو تو تھے سب بڑھ کے پیشانی پہ ہولی
مالوی جی بن گئے تھے بڑھتے ہی لاٹ

۲۴ اگست ۱۹۲۵ء

چند اچھوتی تشبیہیں

سورج سے بھی رخشندہ تر اک مطلعِ روشن کہوں
الحمد للہ الذی لم یتخذ ولداً کہوں

"حالی" ہے پٹری ریل کی کانٹا ہیں جس کا ٹوٹی
اور سرسید بانی کو میں ریل کا انجن کہوں

فطرت میں جس کی رچ گئی اسلامیوں کی دشمنی
میں کیوں نہ اس بدبخت کو ابلیس کا درشن کہوں

پیروں کی خلوت گاہ پر پڑ جائے گر میری نظر
یا افسانہ پیکو میں اک نا آسن کہوں

قادیں جیتی جانے لگیں تقسیم در تبلیغ کی
کیا ولی منتی اور بہل نیرنگ کا چورن کہوں

دل نام کیا لیا قادیاں تیرے کہے کو
دعا کھول برلن کھول پیرس کھول لندن کہوں

---

۱۰ جولائی سنہ ۱۹۲۶ء

شیعی اور بریلوی

شیعہ بریلوی سے گلے مل رہے تھے آج
اور خصوص میں دونوں کا تار و در مل گیا

کندھا دیا جنازۂ ملت کو جب نے
دونوں نے ایک قبر پہ پتھر کی سل گیا

کھولی گئی کتاب مقدس کی آبرو!
اور سنت و بدعت کا پاپڑ بل گیا

اب دعوئے اعجاز کی جس کو نہ آئی راس
ہندوستاں میں وہ نیا گل بن کے کھل گیا

جچنے لگا تھا قوم کے جس جسم پر یہ پھوڑا
وا سر تا ہمارے سینے ناخن سے چھل گیا

مجلس کے لوگ بیٹھے ہی تھے کیا اٹھے
جس وقت اُن کے پاس ضیافت کا بل گیا

۱۸ اکتوبر ۱۹۲۶ء

باب [illegible] خلافت

[illegible] خلافت   [illegible] خلافت

[illegible] خلافت

[illegible]   [illegible] خلافت

[illegible] خلافت

[illegible]   [illegible] خلافت

[illegible] خلافت

[illegible]   [illegible] خلافت

[illegible] خلافت

[illegible]   [illegible] خلافت

[illegible] خلافت

[illegible]   [illegible] خلافت

[illegible] خلافت

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کونسلوں کے شیدائی

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible]

[illegible]

لارڈ لارنس کا بت

۱۵ اور ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۵ء کی درمیانی شب کو کسی نامعلوم منچلے نے موقعہ پا کر لارڈ لارنس کے مجسمہ کی تیغ و قلم کو ایک ہی ضرب میں نابود کر دیا اور اس طرح پر صرف اہل پنجاب بلکہ تمام اہل ہند کی طرف سے عملی طور پر اس بت کے سوال کا جواب ان الفاظ میں دے دیا۔

کہ نہ ہم تلوار کی حکومت چاہتے ہیں نہ قلم کی بلکہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر حکومت کی جائے۔ ایک غیبی ہستی نے پولیس کو اس واقعہ کی اطلاع کی زحمت نہ دی گئی۔ اشعار ذیل اس واقعہ سے متاثر ہو کر لکھے گئے۔

ٹوٹا قلم اور ساتھ ہی تلوار بھی ٹوٹی — لاہور میں کیا کام اب اس نادرہ بت کا

البتہ ضمانت کسی دینار کی لے کر — کر دیجیے چالان کسی اک شہری بت کا

دھمکا نہیں سکتا ہے اب اس ملک کو لارنس — پڑتا نہیں احسان سے سبق ہوئی بت کا

مانا کہ ملائک تھی سے آپ کو تسکین

ہمت نے غنا ہے ملکوں کو بھی مرتے کا

لالہ کی مہک

پرتاپ کی نثار بندی کے جواب میں

پنجاب ہند میں ہے سرمدی بلا — پیوستہ نئے طوفاں نئے نئے

بھارت میں گل کھلے ہیں نگاریں نئے نئے — ہوتے ہیں کل بیاں زباں نئے نئے

شدھی و سنگٹھن میں یہ تقاضے ہیں خیالیں — آزادی کے ہیں عنواں نئے نئے

الجھا ہوا ہے ابھی پرتاپ — پیدا ہوئے ہیں دشمنِ ایماں نئے نئے

پرتاپ کا دماغ ہے ... استعمال — پھیلے ہوئے ہیں جام ہیں پنہاں نئے نئے

ہندوستاں کے باغ کے مالی ہیں مولوی — ویرانی چمن کے ہیں ساماں نئے نئے

ہیں لاجپت کہیں تو کہیں مالوی ہیں یاں — ہیں قصرِ اتحاد کے درباں نئے نئے

ہندو سے اس طرف تو اُدھر شیخ سے ادھر — ہیں آندھیاں نئی نئی طوفاں نئے نئے

اسلام اپنے فرض پہ قائم ہے — باندھے ہیں نفرت و شک کے پیماں نئے نئے

صبح وطن ہے شام ہے پیدا ہو رہی — لائی ہے رنگ گردشِ دوراں نئے نئے

ثابت کبھی ہوا نہ کسی کا ... شعر — شاعر نئے ہیں غزل خواں نئے نئے

دار التکفیر بریلی

اوڑھ کر حامد رضا خاں آ گئے بدعت کا لحاف
ذات ان کی ہے مجدد بات ان کی لام کاف

مانچسٹر کے کفن بسازوں سے لایا ہے ادھار
شرک کی انتہی بریلی کا یہ بڈھا نوباف

بیچ میں کھٹمل بھرا گودڑ ہے پھیلا یا ہوا
گرچہ آتا ہے نظر "اعلیٰ رضائی" کا غلاف

پیکر طاغوت ہے یا ہے "رضائے مصطفیٰ"
باپ تھا اس لاش کا سر اور بیٹا اس کی ناف

شغل ان کا ہے تفسیق مسلمانان ہند
ہے وہ کافر جس کو ہو ان سے ذرا بھی اختلاف

جب سے پھوٹی ہے بریلی سے کرن تکفیر کی
دید کے قابل ہے اس کا انکشاف و انعطاف

سید احمد خاں پہ سب و شتم کی بارش کہیں
اور کبھی علامہ شبلی کو گالی دل شگاف

جو حریف اسلام کا ہو آپ ہیں اس کے حلیف
اس کے دشمن آپ ہیں جو ہو نصاریٰ کے خلاف

کاٹ دی کیوں نجد کے خنجر نے زنجیر حجاز
یہ وہ سنگین جرم ہے جو ہو نہیں سکتا معاف

ہم مٹا دیں گے زمانہ سے نشاں اسلام کا
بندہ پرور کہہ نہیں دیتے ہیں کیوں صاف صاف

زندگی اس کی ہے ملت کیلئے پیام موت
کر رہا ہو جو بجائے کعبہ دل کا طواف

چو کی لفظی تحقیق

شیخ اور برہمن کی جھڑپ

اشنان کرنے گھر سے چلے لالہ لال چند — اور آ گئے آگے لالہ کے اُن کی بہو گئی

پوچھا جو میں نے لالہ لائن کہاں گئیں — نیچی نظر سے کہنے لگے وہ بھی "چھو" گئی

میں نے دیا جواب انہیں از رہِ مذاق — کیا وہ بھی کوئی چھت تھی کہ بارش سے چو گئی

کہنے لگے کہ آپ بھی ہیں مسخرے عجب — اب تک بھی آپ سے نہ تمسخر کی خو گئی

"چو" ہوشیار پور میں ندی سے ہے مراد — بی بی تمیز بھی وہیں کرنے وضو گئی

میں نے کہا کہ "چو" سے اگر ہے مراد "جو" — پھر یوں کہو کہ "تا بہ لبِ آبِ جو گئی"

کیوں اینٹھتے ہیں بان کے آنٹے کی طرح آپ — دھوتی سے آپ کی نہیں ہلدی کی بو گئی

لطفِ زباں سے کیا ہو سروکار آپ کو — دامن کو آپ کے نہیں تہذیب چھو گئی

ہندی نے آ کے جیم کو چے سے بدل دیا — "جو" آئی او بہار میں گلشن سے جو گئی

لہجہ ہوا درشت زباں ہو گئی کرخت — لطفِ کلام و شستگیٔ گفتگو گئی

معنی کو ہے گلہ کہ ہوا سب تباہ میں — شاکی ہے لفظ کو کہ مری آبرو گئی

افسوس ملک میں نہ رہی فارسی کی قدر
مستی اڑی شراب سے پھولوں سے بو گئی

۲۹ اگست ۱۹۱۴ء

انوارِ معرفت

شعرائے ربانی کا طلوع

اوڑھنی سالوس کی پردیبانی ہوگئی — یہ مثل مشہور شعری کی زبانی ہوگئی
صوفیوں نے شاعروں کو درسِ قرآں دے دیا — یاد ان کو بیتِ بشمہ کی کہانی ہوگئی
کوزہ بھی ہے کوزہ گر بھی ہے گلِ کوزہ بھی ہے
بس اسی پر ختم ان کی لن ترانی ہوگئی

۳ نومبر ۱۹۱۴ء

تصوف کی شانِ امامت

مسجد میں تالیاں

اک مسجدِ طریقت سے نہ جا دیں تالیاں
اب جیب نو کا شریعت نے بنا دیں تالیاں

ڈھونڈتی پھرتی ہے شاید شان امامت یا اثر
وہ عجب ہے کس زمیں کا جس کا میں ہوں ڈالیاں

پھوٹ کر قرآں سے بیتنا اغراض یا کے لفظ
کیوں نہ ہوں یہ صوفیوں نے اپنی گردن ٹالیاں

کیا زرِ احمد کی تھی کان شریعت میں کمی
آپ نے کانوں میں کیوں پہنی ہیں سونے کی بالیاں

حشر والے دن جنابِ مصطفیٰ ہوں گے ملول
پیش ہوں گی جب تصوف کی یہ خوش اعمالیاں

مدرسہ پڑھ کے آپ ہیں کیوں شہ سے سلام کو
شرع کو بھاتی نہیں یہ آپ کی نقالیاں

اب نہ مقصود ہیں نہ وہ اب اگلی سی رعنائی کہاں
وہ نہیں پیرایۂ بیعت کے لئے ولالیاں

۱۰ نومبر ۱۹۱۸ء

قصوری کی ملتھی کابل کے سر دے

ازبر تھی تب کنز اور قدوری — اور ان کی رمزیں بین السطوری
ہر شرط ایمان ہوتی تھی پوری — اب بھی ہوں مومن لیکن تیوری

یا شیخ عبدالقادر قصوری

مجھ کو جب اپنا بیمار سمجھا — عیسیٰ مرض کے اسرار سمجھا
تیمار میرا بیمار سمجھا — تم سے رہے ہے شربت بزوری

یا شیخ عبدالقادر قصوری

ہے لاٹ صاحب کا یہ اشارا — کٹ جائے رشتہ میرا تمہارا
بس کر چکا میں تم سے کنارا — تم نہر والی میں جی حضوری

یا شیخ عبدالقادر قصوری

میری کمائی ہندو نے کھائی — حق میرے چھینے لٹس مچائی
انگریز کی میں دوں گا دہائی — جو خود جج ہے اور خود ہی جیوری

یا شیخ عبدالقادر قصوری

نادر پرستی ہے میرا آئیں، وہ شیر بالیں میں شیر قالیں،
نگین نہ گاؤں گن اُن کے رنگیں رہ جائے گی یہ دھرتیا صوری
یا شیخ عبدالقادر قصوری

محتاط سائیں

کون کہتا ہے کہ خرم آئیں ہے سرکار کا
اور دیا ہے اس کو درس احتیاط ابلیس نے
اب ملاقاتیں ہوئیں بھارکی گاندھی سے بند
مشورہ اچھی طرح جب کر لیا دس بیس نے
ڈر یہ تھا شاید کہ کونسل سے نکلکر یک بیک
پھر نہ یہ شوریدہ سر لگ جائیں چکی پیسنے
اصطبل کے اندر آکر چور گھوڑا لے گیا
بند پھاٹک جب کہیں جا کر کیا سائیس نے

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا
وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا

ہڑتال کیا ہوئی یہ تو بھونچال ہو گیا

ایجنٹ ریلوے سبھی دستہ توڑ کے چلے
کمپنی تھی کہ ایک تباہ حال ہو گیا

فعال ماتحت ہیں مفعول مستبد اد
نحو جو سناتا ہے غائبہ عمال ہو گیا

محنت سے جب سرمایہ تو سرمایہ سرنگوں
محسوس قوم کے لئے یہ سال ہو گیا

انجن الٹ گیا مری گاڑی کا یک بیک
ہڑتال کیا ہوئی یہ بھونچال ہو گیا

گوروں نے اپنے ہاتھ میں لی آکے دھونکنی
کالوں کا ورکشاپ میں جب کال ہو گیا

سرمایہ سرخرو ہے کہ محنت نے آج اسے
مارا طمانچہ ایسا کہ منہ لال ہو گیا

کانٹے ہوئے ہیں کوچے سے گورے گورنگال
ڈائن کا یہ بھی نامۂ اعمال ہو گیا

ہڑتالیوں کے روز نکلنے لگے جلوس
پنجاب بھی نمونۂ بنگال ہو گیا

انگریز ہو کے مجھ سے جدا ہو گیا مگر
تو یا مرے ساٹھ دن میں بال ہو گیا

رنگت کو متی سفید گر خون بھی ہے سفید
رشتہ ادھر سے لئے جنجال ہو گیا

بُت نے دیا جواب کہ روتے ہیں آپ کیوں
ہم پر جو فضلِ ایزدِ متعال ہو گیا

انلایسِ ہند بن سکے دلیلِ کشودِ کار
آپ اپنی مشکلات کا حلال ہو گیا

ہاں ایک بات کی ہے شکایت ہمیں ضرور
ہندوستان آپ کا نقال ہو گیا

اب سبز باغ دیکھنے میں آئیں گے کہاں
افسوس پا بگل خرِ دجال ہو گیا

---

۱۱ مئی ۱۹۲۰ء

پُھلجھڑی

بھری محفل میں یہ مصرع پڑھا میں نے شرارت سے
نہیں یہ مولوی خالی ہوا اب تک حرارت سے

ملی ہے ایک سپنڈ ناسی و لہن حضرت کو شملہ میں
کم از کم فائدہ یہ تو ہے ندوہ کی سفارت سے

نہیں باقی کے اشعار اس لئے لکھے یہاں میں نے
کہ سنسر شپ میں آ جائے گا میری عبارت سے

حدیث المایدہ

سرجان سائمن علیہ الرحمۃ

سرجان سائمن پہ کلیسا کی رحمتیں　　بپتسمہ ذوالفقار علی خاں کو دے دیا
جس سلطنت میں ڈوب نہ سکتا ہو آفتاب　　اُس میں اجارہ کفر کا ایماں کو دے دیا
لاہور آئے اور بوقت نماز عصر
حق روزہ کھولنے کا مسلماں کو دے دیا

ن والقلم وما یسطرون

قرآں کا ہے یہ حکم کہ فیروز خاں ہوں نون　　اور خامہ انقلاب کا ہو شرح والقلم
جب تک نہ سرنگوں ہو نہ دونوں کو آئے چین
ساگر لال خاں کے ہاتھ میں ہو قوم کا علم

"انڈین" کا چالان

اس جرم میں کہ دشمن اپنا ہے منہ سے بے — رات "انڈین" کا خواب میں چالان ہو گیا
کہنے لگا کہ میری ضمانت تو دیجئے — لیکن میں جان بوجھ کر انجان ہو گیا
موجود پاس ہی تھے محمد شفیع بھی — لیکن یکایک ان کو بھی نسیان ہو گیا

سنتے ہیں غل "خذوہ فغلوہ" کا ہوا
اور "انڈین" حوالۂ شیطان ہو گیا

۱۰ جون سنہ ۱۹۲۰ء

شدھی کی برات

صنم خانہ میں صدیوں سے پڑا تھا قفل غزنی کا — پکار اٹھا بنارس شدھی اس تالے کی ہے کنجی
کرم کے نام پر دھوتی سنبھالی مالوی جی نے — دھرم کے نام پر لٹھ لے کے دوڑے ڈاکٹر منجی
برات آئی ہے شدھی کی مگر یہ کیا تماشا ہے — کہ نکٹا ہے سسر لنگڑا ہے دولہا اور دلہن لنجی

مالوی جی کا بھجن

ہوئی بن چکی جب سنگٹھن کی — تو پہنچا مالوی جی کو بلاوا
کہا آکر ہندوؤں کی شوکتے بیٹھ — اور ان کو دیجیے بڑھ کا بڑھاوا
اب اس گھوڑے کی چپل پال دیکھیے — دبا کرتے تھے یہ تو آپ کا دا
کوئی تقریر گرما گرم کیجے — پپیہے سے کے منہ میں چڑھاوا
کھڑی ہو وہ گھڑی سر پہ اک ساتھ — مسلمانوں پہ بولا جائے دھاوا
ہوئے ڈنڈ پیل کر تیار ہندو — وہیں ہی گنڈگا سب بہت کے علاوا

کہا یہ مالوی جی سے کہ پہلے — بناؤ ایک اینٹوں کا پژاوا
بہت ہی سخت اسکی کھوپڑی ہے — ہے اینٹ اسلام کے سر کا مداوا
بہت سی جمع کرلو گھر میں اینٹیں
پڑا سارا رکھا ہے میں نے بھی آلاوا

ٹوڈیوں کی کھیپ

انقلاب آیا کیا پنجاب میں ڈاکٹر نارنگ ٹوڈی ہو گئے
ڈنڈے پہلے سائمن کے سامنے پٹ کے ایک یک بیک ٹوڈی ہو گئے
جنگ میں پوشیدہ تھا سامان صلح کرتے کرتے جنگ ٹوڈی ہو گئے
ست بچن ہیں کے یہ ذرا سے سیاہ کر کے جنگ نارنگ ٹوڈی ہو گئے
ان کے ساتھی جس قدر تھے دیس میں دیکھ کر یہ رنگ ٹوڈی ہو گئے

ہڈیاں پنجاب کے ناموس کی
کر کے نذر گنگ ٹوڈی ہو گئے

۱۱ اکتوبر ۱۹۲۸ء

کانگرس کیلئے ایک نیا عقدہ

مس میو کی روح

اک نیا نکتہ گورنمنٹ کو اب سوجھا ہے — جس کا میں نے کیا حل بڑی دشواری سے
پہلے دیتی تھی یہ الزام وہ اخباروں کو — کہ دکان ان کی چمکتی ہے دل آزاری سے
گالیاں دے کے کماتے ہیں یہ روزی اپنی — رشتہ ان کا ہے پرانا کسی بیماری سے
جس قدر فاصلہ برطانیہ کا ہند سے ہے — دور اتنے ہی یہ مفسد ہیں رواداری سے
جب اس الزام سے حاصل نہ ہوئی دل کی مراد — اک نیا حیلہ تراشا بڑی عیاری سے
سامنے آگئی سرکار کے مس میو کی روح — نکل آیا یہ گزٹ شملہ کی الماری سے
اشتہارات ہیں سب فحش ان اخباروں کے — خطرہ اخلاق کو ہے ان کی خریداری سے
ایسے اخبار ہیں جس طرح نمائندۂ ملک — جو نہیں بڑھ کے کسی شاہد بازاری سے
سب سمجھتے نہیں رونا یہ کمیشن میں نہ روئیں — ہے توقع تو یہاں ان کی وفاداری سے
[illegible] فتنہ کا جلد ہی علاج — یاد سب عرض یہ ہے ذوالفقار انصاری سے

الٹا ہوا ٹاٹ

اخبار پڑھ رہے تھے وہ بنگلہ میں پاٹ پر — اور ہو رہے تھے چیں بجبیں بائیکاٹ پر
البتہ اس خیال سے تھے مطمئن کہ لیگ — لٹو ہی گئی ہے بارہ مسالہ کی چاٹ پر
یہ فکر ساتھ ساتھ تھی لیکن لگی ہوئی — کچھ دیر سو رہے ہیں ادھر ہی مرادی کے کھاٹ پر
اور نقشہ کھینچتے ہیں کسی گول میز کا — لیٹے ہوئے ہلاتے تکیے اپنی کھاٹ پر

مل کر الٹ نہ دے کہیں سارا وطن اسے
آنکھیں جمی ہوئی ہیں کمیشن کے ٹاٹ پر

۲۴ر نومبر ۱۹۲۷ء

مالوی جی کی یادیں

دیکھ کے حال ملک کا آ گئے یاد مالوی — روحِ عناد مالوی جانِ فساد مالوی
جن کو لقب دیا گیا پوجیہ پاد مالوی

تفرقہ کی زمین میں بغض کا بیج ڈال کر — فتنہ کے کھیت کیلئے بن گئے کھاد مالوی

پوچھیہ پاد مالوی پوچھیہ پاد مالوی

لادکے اپنی پیٹھ پر جو بہ سنگ و خشت کو — مسلم خستہ پہ چلے کرنے جہاد مالوی

پوچھیہ پاد مالوی پوچھیہ پاد مالوی

کی ہے بکھری بہا بھانا کہ ہو کانگرس تباہ — مانتے ہیں قوم سے کام کی داد مالوی

پوچھیہ پاد مالوی پوچھیہ پاد مالوی

دوست سے دوست کو الگ بھائی سے بھائی کو جدا — ملک میں پھوٹ ڈال کر ہوئے ہیں شاد مالوی

پوچھیہ پاد مالوی پوچھیہ پاد مالوی

نہرو دیدہ ور نے گر بات کوئی کھری کہی — اس پہ دو پہاڑ پر پڑے کور سواد مالوی

پوچھیہ پاد مالوی پوچھیہ پاد مالوی

کانگرس کی قوم ہلانے ماش کی دال کھائیے — ہم بھی کہیں پھر آپ کو پوچھیہ پاد مالوی

پوچھیہ پاد مالوی پوچھیہ پاد مالوی

یکم اکتوبر ۱۹۱۶ء

مطائبات

اگر بالشت بھر داڑھی تھی ایماں کی علامت
تو پھر فرمایئے سکھوں کو مومن کیوں نہ سمجھیں ہم

سوار ہیں مفتیٔ دہلی پہ تا ہاتھی ایک نیچر ہیں
جناب سب لارڈ ارون کو پڑھا جن کیوں نہ سمجھیں ہم

زمیں انگریز کی اور حکم بابا سے خلافت کا
ادھر حبیب سے گو آ بالا رات کو دن کیوں نہ سمجھیں ہم

بحکم شرع جب دیں کے ستون ڈاڑھی بنے ہوں گے
تو پھر ان نا شستہ محاسن کیوں نہ سمجھیں ہم

گئے بن ٹھن کے سے بانے محبت حضرت اعدا
اچھا اس بڈھے کو اک معشوق کم سن کیوں نہ سمجھیں ہم

نصاریٰ ہیں جنہوں نے رشتہ جوڑا ہے بنیا اُن کو
مسلمانوں کی بربادی کا ضامن کیوں نہ سمجھیں ہم

ہیں جانبدار لیکن غیر جانبدار بنتے ہیں
پھر ایسے سنگدل کو تیرہ باطن کیوں نہ سمجھیں ہم

۱۲ اپریل سنہ ۱۹۲۹ء

بابائے خلافت اور کامریڈ شوکت عثمانی

اک طرف جلوہ نما شوکت نصرانی ہے
اک طرف چہرہ کشا شوکت عثمانی ہے

اک طرف کیک کی اک قاش ہے اور چا کا دور
اک طرف خستہ دل اور آنسوؤں کا پانی ہے

اک طرف روح میں خوشبوئے تثلیث کا ذوق
اک طرف قید نصاریٰ کی گرانجانی ہے

اشتراکیت اور اسلام کے اس معرکہ میں
دیکھئے کس کے حلیفوں کی فراوانی ہے

بمبئی سے کہیں لے جائے نہ بازی میرٹھ
سائمن کے لئے اتنی ہی پریشانی ہے

---

۲۸ مئی ۱۹۲۹ء

مولانا شوکت علی اور احرارِ پنجاب

اسلام کے احرار بکے ہندوؤں کے ہات
بابائے خلافت کی یہ ہے تازہ خرافات

اس جھوٹ کا بدلہ انہیں مل جائے گا اک آن
دنیا میں ہے جاری اگر آئین مکافات

گڑ کھاتے ہیں اور گلگلوں سے کرتے ہیں پرہیز
ظاہر ہوئیں لاہور میں یہ آپ کی عادات

انگریز کی صورت سے بھی بیزار ہیں لیکن
انگریز کے اقبال سے کرتے ہیں موالات

گاتے ہیں شب و روز شفیع اُن کے مناقب
نشاجن کے مثالب کا کبھی مشغلہ دن رات

اُلجھے گا پسینہ کی کمائی سے وہ ناچند
چندوں پہ بسر ہوتی ہو جس شخص کی اوقات

بدنام ہوئے مفت میں سادات بچارے
بابائے خلافت ہی سے ہیں سارے فسادات

بھولے سے بھی اس خطہ کا رخ اب کریں آپ
بدلے ہوئے ہیں کشورِ پنجاب کے حالات

کام آئیں گے نہ اقبال نہ مہر اور نہ سالک
محفل میں بخاری نے کہیں کی جو مدارات

اور یوں تو نواقض کو ہیں پہلے ہی سے موجود
بابائے خلافت کے لئے میرے نکات

۳۰ نومبر ۱۹۲۸ء

پاپائے خلافت

اقبال کے مہماں ہیں پاپائے خلافت
ہے خاص نئی شان سے القائے خلافت

توحید کی تثلیث سے ہوتی ہے موالات
بابائے خلافت بنے پاپائے خلافت

لاہور میں ہوتی ہے حریفوں کی سبیل گرم
یہ بھی ہے شتر غمزہ لیلائے خلافت

بابائے خلافت ہوں اگر قافلہ سالار
پہنچے گا نہ سرِ راہ میں کالائے خلافت

آئندہ امروز میں ہم دیکھ رہے ہیں
تصویر زوالِ حالی فردائے خلافت

ڈر ہے کہیں اس بات سے ہو جائے نہ بیزار
پنجاب جو اب تک بھی ہے شیدائے خلافت

شوکت سے یہ کہہ دو کہ خلافت سے نکل جائے
ہے ورنہ یہی ڈر کہ نہ مٹ جائے خلافت

۱۴ نومبر ۱۹۲۸ء

داڑھی ہے تو غم کیا ہے!

افسانۂ دیں کیسا افسوں حرم کیا ہے   عیبوں کے چھپانے کو داڑھی مری کم کیا ہے

داڑھی ہے تو غم کیا ہے

پھنس جاتی ہے اک دنیا اس دام ریائی میں   اور میرے تقدس کے چرچے ہیں خدائی میں

داڑھی ہے تو غم کیا ہے

اس پردہ میں چھپ چھپ کر کرتا ہوں میں جاسوسی   دنیا ہے صلہ مجھ کو انگریز ہو یا روسی

داڑھی ہے تو غم کیا ہے

از بسکہ مرے منہ پر لمبی سی یہ داڑھی ہے   سی آئی ڈی والوں سے چھنتی مری گاڑھی ہے

داڑھی ہے تو غم کیا ہے

اس کو جو منڈا ڈالوں کھل جائے کا بھرم میرا   جب تک یہ سلامت ہے کب رنج ہو کم میرا

داڑھی ہے تو غم کیا ہے

صورت میں مسلماں ہوں اور سر میں ہوں دل   اسے بخش دو سمجھے ہیں میرا یہ اشارہ بھی

الٹی ہے مسلماں بھی اور خوش ہیں نصاریٰ بھی   داڑھی ہے تو غم کیا ہے!

گوری بلا

امریکہ کے بت خانہ سے اندور کی خاطر — لائی ہے ترشوا کے ہوس ایک خدا اور
ہے کون جو اس بت کے پجاری کو بتائے — مشرق کی ہوا اور ہے مغرب کی فضا اور
اک کالی بلا سے ابھی پیچھا نہیں چھوٹا — ساتھ اپنے لگا لائے وہ اک گوری بلا اور

ممتاز نے چھنوائی تھی اندور کی گدی
اب دیکھئے سوغات ملا لائی ہے کیا اور

۱۹ جنوری ۱۹۲۸ء

روزہ کا صلہ

سائنسی افطار

روزہ داری کے صلے میں ہے نظیر — کیوں نہ قائل اس کے ہوں برنا و پیر
رکھنے والے کا تو جنت ہے حق — توڑنے والے بھی ہوتے ہیں نظیر

اسماء الرجال

ڈاکٹر محمد عالم

ادھر ہیں ڈاکٹر منجے ادھر جب ڈاکٹر عالم
ادھر گوبر ادھر عنبر ادھر گنگا ادھر زمزم

یہاں حق کی علمداری وہاں باطل کی سالاری
یہاں طوفان وہاں تنکا یہاں سورج وہاں شبنم

مسلماں سے چچہ چم اور خالصہ جی تو پخ پخ ش ش کر
پکائے مالوی جی نیند راہن سے مرے سہم

مسلمانوں نے مارا ہل کے جب اک یثربی نعرہ
دھری رہ جائے گی ہندو سبھا کی گوکلی سرگم

لالہ نافرمان

چپت ہوئی مذہب کی کوڑی اور کیسی چپت ہو گئی
ال ہوا ایسی چلی داڑھی صفا چٹ ہو گئی

ہو نہیں سکتا کہ راج اس دیس کا چوپٹ نہ ہو
راج پٹ سے جس میں تب ریاست کی کھٹ پٹ گئی

مسکرا دیتے ہیں گاندھی دیکھ کر یورپ کا حال
ایشیا میں جس کی ہر تدبیر ملیامیٹ ہو گئی

ٹاٹ مغرب بن گیا سرمایہ داروں کا الٹ
کھاٹ مزدوروں کی مشرق میں چھپرکھٹ ہو گئی

توپ کی دل دول پہ بھی چھکے گئے لندن کے چھوٹ
بیٹھ کر پیتے لگا پھر چرخ چول پہ سپوٹ ہو گئی

چوستی آئی ہے جو سرمایہ کے راون سے لہو
پھر وہ کالی آن کاشتوں پہ پلٹ ہو گئی

بس کہ رگڑی سو برس تک ٹوڈیوں نے اپنی ناک
بے نشاں سرکار کے بنگلے کی چوکھٹ ہو گئی

تیز تھی پہلے ہی کیا کم شادیاں کی ماریاں
ایڈ اروِن کا تنتنا تھا کہ فردٹ ہو گئی

ٹیڑھیاں گر وہ سناتے ہیں تو یہ تہذیب ہے
کانگرس نے بات سیدھی کی تو منہ پھٹ ہو گئی

ڈاکٹر اقبال کی تقریر الہ آباد میں
جینا اور جینا کے بھونسے کا مرگھٹ ہو گئی

دختر رز جب پہلے بھی غضب کی تھی شریر
پڑ کے بھولا رام کے گھر اور نٹ کھٹ ہو گئی

کس طرح یہ دیس رہ سکتا ہے غیروں کا غلام
ہر زباں پر جاری آزادی کی جب رٹ ہو گئی

قید سے جس دن رہا ہوں گے اسیرانِ فرنگ
دیکھنا تم اسلحہ اپنوں میں جھٹ پٹ ہو گئی

میری پھلواڑی میں لالہ بھی نافرمان بھی ہے
جس کی آرائش چمن سے تا بہ سامٹ ہو گئی

[illegible] ۱۹۳۰ء

ہیکلِ تفرنج کے پرستار

اِس درجہ نصاریٰ کی وہ تعظیم کریں گے — خود اپنی شریعت ہی میں ترمیم کریں گے
رکھیں گے روا دیں کے ناموس کی توہین — انگریز کے آئین کی تکریم کریں گے
کہہ دیں گے جو اغیار کہ اسلام ہے ناقص — بے چون و چرا اس کو وہ تسلیم کریں گے
دنیا کے کسی مسئلہ پہ ہوگی اگر بحث — قرباں یہ وہاں دیں کی تعلیم کریں گے
پا پائیوں سے بھی جو ابھی تک نہ ہوا تھا — وہ کام کہ فرزندِ براہیم کریں گے
مل جائے گی اُن کو بھی تفرنج کی خرافات — جب علم کی میراث کو تقسیم کریں گے

جس قوم کی فطرت ہی سے آگاہ نہیں ہیں
کیا خاک یہ اُس قوم کی تنظیم کریں گے

---

۱۹ اکتوبر ۱۹۲۹ء

سلام کا جواب ککڑوں کوں

چوبِ نقارۂ باطل پہ پڑی دھول یہیں
پردۂ گوش سے ٹکرائی اس کی ڈُوں ڈُوں

میں نے لکھا تھا "بیدار" میں اک تازہ "سلام"
جس سے رہ رہ کے ٹپکتا تھا مرا سوزِ دروں

اس پہ پھر دو کے علاوہ و تہامہ مدینہ
یاد آتی نہیں اس وجہ کہ کیا عرض کروں

گالیوں پہ اتر آئے کہ بغیر از درخواست
کبھی آتا نہیں حضرت کی طبیعت میں سکوں

لکھنؤ کی کسی بھٹیاری نے بھی آج تلک
نہ کیا ہوگا شرافت کا اس انداز سے خوں

صبح کے وقت دعا مانگی تھی میں نے اک دن
کہ مری دولتِ ایماں ہو الٰہی افزوں

آپ کو سوجھی ہے اس پہ یہ انوکھی پھبتی!
کہ میں مرغوں کی طرح بانگ دیا کرتا ہوں

گر صحافت میں ہے تہذیب کا معیار یہی
کہ دعا کو بھی کوئی کہنے لگے "ککڑوں کوں"

تو عجب کیا ہے کہ اس لب کے بھی نالی والے
آدمی زاد کو کہتے ہوں ڈھینچوں ڈھینچوں

---

۲۸ نومبر ۱۹۲۶ء

علمائے امت مولانا محمد علی کی نظر میں

الم نشرح حقیقت عالمانِ دین کی ہے مجھ پر
یہ فتنے خاک کے ہیں یار و پیرِ دیں ہو نہیں سکتے

قدوری اور بخاری چاٹ لینی سے کیا حاصل
کتابوں کے یہ کیڑے عالمِ دیں ہو نہیں سکتے

ہر استفتا پہ فتوے اپنے ڈھب کے جب کہے ان
مرے قانون کی سند ان کے آئیں ہو نہیں سکتے

ہزیمت بار باری ہے انہیں میری عزیمت سے
مری مانند یہ عصفور شاہیں ہو نہیں سکتے

دبانا چاہتا ہوں ان کی دکھتی رگ کو تو چھیڑو
یہ مفتی مجھ سے ہرگز سربسر کیں ہو نہیں سکتے

پہنچ سکتے ہیں کب مجھ تک ملنگی پیچ چال ان کی
پیادے اپنی ان چالوں سے فرزیں ہو نہیں سکتے

پڑیگا میدیں میں گھمسان کا رن جب تو دیکھو گے
حریفِ رستم و دستاں یہ گرگیں ہو نہیں سکتے

میں جب چاہوں گا چیخ کے اللّٰہ کا نام دیدوں گا
کہ ہرگز بے اثر میرے فرامیں ہو نہیں سکتے

[illegible] کتاب اللہ و سنت بھی
عروسِ کوچۂ جیلاں کے کابیں ہو نہیں سکتے

۸ نومبر ۱۹۲۶ء

"ٹوڈی" کی آمد آمد

حق کی تلوار کو کھینچے ہوئے اسلام آیا
خیلِ باطل کے لئے موت کا پیغام آیا

سالک و مہر و حبیب ایک ہیں جن کا مذہب
نت نئی اُن کو سکھاتا ہُوا دشنام آیا

مہر صاحب جو مقطع ہیں تو سالک ہیں منسوخ
میل اِن دونوں کا برطانیہ کے کام آیا

صلہ بابائے خلافت کو ملا "سائل" کا
ذکریا کا مرے حصہ میں انعام آیا

افقِ ہند کے ڈوبے ہوئے تارو! دیکھو
کہ وہ خورشید جو رخشاں تھا لبِ بام آیا

بزمِ احرار میں ست دھوم کہ آیا ٹوڈی
کاسہ لیسوں کے لئے زہر بھرا جام آیا

۱۲ مئی ۱۹۲۹ء

تقدیر کے گھڑیال کی ٹن ٹن

خدا گر عقل دے ہندو سبھا کے رہنماؤں کو
تو رخ اپنا بدل لیں دیکھ کر چلتی ہواؤں کو

فضا میں وہ چھیاں اک روز انکی اُڑنے والی ہیں
ہمارے خوں سے کر دیکھیں وہ سُرخ اپنی قباؤں کو

سلامت بچ نکلنا تھا اگر جاتی کو طوفاں سے
تو کی تھی ناؤ کیوں اس نے سپرد ان ناخداؤں کو

بجز اس کے کہ پھوٹے انکی تقدیر اور ہماری بھی
ہوا حاصل نہ کچھ بھی سنگٹھن کے دیوتاؤں کو

ٹپکتا ہے زباں سے شہد رستا زہر ہے دل سے
سمجھتے خوب ہیں ہم مالوی جی کی اداؤں کو

انہیں ٹھکرائے گا رائل کمیشن آ کے لندن سے
کہ ٹھکرایا انہوں نے کانگرس کی التجاؤں کو

اگر کرلیں مسلمانوں سے مل کر کوئی سمجھوتا
تو اب بھی ٹال سکتا ہے خدا ساری بلاؤں کو

۱۰ نومبر ۱۹۲۷ء

سیواجی اور شوکت علی

دل علی دل کی جلن کا ماجرا کہنے لگے
تھیں جو ان کہنی وہ باتیں برملا کہنے لگے

جس پہ کُشتی تھی زباں منہ پر وہ بات آج آ گئی
اے خدا اب تجھ کو ہم اپنا خدا کہنے لگے

مصلحت میں بیٹھے پڑتے ہیں جن کی جان کو
رند عالم سوز انہیں منہ پر بُرا کہنے لگے

جی حضوری ہو گئے یا ست بچنیں بن گئے
آپ کیا کہہ کر گئے تھے اور کیا کہنے لگے

کانگرس پہ جب سے غالب آ گئی ہندو سبھا
مالوی جی کو وہ اپنا دیوتا کہنے لگے

اس پہ پیرد کو جو لندن نہ لے کوئی کیا کہے
دیوتا زادہ دل کو جو "احمق گدھا" کہنے لگے

جب سے سیواجی کو اپنانے لگے شوکت علی
ڈاکٹر منجے انہیں اپنا چچا کہنے لگے

۲۷ مئی سنہ ۱۹۲۷ء

فتنۂ نجدیت کی دو ٹہنیاں

دونوں نے مل کے ڈالی ہے اسلامیوں میں پھوٹ
ہے صلح داشتی سے علی بھائیوں کو ضد

بنگالیوں کا تخت الٹنے کو پیش پیش
پنجابیوں کی ناؤ ڈبونے کو مستعد

ان کے حریف گنبدِ خضرا کے پاسباں
ان کے حلیف گوتمی اور [illegible] کے مجتہد

قوت تباہ نجد کی ہوا اس سے ہے مصر
فتنہ بپا حجاز میں ہوا اس سے [illegible]

جس نجد [illegible] لاش [illegible] خدا کی ذات
[illegible]

ان کا قلم ہے لغو نگاری میں بے مثال
ان کی زباں [illegible]

جھولے میں ہے وہ اینٹ کہ سر ہو پاش پاش
ترکش میں ہے وہ تیر کہ ہر سینہ جائے چھد

منڈلا رہے ہیں آج کہ خلافت کی لاش پر
دہلی اور بمبئی کے موٹے موٹے گدھ

۷ نومبر ۱۹۲۶ء

فکاہات

جواہر لال نہرو کی گرفتاری مبارک ہو
وطن کو جنگِ آزادی کی تیاری مبارک ہو

شرابِ خانہ ساز آئی ہے مشرق کے خمستاں سے
قدح خواروں کو اس صہبا سے سرشاری مبارک ہو

نمک غیروں کے گھر کا کھائیں بیشک شوق سے لیڈی
ہمیں اب اپنے گھر کی نمک خواری مبارک ہو

کسی کی آنکھ کی رونق ہو سرمہ خاکِ دہلی کا
کسی کو خاکِ لندن کی پرستاری مبارک ہو

چلو لندن میں جا کر سائمن کی پیروی کیجئے
تمہیں آدھی مبارک ہو ہمیں ساری مبارک ہو

مبارک باد دو جا کر ان رجعت پسندوں کو
تمہیں چھکڑا مبارک ہو ہمیں لاری مبارک ہو

لڈّو

چناخوانِ تخیل رات نعمت خانِ عالی نے	اور اس پر چن دیئے نزدیک کے اور دور کے لڈو
صلا پھر اس طرح دی سرشفیع اور انکی ٹولی کو	سمجھتے ہو جنہیں تم لوگ موتی چور کے لڈو
تصور ہیں مزے لیتے رہو چند اور دن ان کے	کمیشن خود بتا دے گا کہیں یہ بور کے لڈو

لئے ستر اکے پیڑے ہم نے لڈو کرمالوی جی
نمک خوارانِ لندن کو ملے کا خور کے لڈو

---

۱۵ دسمبر ۱۹۲۷ء

جرنل ڈائیر کی یادیں

نثر خود گفتہ حالا نظم من بشنو

ولائت میں کھلا جب نامۂ اعمال ڈائر کا	طرازِ نامہ تھا نامِ گرامی اڈوائیر کا

ہلاکو کو عبث تاریخ میں بدنام کرتے ہیں — بچا ہے سے نے ہاتھوں پڑا پایا کب حکم نادر کا
مسلماں اور ہندو کو بھی ہے ناز اپنے سینے پر — لیے گزرے ہیں جو بار دو گولی کے ڈائر کا
جناب جانسن کو کیا بھلا چنگیز سے نسبت — نکالا کب جنازہ اس نے اسلامی شعائر کا
کیا تھا بند ریوشر کو قفس میں نو مہینے تک — دیا تھا کاٹ پر سے سر نے بن جا سکے طائر کا
سنڈیہم کو رہا کیا کام اب شیخ و برہمن سے — بلند آفاق میں ہے غلغلہ اس وقت ناشر کا
میں ان سے چھپ نہیں سکتا وہ مجھ سے چھپ نہیں سکتے — ہے اس وقت امتحاں میری اور ان کی چشم ناظر کا
گنہ یہ ہے کہ سلطان ابن سعود کا دعاگو ہوں — خلاصہ ہے فقط اتنا ہی [illegible] کیا شکر کا
علم سے کام چل سکتا نہیں کچھ ان قوانین میں — [illegible] کا
کھلا جب قتل کی تفتیش کا دفتر ولایت میں — [illegible] کا
جناب حضرت چیمسفورڈ کی [illegible] خدمت — [illegible] کا

سر ایڈورڈ آج کل پنجاب کی مسند کے وزیر ہیں
نہیں ہے شک کہ استبداد سے [illegible] راہ [illegible] کا

۲۷ فروری ۱۹۲۰ء

خرِ عیسیٰ

دی مولوی داؤد کو چڈی جو پولس نے — احباب نے پوچھا بہ تعجب کہ یہ کیا ہے؟
کیوں لد کے چلے دوشِ حکومت پہ حضور آج — حضرت کی سواری کا طریقہ یہ نیا ہے؟
فرمانے لگے ہنس کے کہ میں عالمِ دیں ہوں — اور مرتبہ سرکار میں عالم کا بڑا ہے
اس واسطے مرکب کے عوض فرطِ ادب سے — خود اپنے تئیں پیشِ حکومت نے کیا ہے
ہے فخر یہ مجھ کو کہ مری ران کے نیچے
خود حضرتِ عیسیٰ کی سواری کا گدھا ہے

مارننگ پوسٹ لندن

مارننگ پوسٹ نے بھیجی ہے یہ بیتی دھمکی — آپ کی گردن اڑا سکتے ہیں تلوار سے ہم
مدعیِ سلف گورمنٹ کے ہیں جو احرار — انہیں تعبیر کیا کرتے ہیں اشرار سے ہم

ہند کی شوخیٔ تقریر کا معقول جواب
دیں گے اور دیتے ہیں تلوار کی جھنکار سے ہم

نہیں شوریدہ سروں سے ہمیں کچھ بھی سروکار
کام رکھتے ہیں رعایائے وفادار سے ہم

مارننگ پوسٹ کو پہنچے یہ ہمارا بھی پیام
ڈر نہیں سکتے کسی آپ کی للکار سے ہم

ہم رعایا ہیں خدا کی جو ہے رحمان و رحیم
نہ ڈریں گے کسی سفاک ستمگار سے ہم

ہے پیمبر کی غلامی ہمیں سرمایۂ ناز
پا رہے ہیں وظیفہ اسی دربار سے ہم

درس عبرت کبھی قیصر نے پڑھایا ہم کو
سن چکے ظلم کا انجام کبھی زار سے ہم

بات جو حق ہے زبانوں سے وہ نکلے گی ضرور
باز آئیں گے حقیقت کے نہ اظہار سے ہم

وعدۂ اللہ اگر سچ ہے اور اس میں نہیں شک
تو نکالیں گے یہ مہرہ دہن مار سے ہم

لاتخف کی ہے قبا زینت دوش مسلم
نہیں اب تک پھرے اس عہد اس اقرار سے ہم

رشتۂ مہر و وفا سا نہ سہی ہم سے لیکن
توڑ سکتے نہیں اسلام کی سرکار سے ہم

گر خلافت کی صیانت میں خلل آئے ذرا
نہ ڈرے ہیں نہ ڈریں گے رسن و دار سے ہم

جس میں اسلام کی اجڑی ہوئی شوکت کام آئے
کام رکھتے نہیں اس قصر طلا کار سے ہم

جام ٹوٹا ہے تو کیا جام سفالیں ہی تو ہے
اور لے آئیں گے اسلام کے بازار سے ہم

ہند میں رشتۂ اسلام ہے اس سے محکم
پھر نہ کس واسطے مانوس ہوں زنار سے ہم

آپ تلوار کی دھمکی ہمیں کیوں دیتے ہیں
خوب واقف ہیں گورنمنٹ کے اسرار سے ہم

جبر کا عہد گیا وقت مدارا آیا!
اور سنتے ہیں یہ باتیں در و دیوار سے ہم

جلیانوالہ کا افسانہ ہؤا خواب و خیال
خوں کے دریا کی نکل آئے ہیں منجدھار سے ہم

نشتر میں آپ دکھاتے ہیں چمک خنجر کی
کھولتے ہیں رگِ جاں نشترِ اشعار سے ہم

آپ کیا چیز ہیں اور آپ کی منطق کیا چیز
مہرباں آج سے باز آئے اس اخبار سے ہم

یکم مارچ ۱۹۳۰ء

محافظینِ حقوقِ اسلام

اسلام کے حقوق کی مٹی خراب ہو
گر کفر سے نہ دست و گریباں ہو انقلاب

سب سے بڑا یہ حق ہے کہ یوم النشور تک
فارغ ہو احتساب سے پنجاب میں شراب

فیروز خاں نون حکومت کو ساتھ دیں
جب لاٹ سے وہ مل کے دے بات کا جواب

معارف

توقع خیر کی رکھو نہ لبرل سے نہ ٹوری سے
کبھی آٹا نکل سکتا نہیں چھپنے کی بوری سے

دہن سازانِ مغرب گرچہ اپنے فن میں یکتا ہیں
نہ سیکھا باندھنا ہم کو مگر احساں کی ڈوری سے

ڈگر بھی ہو وہی لاٹھی بھی اب تک ہے وہی اس کی
حکومت کیا کرے معذور ہے آنکھوں کی کوری سے

بگل میں آگ لگنے کا تجھے لے دے کے غم کیا
کہ اتنا آگ لگتے ہی نکل جاتا ہے موری سے

یہ چنگاری جو چمکی تھاں اور تھیں سب سلگ بیٹھے
چپڑ لائے ہیں شاید مالوی جی چورا چوری سے

یہ دولت مانگنے سے آدمی کو مل نہیں سکتی
جو آزادی کی خواہش ہے تو چھینو سینہ زوری سے

بین الاقوامی الجھنیں

روس زخمی ہے تو المانیہ ہے بے پر و بال
رہا اٹلی سو ہے بیچارے کی اکھڑی ہوئی سانس

پڑ نہیں سکتی ہے جنگ پہ چچا شام کی زد
جس سے اندیشہ ابھرا ہو وہ طاقت ہے فرانس

شیر برطانیہ ان سب کو نگل سکتا ہے
نہ جگر میں ہو جو اٹکی ہوئی اسلام کی پھانس

خیل نمرود کو ڈر ہے تو فقط اتنا ہے
کہ کہیں دجلہ کی دلدل سے نکل آئیں نہ دانش

پھرتے ہیں اہل فلسطین کمر باندھے ہوئے لٹھ
اور بریلی سے چلے جا رہے ہیں بانس پہ بانس

قادیانی خرافات

کاتب عبدالمجید دست گوجروی

قادیانی خرافات

آسماں پر یوسف نجار کا بیٹا کہاں — کیا دھرا اس نیلے نیلے گنبدِ بے در میں ہے
تو بسا تھا بھاگ کر کنعاں سے وہ کشمیر میں — آخری مسکن کا ٹھکانا بھی اسی کشور میں ہے

عیسیٰ مریم کی اس توہین کا سودائے خام — ایک مدت سے سمایا قادیاں کے سر میں ہے
چھپ رہے ہیں جس کے اندر محشرستاں سینکڑوں — اے مسلمانو وہ فتنہ خود تمہارے گھر میں ہے
جس کی زد میں آ چکا ہے خرمنِ دینِ مبیں — وہ صلیب افروز فتنہ کاری اسی چکر میں ہے
آج انصاف اس ستم کا جو ہوا اسلام پر — دستِ ربِ کعبہ میں یا دستِ پیغمبرؐ میں ہے
جن پچاس الماریوں پر تھا غلام احمد کو ناز — حشر ان کا کاتبِ تقدیر کے دفتر میں ہے
"انقلاب" "الفضل" کی ڈھولک بجائیں شوق سے — خیبر کی رونق کا ساماں ہی ہجومِ شر میں ہے
ہم کو ان آتش زنوں ہیزم کشوں سے ڈر نہیں — نورِ ابراہیمؑ جس کا شعلۂ آذر میں ہے

رک نہیں سکتی مرے خامہ کی لاہوتی اڑان
طاقتِ جبریل جب تک اس کے بال و پر میں ہے

مرزائیت

فی البدیہہ

کل نسیم سحر خبر لائی — ہیں بڑے ہی خبیث مرزائی
"الحکم" کی ہے ذات میراثی — تو ہے "الفضل" قوم کا نائی
ان رذیلوں میں کچھ شریف بھی ہیں
سبزہ کے ساتھ مل گئی کائی

قادیاں

خدا آباد رکھے قادیاں کو پھر غنیمت ہے — کہ مضمون نیب سے کوئی نہ کوئی آ ہی جاتا ہے
بشیر الدین محمود اس دبستاں کے معلم ہیں — ارسطو جس میں فرط عجز سے گردن جھکاتا ہے

یکم ستمبر سنہ ۱۹۱۶ء

قادیانی پروپیگنڈا

اپنی جیبوں سے رہیں سارے مسلماں ہشیار
کچھ یہود آتے ہیں مہاجرین کو چندے کیلئے

شاہ برطانیہ کی سالگرہ ہے اس دن
یہ اشارہ ہے بہ اللہ کے بندے کیلئے

گردنِ ملتِ مرحوم کو پھیرتا کاٹے
نام تو سید پہ تثلیث کے پھندے کیلئے

قادیاں کو غرض اسلام کی تبلیغ سے کیا
یہ تماشہ و دوسے نقدائیت کے دھندے کیلئے

اب بھی کیا دیجئے گا چندہ بشیر الدین کو
شیرمال اور کباب اور پسندے کیلئے

الحذر

تم اپنے جبر پہ نازاں ہو وقت سے پہلے
بتا ستمگر کی افتاد نا گہاں سے بچو

جگا لیا نہیں تولیں سے او تغافل سے
ڈرو تو بس نہ مظلوم کی فغاں سے بچو

خدا نے تم کو جو بیعت اگر عطا کی ہے — تو قادیانیوں کے تیر بے کماں سے بچو
دمشقیوں سے خطرناک تر ہیں اندلسی — گر ان کی بات سے بچو تو ان کی آن سے بچو
جو بات بات میں تم کو حلال زادہ کہیں — ہر ایسے سفلۂ بد اصل و بدزباں سے بچو
بچو فرنگ کے چیلوں کی بے پناہی سے — اسی طریق سے جس طرح قادیاں سے بچو
نہیں پسند غلامی اگر نصاریٰ کی — تو "انقلاب" اور "الفضل" و "الاماں" سے بچو
نہ لاؤ دل میں وہ ظن جس سے منع کر دی — گناہ جس سے ہو پوشیدہ اس گماں سے بچو
اگر عزیز ہے آزادیٔ وطن تم کو — تو سر شفیع کے گمراہ کن گماں سے بچو
پیام دے کوئی احباب کو یہ جا کے مرا — کہ بس میں ہو تو [illegible] امتحاں سے بچو
نہیں ہے خون شہید اس لئے کہ مفت بہے — خدا کے واسطے ایثار رائیگاں سے بچو
بچو خدا کے غضب سے تو ایک بات بھی ہے — یہ کیا کہ خطرۂ خشم خدائیگاں سے بچو
نبی کی غصہ میں ڈوبی ہوئی نگہ سے ڈرو — عتاب حضرت آقائے دو جہاں سے بچو

حذر میں اور بھی واجب مگر کہاں تک ہیں
بتائے جاؤں یہ تم کو فلاں فلاں سے بچو

۱۰ دسمبر ۱۹۳۱ء

کنایات و تصریحات

پردۂ فنا در سے نکلا اک شب [illegible] | [illegible] کے انقلابی جلوہ سے نوری ہوئی
حسن کی تہمت ہوئی ارزاں بحکمِ قادیاں | [illegible] آئی خدا کی بات ہے پوری ہوئی
لگ گئی شانِ [illegible] [illegible] کی قلم | [illegible] سے پیدا آن دستوری ہوئی
مر گئے [illegible] کی [illegible] پر [illegible] | [illegible] تحریک بے نوری ہوئی
کوئی [illegible] کا دیا بازار سے آیا [illegible] | [illegible] شمع کافوری ہوئی
قیدیوں کی جان فاقوں سے لبوں پر آ گئی | [illegible] منظوری ہوئی
تھی فقط دو گز کفن کی شق پایانِ کار | [illegible] بھی مزدوری ہوئی
[illegible] میں ہے کچھ بھی قصور [illegible] | [illegible] منزل سے اگر دوری ہوئی

یوں [illegible]
دیکھو [illegible] دستوری ہوئی

۲۰ جولائی ۱۹۲۹ء

فکاہات

پیغمبر قادیاں کا ترانہ

تکمیل عمر ہی مرے القاب کی نہ ہو — ان پر اگر اضافہ سی آئی ڈی کی نہ ہو

بغداد کے سقوط کا قصہ ہے نا تمام — جب تک کہ اس میں درج مری ڈائری نہ ہو

ہنستا ہے میرے حال پہ ظالم ابو الوفا — ڈرتا ہوں میں کہیں یہ قضا کی ہنسی نہ ہو

مارا کسی نے شملہ میں میرے جناب میں تیر — لاہور کا کہیں یہ محمد علی نہ ہو

میری بلا سے مکہ لٹے کربلا لٹے — چندہ سے ہے غرض مجھے اس میں کمی نہ ہو

لکھا کس کتاب میں ہے کہ خیر البشر کے بعد — ہرگز کسی کو دعوی پیغمبری نہ ہو

کیا مصطفےٰ کے بعد نہ آیا مسیلمہ — پھر قادیاں میں کس لئے مجھ سا نبی نہ ہو

اس آخر جو الیہود کا قائل نہیں ہوں میں — برطانیہ سے جس کی سند مل سکی نہ ہو

پیش نظر اگر ہے خلافت کی آن بان — پھر قادیاں ہی کس لئے کسریٰ مری نہ ہو

جس کے ثمر سے اٹھے اس دین پر ملال

اسلام کی وہ شاخ خدایا ہری نہ ہو

سطوتِ کبریٰ کے حریفوں کا انجام

قادیاں خوش ہو کہ بر آئی ترے دل کی مراد
آخر آ ہی گئی کشمیر میں فوجِ انگریز

گر انگریز نبی ہے دولہا تو ہے تو اسکی دلہن
مل گیا تجھ کو مری سلطنت کی دولت کا جہیز

کیوں نہ اب اٹھنے لگے تیری نبوت کا سمند
چھیڑتی ہے جسے یورپ کی صلیبی مہمیز

خوانِ اسلام سے چندہ کا نہ کر لقمہ طلب
جبکہ پیدا ہی کئی تو نے ترے لئے کفر کی میز

چاک کر شوق سے ایماں کا گریباں کہ ہوا
بالکل آزاد ترا دستِ گریباں آویز

دھجیاں نامۂ سالارِ دو عالم کی اڑا
اسلئے کہ تجھ کو نہ رہا یادِ مآلِ پرویز

ہر وہ قوت جو ہوئی سطوتِ کبریٰ کی حریف
اس کو میدانِ فنا سے نہ ملی راہِ گریز

آج تک خاک میں ملتی چلی آئی ہے
ہر وہ طاقت جو مسلماں سے بنی گرمِ ستیز

---

۸ ستمبر ۱۹۳۱ء

ذٰلِکَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ

دیا گیا ہمیں پیرایۂ ظرافت سے
ملا جناب کو سرمایۂ سخافت ہے

ہے آپ کے لئے مسند مجددیت کی
مگر ہمارے لئے کرسیٔ صحافت ہے

مضاف الیہ جو امروہہ ہے تو آپ مضاف
یہ پیچ پیچ ہیں قادیاں اضافت سے

اگر پیالہ ہے کبریٰ تو ہے سبو صغریٰ
وہ کہہ رہے ہیں کہ تجدید ہی خلافت ہے

"پیغام صلح" ادھر ہے تو ہے ادھر "تشحیذ"
نبی کی شرع کے حق میں ہر ایک آفت ہے

شوہر کے دودھ کی کھیر ارتقا کی ہنڈیا میں

میرا انکار انبیاء کا انکار ہے

طے کئے ہیں میں نے انتہاؤں کے [illegible] ... [illegible] میں ارتقا ہو جاؤں گا
صبح کاذب نے خلافت [illegible] ... [illegible] پورا ہو جاؤں گا
میرے باوا جان [illegible] ... [illegible] اُن کا بھی چچا ہو جاؤں گا
میں نے پیدا حال میں کی شان استقبال کی ... [illegible] مشرح انتہا ہو جاؤں گا
[illegible]
[illegible] ہو جاؤں گا

(۲)

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ

معنی لیس کمثلہ [illegible] ... یعنی آپ اللہ میاں کے باپ ہیں
[illegible] ... [illegible] کی برتی باپ ہیں

جو سبق ملتا ہے شیخ نجد سے   سو سبق محمود سے چھاپے ہیں
قادیاں سے چشمۂ آبِ سقیم   باب پالی سے تو بھی چھاپے ہیں
دیکھنے والی ہے کیا ان سے نجات
اور لب کہتے جاتے ہیں پاپ ہیں

۲۰ نومبر ۱۹۱۱ء

عطاء اللہ شاہ بخاری

اک چست فقرہ کس کے بخاری نے کس دیا   وہ سیل آپ آ گیا جو مسلماں کی بھول ہیں
حرّیتِ ضمیر کا ڈنکا بجا دیا   ہندوستاں کے عرض میں اور اسکے طول ہیں
ارکانِ دیں ہیں بست، آزادئ وطن   یہ سب فروع آ گئے اب اس اصول ہیں
کہہ دو یہ اُس سے تم کو خودی کا ہو دم دیا   رکھا ہے کیا ... فضول ہیں
نالاں ہیں گو شکستِ بخاری کے زمزمے
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول میں

۱۱ نومبر ۱۹۲۹ء

دورِ جاہلیت کی یاد

زنداں کی تنہائی میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی پرانی گنہگاری اس طرح گنگناتی ہوئی سُنی گئی :-

بشیر الدین محمود اس لئے مجھ پر بگڑتے ہیں
کہ دورِ جاہلیت میں مرا دل اُن پہ مائل تھا

زکوٰۃ حسن دینے میں ذرا وہ بخل کرتے تھے
مگر میں بے لئے ٹلتا نہ تھا ایسا ہی سائل تھا

وہ ٹھکراتے تھے بے اپنے سراپا سے مجھ کو لیکن
مرا ہاتھ اُن کی نور افروز گردن میں حمائل تھا

نگاہِ رشک سے دیکھا مجھے الفضل نے برسوں
میں اُن کے ابروئے خمدار کے خنجر کا گھائل تھا

انہیں سے قادیاں میں آج کل دعویٰ خدائی کا
بتوں کی اس خدائی کا میں پہلے ہی سے قائل تھا

۱۳ جولائی سنہ ۱۹۳۰ء

قادیاں کا تھپڑ

قول فیصل

إن تسخروا منا فإنا نسخر منكم كما تسخرون ۞ فسوف تعلمون من يأتيه عذاب يخزيه ويحل عليه عذاب مقيم ۞

ترجمہ: اگر تم ہمارا مضحکہ اڑاتے ہو۔ تو ہم تمہاری تضحیک تم پر الٹ دیتے ہیں تمہیں جلد معلوم ہو جائیگا۔ کہ رسوا کرنے والا ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب کس پر نازل ہوتا ہے۔ ہم پر یا تم پر

اے طبع رسا آج ترا رنگ جما دوں
اور شوخیٔ تحریر کا اعجاز دکھا دوں

پہلے سبق حق تجھے قرآں سے پڑھا دوں
تنہا تجھے پھر لشکر باطل سے لڑا دوں

جو حیلہ نہ سوجھا ہو کبھی تجھ کو سجھا دوں
جو چال نہ چلنی تجھے آتی ہو سکھا دوں

انساں کی بازی پہ اگر جان لگا دوں
شطرنج میں طاغوت پرستوں کو ہرا دوں

گرمیٔ حدت طبیعت سے غیرت کو ہوا دوں
اک پھونک میں ظلمات کی مشعل کو بجھا دوں

گر برق حمیت کو تڑپ کر میں گرا دوں
اک آگ خرافات کے خرمن میں لگا دوں

اسلام کے انعام ہیں سارے گنا دوں
دیں کے لیے کیوں عقدِ ثریا کو ہلا دوں

مجھ میں جو یہ قدرت ہے کہ ہر [illegible] مار دوں
کوشش نہ کروں کیوں کہ سو توپوں کو بجھا دوں

دامانِ طلب کی نظر آیا ہے جو وسعت
گنجینۂ توحید سرِ راہ لٹا دوں

ماروں اگر اک نعرہ ھُوَ اللہُ اَحَد کا
بت خانۂ شرک کے گنبد کو ہلا دوں

اک گرز کی قوت ہے مرے خامہ کے اندر
اس گرز سے الحاد کو بھی [illegible] بنا دوں

مسلم ہوں میں طاقت یہ ہے [illegible]
[illegible] کو [illegible] سے ہٹا دوں

میرے نفسِ گرم سے پتھر میں [illegible]
[illegible] سے [illegible] پگھلا دوں

سوئے ہوئے قسمت کو جگایا [illegible]
[illegible] سے سلا دوں

جس ہاتھ نے الفیل کو ماء الفیل بنایا
[illegible] ابابیل اڑا دوں

اسلام کی مشعل [illegible]
[illegible] سے بنا دوں

خاطر میں نہ لائے اس اشارے کو اگر وہ
[illegible] سے اٹھا دوں

اس پر بھی وہ [illegible] نہ آئے
[illegible] دکھا دوں

[illegible] کی [illegible] کا [illegible]
[illegible] ان کو سنا دوں

گل ان کے چراغ [illegible]
[illegible] کی [illegible] بجھا دوں

[illegible]
[illegible] قوم کھلا دوں

پھر قائلِ الہام تو وہ قائلِ اسلام
[illegible] ان کو پلا دوں

[illegible]
[illegible] ان کو جتا دوں

[illegible]
[illegible] دوں

کچھ فرق بروز اور تناسخ میں نہیں ہے — انکار ہو جن کو انہیں اقرار کرا دوں
جن کو نہ ہو کچھ پاس پیمبر کے ادب کا — چن چن کے میں اس قوم کو مٹی میں ملا دوں
اسلام سے جس قوم کو ہے کچھ بھی محبت — ہیں اس کے لئے راہ میں آنکھوں کو بچھا دوں
غصہ آئے اُسے آیا ہے جسے مجھ پہ پیار — دشنام وہ دے مجھ کو تو اس کو میں دعا دوں
لیکن جنہیں اسلام کی تضحیک ہے منظور — کس طرح میں اُس قوم کی باتوں کو بھلا دوں
پھر کس لئے دریا سے معانی نہ رواں ہو — جس میں انہیں مثل خس و خاشاک بہا دوں

انگشت شہادت سے تقاضا ہے الّات و ہبل کی
مسند ہبل و لات کی اک اشارے سے گرا دوں

یکم نومبر ۱۹۱۷ء

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری اور اُنکے دیرینہ نور نظر

کس ناز سے فرماتے ہیں القمش ہیں سے تو — مالس کا دشمن ہے یہ کمبخت منادی
بھیجا یہ بخاری نے بنی سندر کو پیغام — معشوق جو دیتا ہے تو گالی بھی ہے پیاری

۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء

احادیث قادیاں بروایت بخاری

خدا شرمائے اس ظالم ثناء اللہ کو جس نے
نہ چھوڑا قبر میں بھی قادیانیت کے بانی کو

خدا نے عقد خود باندھا تھا جس کا اپنے باوا[1] سے
اڑا کر لے گئے غیر اس عروس آسمانی[2] کو

نشاط افروزیاں رود بیاس اور اس کے ساحل کی
دوبالا آئے دن کرتی ہیں لطف زندگانی کو

دبستانوں میں درس مشی فی النوم آج ملتا ہے
شبستانوں میں دہراتے ہیں اس رنگیں کہانی کو

بخاری نے جسے تاکا تھا دور جاہلیت میں
وہ شان کودکی پہنچی ہے اب اپنی جوانی کو

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے گر کعبہ میں لندن میں گاڑو قادیانی کو

مری تخیل کی جولانیاں بھی دیکھتے جانا
اگر دیکھا تو کیا دیکھا سمندر کی روانی کو

---

۱۵ جولائی ۱۹۳۱ء

[1] انا منک وانت منی بمنزلة اولادی
(مرزا غلام احمد قادیانی کا الہام)

[2] محمدی بیگم

حدیثِ قادیاں

رواہ بخاری

حقیقت قادیاں کی پوچھیے ابن جوزی سے — نکوکاری کے پردے میں سیہ کاری کا حیلا ہے
یہ وہ تلبیس ہے ابلیس کو خود ناز ہے جس پر — مسلمانوں کو اس رندے نے اچھی طرح جھیلا ہے
پلی ہے مغربی تہذیب کے آغوشِ عشرت میں — نبوت بھی رسیلی ہے پیمبر بھی رسیلا ہے
نصاریٰ کی رضا جوئی ہے مقصد اس نبوت کا — اور ابطالِ جہاد انجاحِ مقصد کا وسیلا ہے
بیاں اور اس کی موجیں لے اڑیں کی تیں غمازی — کہ پوتا قادیاں کے رب اکبر کا رنگیلا ہے

کیا احسان پیدا ایک گل میں پیرہن کی آپ بیتی نے
بخاری کی یہی اب تک روایت تھی کہ ڈھیلا ہے

۱۷ جون ۱۹۲۹ء

حدیث المباہدہ

حدیث قادیاں

گلہ تھا اس لئے ہے آج مجھ سے اتقا اُن کا
کہ دورِ جاہلیت میں مرا دل اُن پہ مائل تھا

زکوٰۃ حسن دینے میں ذرا وہ بخل کرتے تھے
مگر میں بے لئے ٹلتا نہ تھا ایسا ہی سائل تھا

مرے ہونٹ آشنا تھے اُن کے لب ہائے حقیقی سے
مرا ہاتھ اُن کی زلف و زر و گردن میں حمائل تھا

پیمبر زادگی اُن کی جو سامنے آئی تو آگی تھی
مگر میں اُن نبوت کا نہ قائل ہوں نہ قائل تھا

میں بندۂ علم پیدل ہوں اس کی کچھ پروا نہ تھی اُن کو
دین کے اور میرے درمیاں اسلام حائل تھا

مسلماں [illegible] انگریزوں [illegible] آئیے [illegible]
مرا ہیرو [illegible] کامل تھا

قادیانی اینٹ کا جواب تو قبیسی پتھر

"الفضل قادیان مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۱ء میں ایک شاعر نے مجھے یوں مخاطب کیا:-

بری طرح قادیاں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ظفر علی خاں
سمجھ پہ کیوں پڑ گئے ہیں پتھر یہ کیا فتنہ اٹھا رہے ہیں!
جناب محمود کو برا کہہ کے کیا ملے گا سوائے ذلت
یہی نا، جو کچھ رہی تھی عزت اسے بھی دل سے گنوا رہے ہیں
وہ اپنی مسجد الگ چنیں گے ہزار دنیا سے ہو مخالفت
انہیں یہ ضد ہے کہ کیوں مسلمان ایک مرکز پہ آ رہے ہیں
نفاق کی آندھیوں سے اک دن اٹھا کے رکھ دیں گے قصر مسلم
کسی کو ملحد بنا رہے ہیں کسی کو کافر بنا رہے ہیں
وہ کانگرس پہ فدا ہیں کب سے، ہوا ہے مقبول کی شریعت
وہ اپنے کاندھوں پہ آج مسلم کا جنازہ اٹھا رہے ہیں

وہ کانگریس جس کا مقصد اولیں مٹانا ہے نام مسلم
اُس کی مدحت پہ کٹ رہے ہیں اُس کی عزت بڑھا رہے ہیں
بڑے بڑے کانگریس کے بندے ہیں آج اسلام کا خول کے پہلو
یہ گیت ہندو کا گا رہے ہیں یہ اپنی گنگا بہا رہے ہیں

اس کا جواب ذیل میں دیا گیا:-

یہ فتنہ پرداز قادیانی نئے نئے گل کھلا رہے ہیں
اُدھر یتیموں سے مل رہے ہیں ادھر تماشے لگا رہے ہیں
منافقوں کی یہ ہے نشانی زباں پہ دیں ہو تو کفر دل میں
اسی نشانی سے قادیانی تعارف اپنا کرا رہے ہیں
یہ جلسے سیرۃ النبیؐ کے یہ دعوے عشق مصطفیٰؐ کے
جنہیں سمجھتے ہیں دولت کا ذریعہ کو گھر گھر بنا رہے ہیں
ہوا ہے تبدیل شرافت کے نام پہ دیں ہیں یہ دھوکا
اسی شریعت کی آڑ لے کر وہ سب کو الو بنا رہے ہیں
پڑا ہے چندے کا پیٹ بھرنا لگے ہیں ان قادیانیوں کے
ہما سے جو گھر سے حیات کرنے لوازمہ دکھا رہے ہیں

بقیہ بر صفحہ ۶۷۳

قادیانی بھٹیاری

اے کہ ہے اپنی رواداری پہ تجھ کو فخر و ناز — قادیاں میں کافروں کی مومن آزاری بھی دیکھ
خواجۂ اجمیر کی درگاہ دیکھ آیا ہے تو — اب بہشتی مقبرہ کی چار دیواری بھی دیکھ
ترمذی کو اور بخاری کو رٹا تو کیا ہوا — قادیاں جا اور غلام احمد کی الماری بھی دیکھ
تو نے اپنی فوج کی دیکھی قواعد مدتوں — اب انصاری کے رضاکاروں کی تیاری بھی دیکھ
کاٹنا مقصود ہے اسلام کا جس سے شجر — قادیاں کے لندنی ہاتھوں میں وہ آری بھی دیکھ
مشی فی النوم اور اس کے فلسفہ پر کر نظر — قادیاں کی نازنینوں کی طرح داری بھی دیکھ
سن لے اپنے کان سے "الفضل" کی گالی گلوج — لکھنؤ شرما گیا جس سے وہ بھٹیاری بھی دیکھ

آج آتا ہے نظر گر تجھ کو باطل سربلند
اپنی آنکھوں سے کل اس کی ذلت و خواری بھی دیکھ

---

۲۱ ستمبر ۱۹۳۲ء

فتنۂ آخر زماں

الْقَادِیَانُ مَا الْقَادِیَانُ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْقَادِیَانُ

اے قادیاں اے قادیاں تجھ سے بڑی ننگ کو — پیدا کیا کرتا ہے جو ہر شب نئی اک حور کو
جس نے ہنسایا باغ کشمیر اور پیشاور کو — جس کی ہے نسبت خونی علی میسور کو اور اچھور کو

ملعون دمشقی لو خسیا اندلس کی وادیاں

اے فتنۂ آخر زماں اے قادیاں اے قادیاں

تیرا ایماں ہے گالی تری پہچان ہے — تو نفاق و کفر سے چلتی تری دکان ہے
بہتاں خدا پہ باندھنا ہے نبی کی شان ہے — الہام جو بھی ہے ترا آوازۂ شیطان ہے
پھر بھی خدا کا آخری اسلام پہ احسان ہے — لقمان کی مٹی میں گر پوشیدہ تیری جان ہے

اے قادیاں اے قادیاں

اے دشمن اسلامیاں

اے فتنۂ آخر زماں

فکاہات

قسم ہے قادیاں کے گلرخوں کی گل عذاری کی
غلام احمد کی الماری پٹاری ہے مداری کی

پرستاں کو نہ شرمائے بھلا قصرِ خلافت کیوں
کہ فصلِ گل ہے اور آمد ہے ابرِ نوبہاری کی

بشیر الدین اور کشمیر کی ہمدردیاں پھوٹ سے !
نظر نخچیر سے تم پھیرتے ہو اک شکاری کی

جوابِ الفضل کا زندگی بھر نہ دیں گو ہم بھی
اتاریں گے لیکن نقل اصوات حماری کی

مرے ہر شعر کی زد ان کے سر پر پڑتی ہے
نہ لائے گا کبھی محمود تاب اس ضربِ کاری کی

یہ مانا بھول جائے قادیاں میرے تحائف کو
مگر کیا بھول سکتا ہے وہ سوغاتیں بخاری کی

---

۱۵ اکتوبر ۱۹۳۲ء

"زمیندار" بزبان انگریزی

نکل آیا زمیندار آج انگریزی زباں میں بھی ؛
یہ جنس بیش بہا پہنچی ہے مغرب کی دکاں میں بھی

پڑا ہے اک نئی آفت سے استعمار کو پالا
پڑی ہے کھلبلی آنے سے جس کے قادیاں میں بھی

نہ سمجھا ہو تو اب سمجھے گا انگریز اس حقیقت کو
کہ زور اسلام کا ٹوٹا نہیں ہندوستاں میں بھی

کیا تھا جس کی گیرائی نے تسخیر ایک عالم کو
وہ قدرت ہووے اس خامۂ معجز بیاں میں بھی

سنا ہے تم نے چھیڑی مشرقی فریاد کو پرسوں
یہی جادو ہے اب مغربی طرز فغاں میں بھی

نمایاں شش جہت میں ہر حرف میرا ادعا ہی ہو گا
وہ فتنہ جو نہیں اغیار کے وہم و گماں میں بھی

ترا فضل و کرم شامل رہا ہر آزمائش میں
الٰہی مجھ کو کر دے کامیاب اس امتحاں میں بھی

۲۵ ستمبر ۱۹۳۲ء

فحاشِ زمان میر قاسم علی قادیانی

یہ چند اشعار فحاشِ زمان و سبّابِ دوراں میر قاسم علی قادیانی کے نامِ نامی و اسمِ گرامی سے معنون کیے جاتے ہیں۔

محمد غوث کی مسجد میں کل شب — اُدھر میں پڑھ رہا تھا سورۃ الناس
اُدھر اپنے شقی [illegible] سے ہیں — یہ سازش کر رہے تھے چند خنّاس
کہ جس کو قادیاں سے دشمنی ہو — کرو سب مل کے اس کا ستیاناس
ہمارے ہاتھ سے بچنے نہ پائے — کوئی "نقاش" ہو یا کوئی "عکاس"
مغلظ گالیاں دو دو انہیں دو — کہ بھولیں اپنی نستعلیق بکواس
جب ان سودائیوں کو میں نے دیکھا — لگا کر حکمتِ یثرب کی کمپاس
تو بھیجا اُن کے پاپا کو یہ پیغام — علاج اس غلط کا بھی ہے مرے پاس

کھلاؤں گا تمہیں پہلے بہی گلقند
پلاؤں گا تمہیں پھر میں املتاس

۱۰ ستمبر ۱۹۳۲ء

شیر کشمیر

تنگ جب آ گئے شیخ عبداللہ | میرے چبھتے ہوئے سوالوں سے
تو کہا مجھ کو اختلاف نہیں | میر واعظ کے ہم خیالوں سے
میں بھی پیتا ہوں اُن کی طرح شراب | رات دن شیرلی پیالوں سے
مذہباً قادیاں سے ہوں بیزار | خوب واقف ہوں اُس کی چالوں سے
ہوں سیاست میں لیکن اُن کا مرید | اور یہ رشتہ ہے چند سالوں سے
میں کلیسا سے لڑ نہیں سکتا | ضد ہے مجھ کو فقط شوالوں سے
"شیر کشمیر" بن گیا ہوں میں | فقط "الفضل" کے مقالوں سے

آہ کیا انقلاب ہے کہ شریف | گلے ملنے لگے رذالوں سے

انقلابات ہیں زمانے کے
شیر لڑنے لگے شغالوں سے

---

۱۱ نومبر ۱۹۳۲ء

قادیاں کی نبوّت

بروزی ہے نبوت قادیاں کی
برازی ہے خلافت قادیاں کی

عداوت حق سے باطل سے محبت
ہے اتنی ہی حقیقت قادیاں کی

ہیں احمق جس قدر ہندوستاں میں
ہے آباد ان سے جنت قادیاں کی

نصاریٰ کی پرستش کے سب اسرار
سکھاتی ہے شریعت قادیاں کی

دمشق اور اندلس کے بھاگ جاگے
چھٹی جس وقت لعنت قادیاں کی

مسلمانوں کی آزادی ہو نابود
الم نشرح ہے نیت قادیاں کی

لگے رونے بشیر الدین محمود
بنائی میں نے وہ گت قادیاں کی

حضرت باباے قادیاں کے حضور میں

مسرت کی تانیں اڑائے چلا جا — محبت کی پینگیں بڑھائے چلا جا
غنیمت سمجھ فرصت عاشقی کو — حسینوں سے آنکھیں لڑائے چلا جا
تری بات پر گر نہ ایمان لاوے — مسلماں کو کافر بنائے چلا جا
سنا جاہلوں کو نبوت کی باتیں — پیمبر کا رتبہ گھٹائے چلا جا
بلاتے چلا جا خدا کے غضب کو — شریعت کی بنیاد ڈھائے چلا جا

ترے مقبرے کے بہشتی بھی سن لیں
میرے شعر چیخے سے گائے چلا جا

خبر ہے پیر نے جس کی دی تھی وہ فتنہ اٹھا ہے قادیاں سے بقیہ نمبر صفحہ ٦٦٧
خلیفہ محمود قادیانی اسے قیامت بنا رہے ہیں

ظفر علی خاں کی آبرو پہ نہ حرف آیا نہ آ سکے گا
خدا نے دی ہے جب اس کو عزت تو آپ کیوں تلملا رہے ہیں

وہ کانگرس کا ہے گرچہ حامی خدا نہیں لیکن اس کا حامی
یہ وہ خدا ہے کہ قادیانی گن اس کے دن رات گا رہے ہیں

---

۳۰ نومبر ۱۹۳۱ء

جواہر ریزے

قادیاں کے ایک الہامی قصیدے میں کبھی — بندھ گیا قافیے کی بندشوں میں نامِ زار
زار کی لفظی رعایت سے سمجھایا تھا یہ قول — "زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار"
اس گھڑی کا تھا یہ مطلب خود بقولِ میرزا — اور اس مطلب کی ہے تفسیر ان کا اشتہار
آئے گا اک زلزلہ کانپے گی جس سے کائنات — جس کے جھٹکوں سے گھر گھر میں پڑیگا خلفشار
لیکن اس بھونچال کے آنے کی یہ بھی شرط تھی — سرمہ کش ہو اس سے خود ملہم کی چشمِ انتظار
ان کے جیتے جی تو یہ بجلی نہ گردوں سے گری — پھونکتی جو آدمی کا خرمنِ صبر و قرار

بعد مدت اتفاقاً چھڑ گئی جنگ فرنگ — رنگ لائی مدتوں میں گردش لیل و نہار
زار سے چھنوا دیا قسمت نے اس کا تخت و تاج — کیونکہ قسمت کا نہیں دنیا میں کچھ بھی اعتبار
ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے دولت کسی کی ہے کب — صبح کو وہ ہیں گدا جو شام تک تھے تاجدار
ہونی آئی ہے کہ جو راجا تھے پرجا بن گئے — سنتے آئے ہیں کہ آقا ہو گئے خدمت گذار
حال اسی کو غیب کے اسرار کا معلوم ہے — بادشاہی اور گدائی پر ہے جس کا اختیار
لیکن ان باتوں سے مطلب قادیاں والوں کو کیا — جن کی اک منطق نے کیا دامانِ دانش تار تار
مرزا محمود کہتے ہیں کہ زار روس پر — ان کے والد نے جو کی تھی پیشگوئی پڑی ہے آ کے مار
کوئی ان حضرت سے پوچھے یہ بلا یا ہی تو کیوں — آپ کیوں نہیں سمجھتے ہیں گدی سے اتار
فرض کیجئے اس وقت تک یوں ہی دنیا میں ہے مقیم — آپ کیوں نہ بناتے ہیں اس کا بھی قصر زرنگار
زار کی تو آپ نے پہلے ہی دے دی تھی خبر — بلجیم کا قادیاں نے کیوں نہ بنایا اشتہار
بادشاہ جرمنی کی نسبت کیا ہے ارشاد آپ کا — غیب دانی آپ کی اس کی ہوئی کیوں پردہ دار

اب بھی اس کا حال بتلا دیجئے تاکہ یقیں ہو جائے
ورنہ کھو بیٹھیں گے سب اپنا جاتا ہو گا وقار

---

۲ اکتوبر ۱۹۱۷ء

قادیاں لندن میں

عناد اور بغض کی تصویر بن کر
گئے لندن بشیر الدین محمود

یہ مقصد آپ کا ہے اس سفر سے
کہ سرحد پر بچھادی جائے بارود

دکھائی یورپ نے آکر اس کو جنت
جہنم کی لپیٹ جس میں ہو موجود

یہ ساری سرزمیں پھر بھک سے اڑ جائے
اور افغانوں کی جمعیت ہو نابود

کوئی اس دین کے دشمن کو سمجھائے
کہ ساری کوششیں تیری ہیں بے سود

بھلا برطانیہ کو کیا پڑی ہے
کہ دوزخ میں تیری خاطر پڑے کود

سنت تو بھی کیا کسی کرنیل کی میم
بھگا کر لے گئے ہوں جس کو مسعود

قطعہ تاریخ وفات

شیخ علی احمد جمعدار غفران مکان ولد شیخ غلام نبی مرحوم قانون گوی و دہیرہ کاردار عہد
مہاراجہ رنجیت سنگھ ساکن گجرات۔ پنجاب۔

آج اک بزرگ قوم جہاں سے گذر گیا — چاروں طرف بلند ہے واحسرتا کا غل
اس واقعے سے ہیں متاثر سب اہل شہر — اس غم میں سوگوار ہیں شیخ اور شاب کل
ہر دلعزیز تھا وہ خواص و عوام میں — ازبسکہ اس بزرگ کا مسلک تھا صلح کل
محفل کی رونقیں علی احمد کے دم سے تھیں — ساقی جب اٹھ گیا تو نہ مینا رہا نہ مل

تاریخ ملہمانہ ہے اس کی وفات کی
گجرات کا چراغ ہوا آہ ہائے گل

۱۹ ۳ ۱۳۱

---

۶ جنوری ۱۹۳۳ء

نوح

خلد آشیاں سراج الدین احمد خاں بانیؒ زمیندارؒ

المتوفی ۶ر دسمبر ۱۹۰۹ء

وہ اپنے فن میں ملک کے اندر یگانہ تھا
یکتائے روزگار و وحید زمانہ تھا

حکم قضا سے چارہ نہیں سب کا یہی
پیمانہ اس کی عمر کا پورا بھرا نہ تھا

ایسی کچھ عمر اس نے زیادہ نہ پائی تھی
اتنا ہی بس یہاں اس کو ملا آب و دانہ تھا

ہمت کے اعتبار سے تھا ہم سر فلک
یوں تنگدستیوں میں بھی چندہ اس کا سیانہ تھا

اس کے قلم سے ختم تھیں جادو نگاریاں
ہر نکتہ اس کا ایک دل آرا فسانہ تھا

تھی اس کے لب پہ [illegible] دوا نگاہ دلی
اس سے سوائے [illegible] اور کا نہ تھا

اس کی زباں ہمیشہ تھی ترجمان دل
اس واسطے بھی وہ کسی سے دبا نہ تھا

ان صفات کو [illegible] ت یارہ
[illegible] زیادہ اتنا بڑھا نہ تھا

[illegible]
[illegible] کے سر اس کا جھکا نہ تھا

[illegible]
[illegible] خیال میں شامل ریا نہ تھا

[illegible]
[illegible] سے اگر مخلصانہ تھا

وہ بیکسوں کے واسطے بنتا رہا سپر — اور سرکشوں کے حق میں وہ اک تازیانہ تھا
تھا مقدرت سے بسکہ وہ بڑھ کر کشادہ دل — کچھ جمع اپنے واسطے اس نے کیا نہ تھا
سمجھے ہوئے تھے اہلِ وطن پیشوا اسے — سرکار سے خطاب اسے گو ملا نہ تھا
دہقاں کی ناؤ موج میں تھی ڈگمگا رہی — جب تک کہ اس سفینہ کا وہ ناخدا نہ تھا
کی اس نے آ کے عزت سے اس قوم کی مدد — جس کا بجز خدا کے کوئی آسرا نہ تھا
اس قوم بے زباں کی بنا آ کے وہ زباں — جس میں سے ایک شخص بھی نطق آشنا نہ تھا
وہ پاک نفس تھا غرض اپنی مثال آپ — ذکر اس کا آج خلق میں یوں غائبانہ تھا

شہباز ناپدیدہ رہ آسماں گرفت
مرغے نہ رفتہ است کہ دیگر تواں گرفت

یکم جنوری سنہ ۱۹۱۰ء

حبیب نور علیہ الرحمۃ

مرے جگر پہ سہاگت سنگھ کا ہے داغ نہاں — نہیں میں بھول سکا ہوں حبیب نور کو بھی
خدائے پاک کی شامل ہوں رحمتیں اس کو — اور اس کے ساتھ شہیدان کانپور کو بھی

۱۶ مئی سنہ ۱۹۳۱ء

داغ مرحوم

نقشِ سرابِ ہستی ناپائیدار ہے — شکلِ حباب زندگی مستعار ہے
گر عمرِ نوح بھی ہو میسر تو ہمیں کیا — آخر کو ہم ہیں اور وہی کنجِ مزار ہے
بلبل عبث ہے باغ میں ہنگامہ گرم کن — عہدِ خزاں ودیعتِ فصلِ بہار ہے
منزل پہ آ کے راہ روِ جادۂ فنا — دامن کشاں ہو قاعدۂ روزگار ہے
باتیں یہ سب درست بجا یہ تسلیاں — لیکن دلِ حزیں پہ کسے اختیار ہے
بچھڑا ہے ہم سے داغ ہمیشہ کے واسطے — دل داغدار ہے مژہ خوننابہ بار ہے
یہ داغ وہ نہیں کہ سہ والا لۂ چمن کا ہو — اس غم میں شمسِ بازغہ بھی داغدار ہے
ہوتا ہے آج حوصلۂ دل کا امتحاں — زور آزمائے زمن و زماں کا فشار ہے
ہوتی ہے اس کی مرثیہ خواں آج شاعری — ماتم میں اس کے آج غزل سوگوار ہے
جس کا کلام نازک و رنگین و دلفریب — اردو زباں کو مایۂ صد افتخار ہے
اردو میں جس نے شانِ تغزل وہ دی دکھا — سو جان سے جس پہ طرزِ نظیری نثار ہے
غالب سے نکتہ سنج جسے دادِ شعر دیں — اس کے سخنوروں میں مرا کیا شمار ہے

سونا پڑا ہے باغ کہاں ہے کدھر ہے آ — اے عندلیب گل تو ترا کہاں ہے
تصویر حسن و عشق کی کھچوائیں کس سے ہم — پردیس میں مصوّر جادو نگار ہے
کیونکر کرے گا حسن خود آرائیوں کی مشق — مشاطہ کے کرشمہ پہ جس کا مدار ہے
نازاں ہوا ہے دکن کہ ترے اشتیاق میں — دلی سے اُڑ کے آئی وہ مشت غبار ہے
دلی کو جس پہ فخر ہے ہندوستاں کو ناز — جس کے تلامذہ میں ترا شہریار ہے

بزم سخن کی شمع رہے گا کلام داغ
جب تک فلک پہ شمس و قمر کو قرار ہے

۵ مارچ سنہ ۱۹۰۰ء

محمد اکبر خاں مرحوم

المتوفی سنہ ۱۳۲۳ھ

ہیں آج سنانے کو یوں مرثیہ خواں کی زبانی — پہلو میں گداز جگر و دل کی کہانی
دشمن کا کبھی دل جس غم بیا نگاہ سے بھر آئے — اس غم کی مجھے آج ہے تصویر دکھانی
سیل آنسوؤں کا آج گذر جائے گا سر سے — گریاں ہی رہے گی یہی خونناب فشانی

کرنا ہے مجھے آج جواں بھائی کا ماتم | بنیاد فلک سے مجھے منظور ہلانی
یہ روزِ سیاہ بھی مری قسمت میں لکھا تھا | کرنی پڑی اکبر کی مجھے مرثیہ خوانی
رونق مرے گلزار کی تھی جس سے دوبالا | کیا ہو گئی اس سروِ خراماں کی روانی
وہ شمع کہ جس سے تھی مری بزم کی زینت | صرصر کو نہ لازم تھی سرِ شام بجھانی
کچھ شک نہیں اس میں کہ یہ دنیا ہے دو روزہ | یہ امر مسلم ہے کہ انسان ہے فانی
لیکن جگرِ خستہ کے اڑ جاتے ہیں پرزے | یاد آتی ہے اکبر مجھے جب تیری جوانی
چھبیس برس کی بھی نہ ہوئی تھی تیری عمر | کیوں تو نے جدائی کی اس وقت میں ٹھانی
کمبخت قضا سے کوئی شکوہ بھی کرے کیا | اس کو تو مساوات ہے پیری و جوانی
چھٹتے ہوئے توڑ گئے ہو میرا بازو | اچھی مجھے دی تو نے اخوت کی نشانی
ہم جیتے ہیں یہاں زندہ غم میں | لازم نہیں جنت میں خوشی تم کو منانی
جی ہے اسے ہوتے کس واسطے قربان برادر | کس دن کے لئے تھی یہ تمہاری ہمہ دانی
گل باندھ کے سہرا ترے سر آج دریغا | چادر تری تربت پہ پڑی مجھ کو چڑھانی
دیکھو تو ذرا اٹھ کے قیامت کا نمونہ | بالیں پہ تمہارے ہے بپا حشرِ ثانی
اکبر ترے مرنے کا مٹے گا نہ کبھی داغ | اس پھول کو سینچے گا مرے اشک کا پانی
رونے تھیں ہم اپنے ہیں روتا ہے مقدر | کم ہم ہیں ... میں زیادہ ہمیں آدانی
جس قلم سے اٹھ جائیں جہاں تم سے ہنر | تقدیر کو منظور ہے وہ قوم مٹانی

نئی زندگی اور نیا پیغام

زندگی بخشے جب اغیار کی بیداد مجھے
لاجپت رائے کی موت آئے نہ کیوں یاد مجھے

میری اک آہ سے جل جائے گا بے شک دام
پھانستا اس میں ہے بے فائدہ صیاد مجھے

دل کی بستی کو جو ویراں ہے بس آ کر اس میں
اے خدا ہند میں کرنا ہے جو آباد مجھے

وطن و اس کی روایات پہ جس سے حرف آئے
باعث ننگ ہے وہ شیوۂ فریاد مجھے

جو کسی سے دبی ہے نہ دبے گی ابداً
ہو مبارک یہ مری فطرت آزاد مجھے

خود وہ مٹ جائے گا جو مجھ کو مٹانا چاہے
دے رہی ہے یہ شہادت مری افتاد مجھے

صبر سے جبر کو میدان میں دوں گا میں شکست
جبر سے یوں نہ ڈرائیں ستم ایجاد مجھے

بیڑیاں میری غلامی کی کٹیں گی کس وقت
خوب معلوم ہے یہ عیب کی میعاد مجھے

اس میں خود جارج ہوں یا ارون و ویجوڈ بن ہوں
دینے والے ہیں مرے عزم کی سب داد مجھے

۱۶ نومبر ۱۹۲۹ء

مفتی محبوب علی شہید

تیرے خوں نے جس سے دہلی کی زمیں ہے لالہ رنگ
ہند میں اسلام کو بخشی حیاتِ تازہ ہے

کفر کے حق میں ہے طوفانِ نوح کا اس کا بہاؤ
اس کی سرخی ملتِ بیضا کے رُخ کا غازہ ہو

کلمہ پڑھتا تھا نبی کا اس لئے مارا گیا
تیری مظلومی کا فرش و عرش میں آوازہ ہے

خنجرِ قاتل کلیدِ قفلِ جنت بن گیا
کھل گیا تیرے لئے فردوس کا دروازہ ہو

اینٹ پتھر تک بھی چلنے لگے ہیں آجکل
سنگفشیوں کے جنوں کا جوش بے اندازہ ہو

ہر طرف سے ہے مسلمانوں پہ اعدا کا ہجوم
جانتے ہیں منتشر اس قوم کا شیرازہ ہے

منزلِ مقصود پہ آخر پہنچ ہی جائے گا
مصطفےٰ حسن کے [illegible] ان ہی پہ دم تازہ ہے

---

۱۸ فروری ۱۹۲۷ء

گرامی مغفور

تازہ تھا ابھی دل میں غمِ شرر کی رحلت کا
اب خبر یہ آئی ہے چل بسے گرامی بھی

نغز گو ہو بیشک تم اے عجم کے فرزندو
تم سے کم نہ تھی لیکن اُس کی خوش کلامی بھی

شستہ تھی زباں اُس کی پختہ تھا کلام اُس کا
تم دکھا نہیں سکتے اس میں ایک خامی بھی

مہر کی تجلی تھی ہر غزل کے مطلع میں
ماہ کی تمامی تھی جس کی ناتمامی بھی

نغمہ گرچہ ہندی تھا لے مگر تھی شیرازی
سنتے اور سر دُھنتے طالبؔ و امامی بھی

گنجِ شائگاں پاتا اس کے گنجِ معنے کو
خاکِ گنجہ سے آتا اٹھ کے گر نظامی بھی

جانشیں کوئی اُس کا اب نظر نہیں آتا
کرتے ہیں اسے محسوس میرے جیسے عامی بھی

فارسی کی قدر اٹھی جب سے آئی انگریزی
کیسی سخت آفت ہے ہند کی غلامی بھی

---

۹ جون ۱۹۲۷ء

مرثیہ آنریبل سید محمود مرحوم و مغفور

اے پارۂ دل آنکھ سے خوں ہو کے نکل جا — اے دیدۂ تر چشمۂ خوں بن کے اُبل جا
اے آہِ شرر بار کلیجے کو جھلس دے — اے نالۂ جاں سوز سوئے چرخ زحل جا
اے سینہ دمِ سرد کا طوفاں بپا کر — اے مغز تپ سوزشِ پنہاں سے پگھل جا
اے کوہِ الم ٹوٹ پڑ احباب کے دل پر — اے آرۂ حسرت سرِ اعضا پہ چل جا
اے برقِ فنا پھونک دے ارمان کی خرمن — اے کشتِ مراد دلِ حسرت زدہ جل جا
لازم نہیں کر لی تجھے ضد اے جگر اس وقت — رہ رہ کے نہ اس طرح سے مژگاں پہ مچل جا
برپا ہے جہاں میں ترے بدلے کی قیامت — اے حشر ہمیشہ کے لئے آج سے ٹل جا
تجھ سے نہیں کچھ زور ہے اے پنجۂ تقدیر — برگِ گلِ امید کو چٹکی میں مسل جا
باز آئے ہم ایسی زندگی مرگ نما سے — اے افعیِ غم تو ہمیں سارا ہی نگل جا
باتوں سے چڑھی ندی اتر جائے گی گویا — ناصح کا یہ فرمان ہے طبیعت کو سنبھل جا

کیونکر نہ تپا شوق یہ بھلا آج ہمارا
محمود ہمیشہ کے لئے ہم سے سدھارا

سر سید مرحوم کا وہ نورِ نظر تھا — اس سے بھی سوا ہند کی نظروں میں مگر تھا

تھا قوم حزیں کے لئے سرمایۂ نازش — از بسکہ وہ گنجینۂ صد فضل و ہنر تھا

چھپائے ہوئے تھے اس کے معانی کو دقائق — مخزن تھا فضائل کا معارف کا وہ گھر تھا

قانون کے اسرار و غوامض کو خصوصاً — اس کی ہمہ دانی سے بچے مقابل نہ مفر تھا

دل اور دماغ اس کے تھے مافوق حوالی — اپنوں میں نہ موجود تھا مثل اس کے اگر تھا

بیگانے تھے اپنوں سے سوا اس کے ثنا خواں — اس درجہ قوی اس کے فضائل کا اثر تھا

عظمت کبھی محسوس نہ اپنی ہوئی اس کو — باطن میں فرشتہ تھا وہ ظاہر میں بشر تھا

میراث میں نانا کی تھا اس کو ملی تھی — ہم سنگ خزف اس کے لئے نقرہ و زر تھا

حصے میں شجر جیسے ہے بستاں کے کوئی بھی — پہلے وہ یہیں آ کے کھلا غنچۂ تر تھا

اس باغ کا اک پھول تھا وہ تازہ و خوش رنگ — اس شاخ کا وہ ایک گراں مایہ ثمر تھا

محمود کے مرنے کی ہے دشوار تلافی

ہے صبر کا یہ صدمۂ جاں کاہ منافی

خوں روئے گا یہ دیدۂ گریاں کوئی دن اور — رکھے گی نشتری یاد پریشاں کوئی دن اور

مٹی میں ہے تجھے شوق کے پہلوئے پدر میں — جاں کھوئیں گے ہم سوختہ ساماں کوئی دن اور

کچھ گذری ہے اور ہو گی بسر تجھ تیرے غم میں — اس مرحلے کے ہم بھی ہیں مہماں کوئی دن اور

چپ چاپ بہم سے روشن گھر قید میں ہمیشہ — کر لیں ترے ماتم میں ہیں افغاں کوئی دن اور

اس سن میں تری موت قیامت سے نہیں کم | رکھتا تجھے روشن تھا یہ زنداں کوئی دن اور
محفل کی ضیا جس سے دوبالا تھی نہ بجھتی | اے کاش کہ وہ شمع فروزاں کوئی دن اور
نوخاستہ بیٹے کو دیا داغ یتیمی | اس سے تو نہ تھا توڑنا پیماں کوئی دن اور
لے دے کے فقط ایک تجھی پر تھا ہمیں ناز | پھر تجھ پہ نہ کیوں ہم رہے نازاں کوئی دن اور
جو قوم میں اچھے ہیں وہ یوں جاتے ہیں مٹتے | مہماں ہیں دنیا میں مسلماں کوئی دن اور
تو قوم کی خدمت میں رہا باپ کا پیرو | یاد آئیں گے ہم کو ترے احساں کوئی دن اور

مرحوم کو دے خلد میں خالق اکبر
نعم البدل سید محمود عطا کر

جولائی ۱۹۰۳ء

مستقل نظمیں!

عید الفطر

١٣٤٤ھ

عید آئی لیکن اس کی کیا خوشی پنجاب کو
چھڑ رہی ہیں جب کہ ماتم کی صفیں بنگال میں

کیجیے قسمت سے دعویٰ ہیں ہم مسلمانانِ ہند
مل نہیں سکتا خوشی کا ایک دن بھی سال میں

کب دکھا سکتے ہیں کھا کر گوشت سر عبدالرحیم
جو کرامت مالوی جی نے دکھائی دال میں

شدھی و سنگٹھن کے ہاتھ سے ہاتھ ابھی نکلے ہی تھے
خالصے جوہر دکھانے لگے جا کے استقبال میں

طورِ سینا اور تماشا گہ کی وادی اور ہے
آئے ہیں موسیٰ یہاں خود سامری کی چال میں

ایک ہیں جو لطف اٹھاتے بادۂ رنگیں سے کم
بے تکلف ناچتے رہتے ہیں شب بھر بال میں

ایک ہم ہیں پاس بھی مسلک کا جب ہوتا ہے اگر
حکم ہوتا ہے ڈبو دو ان کو بیتی تال میں

مسئلہ تھا درد بن کر گر پڑا آنسو کی طرح
کچھ نہ ذوق آیا مگر کافر کے استقلال میں

کاٹ کر پیپل کی شاخیں شیخ جی خوش ہو لیے
یہ نہیں سوچا کہ ہیں اس کی جڑیں پاتال میں

سب سے بڑھ کر ہے انہیں کو دشمنیِ اسلام سے　　آج ہے جن کا شمار اقطاب اور ابدال میں
صورت آدم کی مگر سیرت میں رشکِ اہرمن　　نام کو انساں مگر ابلیس ہیں اعمال میں
اتقا سے بعد و بُعد اور اس پہ یہ دعویٰ کہ ہم　　ہیں حضورِ سرورِ کون و مکاں کی آل میں
مطلقاً بے بہرہ ہے دینِ حجازی سے یہ قوم　　حصہ جس کا ہے مسلمانوں کے جان و مال میں

میں کہاں اور وہ کہاں لیکن جھلکتا دیکھ لو
رنگِ فخر الدین رازی میرے استدلال میں

مبارکباد عید صیام بہ معاونین "زمیندار"

عید جو ہے روزہ داروں کی مسرت کا نچوڑ　　ہو مبارک قدردانانِ "زمیندار" آپ کو
آپ کے گھر عید جن خوشیوں کو لے کر آئی ہے　　سال بھر خوشیاں یہی دکھلائے دادار آپ کو
رکھے تا عید تک ساقیِ دوراں کا کرم　　کامیابی کی مئے گلگوں سے سرشار آپ کو
دوست ہو جو آپ کا ہو سربلند و ارجمند　　اور معاند آپ کا آئے نظر خوار آپ کو
کوکبِ بخت آپ کا ہو نقطۂ وسط السما　　طالعِ حاسد نظر آئے نگوں سار آپ کو

آپ کے پہلو میں جب ہو اور نہ اُس دل میں درد — دیکھوں ان آنکھوں سے میں ملت کا غمخوار آپ کو

دی عنایت سے جو مجھ کو پھر فرصت نے پروردگار — رکھے اس اخبار کا یہ سول خریدار آپ کو

اس کا ہر مضمون ہو گلزار اور دست قلم بلبل مرا — اور ہو دل میں اشتیاق سیر گلزار آپ کو

ملک والے گر قدر فرماتے ہیں اس اخبار کی — فخر ہے اس قدردانی کا سزاوار آپ کو

اس رُت سے ہے یہ جریدہ خدمت ملی میں فوقیت — اس حقیقت سے نہ ہوگا شاید انکار آپ کو

بے تعلق آپ کا اور اس کا ربط جسم و جاں — آپ سے ہے اس کو پیار اور اس سے ہے پیار آپ کو

کیجئے اس کو بلند آواز سے یہ آپ کی — آپ کی خاطر ہی میں لکھتا ہوں ہر بار آپ کو

تو نہ ملالی ہے جب تک شغل شہو رہے
یوں نہیں تکلیف دوں سب چارہ ناچار آپ کو

---

۲۴ ستمبر سنہ ۱۹۱۱ء

عید رمضان

۱۳۴۶ھ

بدلا ہے عجب رنگ مسرت نے جہاں کا
ہر پیر پہ ہوتا ہے گماں آج جواں کا

اک لہر تھی برقی کہ گئی دوڑ رگوں میں
گردوں پہ ہے پیدا شبہ جیب شام کو جھانکا

بیٹھے تھے اس امید پہ مشتاق بہ عید
حاجب نہ ہو بادل کوئی چشم نگراں کا

ہر رنج ہے دنیا میں باندازۂ راحت
ہر شکوۂ نہاں پردہ ہے ساز عیاں کا

انعام طرب لائی ہے شوال کی پہلی
گذرا ہے بصد آلام مہینہ رمضاں کا

توپوں کی شلک سے گیا گونج اٹھا سب زمانہ
کھولا ہے مگر رعد نے قفل اپنے دہاں کا

بچے ہیں نہا دھو کے سویرے ہی سے ٹولیاں
برسے ہوئے تو راستہ انداز سے ناز کا

آنکھوں میں ہے سرمہ تو لبوں پر ہے تبسم
قدرت کا یہ جلوہ ہے کرشمہ وہ ہے ماں کا

ہیں سرو و سمن گوش بہ گلبانگ عنادل
یاں شور ہے برپا ہے شور مسلماں اذاں کا

یہ طنطنہ ہے دین کی شوکت کا ترانہ
یہ غلغلہ پیغام ہے عید رمضاں کا

آرائش بزم ورہ اسلام ہے اس سے
یہ عید اک انعام ہے اللہ میاں کا

میری بھی طبیعت میں ہے آج ایک نیا جوش — پھونکوں گا فسوں نظم میں آج اپنی زباں کا
دریائے معانی پہ ہے سر ادا لی امواج — شرمندۂ احساں ہے مری طبع رواں کا
دیکھی نہیں تصویر فصاحت کی جنہوں نے — وہ دیکھ لیں انداز مرے حسن بیاں کا
امڈی چلی آتی ہیں مضامیں کی گھٹائیں — برسیں یہ قلم پائے اشارہ جو بناں کا

تھی عید گہ اک آئینہ جس میں نظر آیا — جلوہ مجھے اسلامیوں کی شوکت و شاں کا
ہر شاخ دل ایمان کے پھولوں سے لدی تھی — اس باغ میں ڈر تھا نہ بہاراں کو خزاں کا
چرچے تھے اخوت کے زبان اور دہن پر — تھی لب لباب آج مساوات یہاں کا
بیٹھے تھے امیر اور فقیر ایک ہی صف میں — ٹوٹا تھا طلسم آج فلاں ابن فلاں کا
اس بزم دل افروز میں ہوتا نہ گذر کیوں — مجھ سے کسی بے مایہ و گم نام و نشاں کا

جیسے ہی وہ نماز سے فراغت ہوئی مجھ کو — چہرہ نظر آیا مجھے اس جان جہاں کا
بجلی سی کوئی کوند گئی آنکھ کے آگے — غارت ہوا سرمایہ مری تاب و تواں کا
ٹوٹا یہ ضبط اور دل سے ہوئی پار — چشم غلط انداز میں تھا زور سناں کا
تھا غمزہ جفا کیش لب لعل وفا کوش — وہ امن کا دشمن تو یہ ضامن تھا اماں کا
استادہ جگہ سے نہ ہلی دل سے — دعویٰ تھا کہ مجھے ضبط فغاں کا

سوچا یہ مگر ساتھ ہی ، کس طرح ہے ممکن
نظارہ حرم میں نگہ ناز بتاں کا

کیا ہو گئی مسجد بھی کلیسا کے برابر
دیتی ہیں جہاں کام مسیں حور جناں کا

کانوں میں ترنم کسی عشارتگر دیں کا
آنکھوں میں تصور کسی آفت گر جاں کا

مسجد میں غرض شرم سے آب آب ہوا میں
اور دامن غیرت سے وہیں چہرہ کو ڈھانکا

اس سے یہ کہا میں نے کہ اے خال رخ حسن
دربار ہے یہ بادشہ کون و مکاں کا

وہ خود ہے جمیل اس لئے آنکھوں سے نہاں ہے
بے پردہ جو تم ہو یہ سلیقہ ہے کہاں کا

اس قید سے آزاد ہوئیں آپ یہ کیوں کر
بی بی کو اشارہ یہ ہوا کب سے میاں کا

مسجد میں جو تم آئی ہو بے برقع و چادر
کیا تم کو یہی حکم ہے اللہ میاں کا

ہے خانہ بر انداز حیا یہ نئی تہذیب
اس لئے تمہیں رکھا نہ یہاں نہ وہاں کا

سن کر مری باتیں یہ کہا اس نے بگڑ کر
سب بی بیاں آزاد ہیں اب پردہ کہاں کا

تم کون ہو پردہ کا جو دو مشورہ مجھ کو
کیا تم کو بھی منصب ہے کسی شیخ زماں کا

معنی ابھی تم سمجھے ہو غض بصر کے
آنچل سے جمال رخ پر نور کو ڈھانکا

عارض پہ جسے بار ہو داماں نگہ تک
کیونکر متحمل ہو وہ اس بار گراں کا

میں پھرتی ہوں اور پھرتی رہوں گی کھلے بندوں
کچھ اس میں اجارہ نہیں بہمان و فلاں کا

میں جانتی ہوں تجھ کو کہ پہلے ہی سے میرے
دل پہ ہے اثر تیری جراحات لساں کا

مشہور ہے تو شہر میں شیطان کی بابت — ہے ذکر ترا شغلہ ہر خرد و کلاں کا
محفل نہیں اس شہر میں ایسی کوئی جس میں — چرچا نہ ہوا تیری [illegible] زباں کا
پردہ کی حمایت میں جو کھولے گا زباں تو — ہو جائے گا رہنا تجھے دشوار یہاں کا
ہیں اک اشارہ میں نکالا تجھے [illegible] — ہو جائے گا سب [illegible] ہی میاں کا
[illegible] ہے کہیں روک کے آزادی نسواں — [illegible] تیری چھپنی اور چپاں کا
کچھ تجھ کو خبر بھی ہے کہ [illegible] — [illegible] دہاں کا

اس وقت مرا قصہ تمام ہے یہاں — افسوس [illegible] بیاں کا
اک شخص [illegible] — [illegible] فشاں کا
[illegible] — [illegible] گلفشاں کا
یوں کھلے کہ تماشا [illegible] — [illegible] اپنے مکاں کا
اور دل میں [illegible] — جو کام لیا [illegible] کماں کا
ایک ایک نظر [illegible] — ایک ایک ادا [illegible] مرثیہ جاں کا
یوں اپنے خیالات [illegible] — [illegible] سماں کا
[illegible] — [illegible] ال کا
[illegible] — [illegible] ال کا

ہاں ہے سرافراز تو عالم ہے نگوں سار
واللہ عجب بھاؤ ہے قسمت کی دکاں کا

گالی ہو بھری منہ میں مگر لب پہ دعا ہو
یہ نکتہ سمجھ لو سبق سود و زیاں کا

کڑوی ہو کسیلی ہو جو چڑھا جا نہ . انکار
فرمان یہ تسلیم کرو پیر مغاں کا

جلوت مری ہو جائے خلوت میں مبدل
ہو گی جو ذریعہ مرے نام اور نشاں کا

اک گوشہ میں بیٹھا ہوا دنیا سے الگ ہیں
سیکھوں گا سبق عافیت و امن و اماں کا

عید اضحیٰ

۱۳۴۹ھ

عید اضحیٰ آئی ہے لے کر اخوت کا پیام
وہ چمن طبع میں لہرائی محبت کی شمیم

تازہ پھر ہوتی ہے سنت آج ابراہیمؑ کی
ہو رہا ہے آج پھر حل عقدۂ ذبح عظیم

رولتے ہیں آج وہ موتی گدایانِ حرم
جن کو آیا تھا لٹانے ایک مکہ کا یتیم

ہند میں ایثار و سربازی کا ہے آج امتحاں
اے مسلمانو! تمہارا تو یہ مسلک ہے قدیم

لندن

لیلیٰ شب نے مانگ سنواری
آدھی عمر اسی میں گزاری

بجتے ہیں پہلے بارہ ٹن ٹن
پھر بجتا ہے گجر کا ارگن

چاندی کی پیلی پیلی کرنیں
پیاری پیل پھیلی کرنیں

سقف فلک پہ ناچیں چھم چھم
صحن زمیں پہ اتریں جھم جھم

دیتی ہیں تاروں کو جھکولے
نور کے لٹکاتی ہیں ہنڈولے

پگھلی ہوئی چاندی کا سمندر
سب پہ اگا باہر اور اندر

جس نے طلسم اپنا چڑھایا
اور بدلی اس شہر کی کایا

جو کہ ہے غداری میں بابل
کہتے ہیں سب ملکوں کا جیسے دل

یعنی مرجع دنیا لندن
شاہد دل کش و زیبا لندن

قلعہ کوہ و دشت و بیاباں
ہامون، دریا، وادی، میداں

سب پہ تری آبادی پھیلی
ہو نہیں سکتی جس کی گنتی

تیرے عرصۂ دل کے اوپر   تیرے محاذ جاں کے اندر
کیسے کیسے جذبے ہیں پویاں   کیسے کیسے بھرے ہیں ارماں

اے دنیا کے شہروں کے افسر   سب سے افضل سب سے برتر
حشمت والے شوکت والے   نشۂ دولت کے متوالے
صنعت اور تجارت والے   دولت اور حکومت والے
دانش والے حکمت والے   فلسفہ والے ہیئت والے
ہنڈیوں والے نوٹوں والے   فائدوں والے ٹوٹوں والے
برجوں اور مینا روں والے   باغوں اور بہاروں والے
ہالوں والے پارکوں والے   لانیوں والے پارکوں والے
ریلوں والے تاروں والے   برقی موٹر کاروں والے
قصروں اور ایوانوں والے   ہوٹلوں اور میخانوں والے
وسکی والے الکشا والے   لیمنڈ والے سوڈا والے
مرغیوں والے انڈوں والے   ریڈیوں اور امنڈوں والے
توپوں اور بندوقوں والے   عاشقوں اور معشوقوں والے
تنکے چننے والوں والے   سر کے دھننے والوں والے

گورے گورے گالوں والے — بھورے بھورے بالوں والے
پیاری پیاری جبینوں والے — ابھرے ابھرے سینوں والے
چوری کرنے والوں والے — جیب کترنے والوں والے
لقوں والوں لچوں والے — شہدوں اور اچکوں والے
کیسے کیسے گند اور بدیاں — ہیں ترے دل کے اندر پنہاں

دیکھنا ہو گر تم کو تماشا — اچھی طرح سے کیسی لندن کا
واٹرلو کے پل سے دیکھو — وقت پہ صبح صادق کا ہو
پہلی شعاعیں سورج کی جب — چاک ہوں کرتی دامان شب
وہ دامن کہ ٹکے ہیں یکسر — جس میں کروڑوں کوکب و اختر
گیسو جیسے نگار سحر کے — شبنم کے قطروں سے ہوں بھیگے
گذرو اگر اس پل پہ تم سارا — دیکھ لو لندن کا نظارا
یہ وہ اصلی وقت یہی سب — یہ وہ گھڑی ہے جس میں چھپی ہے
یعنی عہد شباب لندن — ناز و ادا و حجاب لندن
یہ ہی وقت حسن افزا ہے — جوبن اس کا پھٹا پڑتا ہے
تن کو ہے پیرس نکھرتی — ندی پہ آکر پانی سے بھرتی

جیسے کوئی دلبر خنداں — کرتا نقاب سے ہو اچپلیاں
ویسے ہی لندن نور کے ترکے — اپنی جبین نور فشاں سے
بادل مست اور جھومنے والے — پیشانی کے چومنے والے
ایک طرف کو ادا سے ہٹا کر — ناز سے شرما کر اٹھلا کر
چہرہ کی تاب دکھا دیتا ہے — سورج جس کو جلا دیتا ہے

ایسے ہیں دیکھے کوئی لندن — اس کے قصر و بام و برزن
گودی دیکھے سندر دیکھے — دریا دیکھے بندر دیکھے
دیکھے دریا کی موجوں کو — دیکھے بارکوں میں فوجوں کو
کشتیوں کے مستولوں کو دیکھے — شاخوں پہ پھل اور پھولوں کو دیکھے
رونق دیکھے بازاروں کی — کثرت دیکھے نظاروں کی
پردۂ عبرت پر پھر کھینچے — اپنے تصور کے رنگوں سے
اگلوں کے آثار کا نقشہ — پچھلوں کے دربار کا نقشہ
منعم کے اقبال کی صورت — مفلس کے جنجال کی صورت
دل کی فراخی و تنگی دیکھے — بخت کی رنگا رنگی دیکھے
دیکھے غرض یہ سب تصویریں — شان خداوندی کی نظیریں

لندن کا آوازۂ عظمت سنتی کب سے آئی ہے خلقت

اس نے ایک زمانہ دیکھا صدیوں کا آنا جانا دیکھا

سیل حیات بہے جاتی ہے اندھی موج چلی آتی ہے

صبح کو جب سورج ہے نکلتا نور کا اک چشمہ ہے ابلتا

دیکھو پھر وہی شکل مثالی اور وہی فانوس خیالی

دل کی لگی سینہ میں دکاں ہے درد کا جس میں بھرا ساماں ہے

بیم و رجا و حسرت و ارماں سازِ عیاں و سوزشِ پنہاں

ہے کہیں خندہ کہیں ہے تبسم
قسمت کا برپا ہے تلاطم

سنگم

پریاگ میں ملی ہے جمنا آ کے گنگا گویا ملا ہوا ہے نیلم بہتا ہوا وہ ہیرا

ان کی ہواؤں نے کھینچا ہے نقش موڑا ان کی روانیاں ہیں شانِ خدا لیے یکتا

سنگم کی سیڑھیوں پہ موتی لڑھک رہا ہے

سرنگاپٹم

سلطان ٹیپو کے مزار پر دو آنسو

اے سرنگاپٹم! اے گنجِ شہیداں کے امام
آخری وقت میں اسلام کی غیرت کی نمود

تیری آنکھوں میں ہے اپنوں کا عروج اور زوال
تو نے دیکھا ہے پرائیوں کا ہبوط اور صعود

کام میں لا نہ سکی تھی جسے خاکِ دہلی
تیرے ذرّوں نے بچھا دی وہ حجازی بارود

کشورِ ہند کا رنگ اور ہی ہوتا کچھ آج
مکر کا دام بچھاتا نہ اگر چرخِ کبود

سو رہا ہے ترے پہلو میں وہ میسور کا شیر
مایۂ ناز تھا ملت کے لیے جس کا وجود

قوتِ بازوئے اسلام تھی اُس کی بدولت
اُس کی دولت کے دعا گوؤں میں شامل تھے ہنود

کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے
اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود

اُس کے اُٹھتے ہی مسلماں کا گھر بیٹھ گیا
تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود

آخری قول یہ اُس کا نہیں بھولے گا
جس سے قائم ہوئیں آئینِ حمیت کی حدود

شیر اچھا ہے جسے حیاتِ یک روزہ ملی
یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود

دل حسرت زدہ میرا بھی گیا ساتھ جب آج — اس کے مرقد پہ گئے یاس و تمنا کے وفود

پھر گئی آنکھ میں فردوس بریں کی تصویر — ظل ممدود میں تھا جلوۂ سدر مخضود

اس کی دہلیز سے لپٹی ہوئی تھی رحمت حق — چومتے تھے جسے جھک جھک کے ملائک کے جنود

آئی گنبد سے ندا اے کہ تری پیشانی — رات دن درگہ دادار پہ ہے وقف سجود

بر سر تربت من چوں گذری ہمت خواہ

کہ زیارت گہ رندان جہاں خواہد بود

میں نے کی عرض کہ اے فطرت آزادی کی روح — توڑ لی جس نے سلاسل میں غلامی کی قیود

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود

سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

تطہیرِ یثرب

داخل ہوا مدینے میں ابنِ سعود آج — پھر جوش پر ہے رحمتِ ربِّ ودود آج
توحید کا عرب میں علم سربلند ہے — قائم ہوئی ہیں شرعِ نبیؐ کی حدود آج
ہیں غازیانِ نجد بہ رنگِ پاسباں — یثرب میں خیمہ زن ہیں خدا کے جنود آج
آتے ہی مسجدِ نبوی میں پڑھی نماز — کیا لطف دے گیا ہے رکوع و سجود آج
منکر بتائے جاتے تھے جس نام پاک کے — اُس پر یہ لوگ بھیج رہے ہیں درود آج
اس جھوٹ کا کہ گنبدِ خضرا ہوا شہید — سلطان نے بکھیر دیا تار و پود آج
ہم کو ہے پاس عہد کہ ابن سعود کو — کس کو ہیں یاد ازل کے عہود و عقود آج
کل جس کے نام سے بھی نہ عالم تھا آشنا — ہم اُس کے پاس لے کے چلے ہیں وفود آج
رگ رگ میں موجِ خونِ سلطنت دوڑنے لگی — مٹنے لگا ہے تفرقۂ ہست و بود آج

قبریں ہیں جن میں تو فیصل عراق میں — نابود ہے حجاز میں ان کا وجود آج
اک رہ گیا علی سو اسے دیکھ دیکھ کر — یاد آ رہی ہے مجھ کو حدیثِ ثمود آج
جدہ سے بھاگ لے فلسطین ہی تو ہو — جو بن رہا ہے جائے پناہ یہود آج

اسلام کے جو وارث کل تک تھے نحیف و ضعیف
جلتے ہیں دیکھ دیکھ کے اس کو عدو آج

---

۲۲ ستمبر ۱۹۲۵ء

ایک ناتمام قصیدہ کے چند اشعار

شوکتِ تو زینتِ تاج و نگیں — تجھ سے ہے آرائشِ دنیا و دیں
تو امانت کا ہے گنجینہ دار — تجھ کو کہتے ہیں لقب سے الامیں
غیب کی تائید ہے صدقہ ترا — اِنَّ اللّٰہَ مَعَ المُحسِنِین
آرہی ہے تیرے لئے یہ صدا — اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِین

اَیَّدَکَ اللّٰہُ بِنَصْرٍ عَزِیز
وَفَّقَکَ اللّٰہُ لِمَا یُرْضِی

تصویر آرزو

میری زباں پہ جیسے باقی ہے ثنا کی آرزو
اور زباں پہ آئے جاتی ہے لقا کی آرزو

میں جب سے مبتلائے ہوس کا اسیر ہو گیا
میری آنکھوں کو ہے پھر نقش پا کی آرزو

ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں اسلام کو لے کے چراغ
کافر مسلم نما کو ہے خدا کی آرزو

صدق میں صدیق اکبر سے الگ میری روش
لیکن اس پر بھی ہے صداقت کے لوا کی آرزو

عدل میں فاروق اعظم سے جدا میرا شعار
لیکن اس پر بھی خلافت کی قبا کی آرزو

شرم و حیا میں جدا ہوں میں عثمان غنی سے
لیکن اس پر بھی شان حیا کی آرزو

دست و پا شل ہیں پر بھی ہے دل میں یہی
زور بازوئے علی مرتضےٰ کی آرزو

آنکھ ما زاغ البصر سے کس طرح بیگانہ ہو
حیف ہے پھر بھی ہوس کو ماطغیٰ کی آرزو

لیس للانسان الا ما سعیٰ کو بھول کر
آرزو میری بھی ہے کیسی بلا کی آرزو

اے مسیحائی تو پیدا ہے اب [illegible] دعا
بلکہ خود خلاق اکبر کی رضا کی آرزو

الحمد کہ ہے تیری دوا ہی تیری امت کا علاج
ملت بیضا کو ہے تیری دعا کی آرزو

جاگ جاگ اے نیند کے ماتے کہ تیری قوم کو
سہنی ہے منزل نہ باقی ہے وفا کی آرزو
رات اندھیری کارواں مشکل میں راہ پر پیچ ہیں
قافلہ کو سونے دیتی ہے بانگ درا کی آرزو

محفل نشاط

جب تک پیالہ مے سے لذت خوردہ دل مجھے
ملتا نہیں ہے قرار و سکوں سب مجھے

ساقی مے سے بیانہ بھر یہ مستیاں مری
خون جگر سے لبیب مئے لالہ گوں مجھے

فضل خدا فزا ہو فطرت ہے اے علیم
دی تجھ کو حق نے عقل تو بخشا جنوں مجھے

میرا یہ جسم ہے کہ ہوں نذر نشاط ہوں
خاک مرے تن کی دیکھ لو ہے نقش خوں مجھے

اے محفل نشاط ہے تیرہ فضا ہے بس
احساس ہے جو ہے یہی شاہراہ جنوں مجھے

* * *

گوکل کی بانسری کی گونج

اگر کرشن کی تعلیم عام ہو جائے
تو کام فتنہ گروں کا تمام ہو جائے

بپاس خاطر مسیحا پھر سے دوارکی وطن
نثار حضرت خیر الانام ہو جائے

مٹائیں ہم بھی دوئی نفرت اپنے
زمانہ دونوں کے گھر کا غلام ہو جائے

بپتاؤں کی بپتا کی دھجیاں اڑ جائیں
جہاں یہ تیغ دو دم بے نیام ہو جائے

کہاں رہا ادب اور علم کے سوا موجود
سمند لندن اگر بے لگام ہو جائے

وطن کی خاک ذروں سے جانب پیا ہوں
بلند ان ذرات کا مقام ہو جائے

ملیں اگر لگانے کو تعبیر شراب کے خم
تو ساقی بزم ابھی آتش بجام ہو جائے

سلیقہ بادہ کشی کا اگر ہو پیدا دل کو
شکست توبہ کا بھی اہتمام ہو جائے

سنی جو اہل جہاں نے گوکل کی بانسری کی گونج
خدا کرے یہ سبق دل عام ہو جائے

ہلال عید سے دو دو باتیں

اے ہلال اے جلوت کبریٰ کی وحدت کے نشاں — [illegible] آنکھوں میں ہو پیدا [illegible] سال نور
تو ہمارے گھر کے چھت کی چاندنی اُس رات تھا — جب [illegible] میں ظہور
تو فروغ افشاں ہوا اُس شب ہماری بزم میں — جب ہوئے ہم اول اول نشۂ وحدت میں چور
ملت بیضا [illegible] — [illegible] سر کا غرور
تو نے دیکھا ہے [illegible] — [illegible] دور
پائے [illegible] ہماری کائنات تھی کائنات — اور ہماری [illegible] نشور
قیصر [illegible] — جب ہمارے [illegible] الامور
ان دنوں جب عید کا [illegible] — [illegible]
دیکھتی تھی ان دنوں [illegible] دیوان [illegible] — [illegible] سطور

[illegible]

[illegible]

[illegible]

یاکمال اس دن منا سکتا ہے جشن خرمی ۔۔۔ جس کا اپنا ملک ہے اور اس میں اپنا راج ہے
یا بچھا سکتا ہے عشرت کی بساط ابن سعود ۔۔۔ کر چکا جو اپنے گھر سے غیر کا اخراج ہے
عید ان کی ہے جنہیں ہے پاس ناموس وطن ۔۔۔ عید ان کی ہے جنہیں دین ہدیٰ کی لاج ہے
تو ہی کر انصاف ہم کیا اور ہماری عید کیا ۔۔۔ جن کی آزادی کی دولت ہو چکی تاراج ہے
جن کے اجڑے گھر میں بھوکی بھانگ تک ملتی نہیں ۔۔۔ جن کی جان اغیار کے بیداد کی آماج ہے

تو چمک کر منہ چڑاتا ہے ہمارا کس لئے
اور نوید عید لاتا ہے خدارا کس لئے

"نیرنگ خیال" لاہور اپریل

محبت کی راہ

محبت کی گلی میں سر کٹانے جانا بھی ہوتا ہے ۔۔۔ صنم کی آستاں پہ سر کا ٹکرانا بھی ہوتا ہے
جگر میں ٹیس کا رہ رہ کے اٹھنا شرط ہے اسکی ۔۔۔ تڑپنا بھی یہاں ہوتا ہے تڑپانا بھی ہوتا ہے

مقدر عشق بازی کا ہے جبر کی یار کی سہنا
اور اس پہ عدو کے گالیاں کھانا بھی ہوتا ہے

ریل

سحرِ بابل کے دھوئیں آکے اڑائے ہیں میں نے
ستمِ تیز نے زمانہ کو دکھائے ہیں میں نے

مصر میں صبح تو کلکتہ میں ہے شام مری
نیل و لنکا کے سرے اُن کو ملائے ہیں میں نے

خود خدا کو بھی مری راہ سے بچتے ہی بنی
سینۂ دل پہ کئی کوہِ گراں پر چڑھائے ہیں میں نے

کاٹ کے کھیت مراتب کی نہ تھی کوئی تمیز
وحشیوں کو بھی سب آداب سکھائے ہیں میں نے

مانچسٹر کے کفن ساتھ بھی جب چھپتے ہیں
اس قدر روئی کے انبار لگائے ہیں میں نے

تجربے کے خطرہ سے محفوظ ہوا کشورِ ہند
سب ادنیٰ فلسفے جو تیرے ہی پالے ہیں میں نے

[illegible]
[illegible]

یکم فروری ۱۹۱۵ء

حریفوں سے دو دو باتیں

جن سے مقابلہ ہے وہ ہیں نام کے حریف
میداں میں اب تک نہ اُسکے کام کے حریف

"پرتاپ" اور "ملاپ" کو ہم کیا جواب دیں
ہم ہیں حریف بذلہ وہ دشنام کے حریف

دشمن وہ ہیں خدا کے اور اُس کے رسولؐ کے
اور ہم ہیں ہر دوار کے اصنام کے حریف

کوٹھوں پہ چڑھ کے پینک لیں شُدھی تو کیا ہوا
جب ہے ہزار گہ رن میں صمصام کے حریف

وہ اور کون ہوں گے جنہیں "تیج" سے ہے "ناز"
بنتا رہا ہے لالہ منشی رام کے حریف

تھا صاف ایک ساغرِ دل کا مزاجِ ہند
اگلے سے اب کہاں وہ مے و جام کے حریف

ہم کو بھی شکوہ ہے کہ مسلماں کیوں ہٹے
شُدھی کے آفتاب لبِ بام کے حریف

تاروں کو رکھ کے دیکھ لیں سورج کے سامنے
ہیں برسرِ شمار اگر اسلام کے حریف

---

۶ جون ۱۹۲۷ء

دیو استبداد

جشن آزادی کی تلقین آج ہوتی ہے بنارس میں ابھی یہ کان سنتے تھے [illegible] پیام اُس کا
وہ محفل جس کی رونق تا مسلمانوں کو دم دیتی مسلماں نے بھی کیا آراستہ تھی کل تلک اہتمام اُس کا
رہی خوددار جب تک ملت بیضا زمانے میں کیا [illegible] مغرب نے [illegible] احترام اُس کا
خودی کا نشہ [illegible] جب [illegible] تو پھر [illegible] آفتاب آیا لب بام اُس کا
وہی سرمایہ داری [illegible] تھی بنایا جا رہا ہے آج [illegible] کو غلام اُس کا
دیا جاتا ہے [illegible] دولت کے [illegible] میں [illegible] دنیا کے اندر [illegible] نظام اُس کا

[illegible] دیو استبداد تو آسکے
[illegible] کا

۲۳ جنوری ۱۹۲۸ء

چند حسرت آمیز یادیں

جب سے ہم میں آ بسی اندھیر پیدا ہو گئے
سو رہے تھے فتنے جاگ اٹھے اور [illegible] پیدا ہو گئے

طاق نسیاں پر اسلامیوں نے رکھ دیا
جس غرض سے حضرت خیر البشر پیدا ہو گئے

واقف ہو تو مطالب ہو کہتے ہیں جو مسلم بنا
کیوں نہ [illegible] گھر پیدا ہو گئے

کیوں نہ سیکھیں [illegible] آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا
مرد جن سے [illegible] بے بصر پیدا ہو گئے

مدرسہ چشم حسیناں بن گئی تہذیب مغرب
دل لبھانے کو نئے جادو نظر پیدا ہو گئے

آنکھ ہو گی لذت اندوز جمال بے حجاب
جس میں [illegible] پیدا ہو گئے

پردہ دار خانۂ مسلم نہ کیوں ہو بے سکوت
اندر پا کو نسل کے اندر پردہ در پیدا ہو گئے

شرع میں بھی [illegible] ذرا
ہم میں ایسے گستاخ اور نڈر پیدا ہو گئے

وا دریغا فطرت مسلم ہوئی جاتی ہے مسخ
بن رہے ہیں لومڑی جو شیر نر پیدا ہو گئے

کوڑیوں کے بھاؤ بکتے پھرتے ہیں بازار میں
[illegible] جو گہر پیدا ہو گئے

پاس ناموس شریعت [illegible]
[illegible] پیدا ہو گئے

دیکھتا تھا ہم کو ان آنکھوں سے بھی انقلاب
آدمی [illegible] پیدا ہو گئے

دیکھنے اور سننے کی توقع ان سے کیا
پیٹ ہی میں ماں کے جو کور اور کر پیدا ہوئے

انتخاب ہفت کشور خطۂ پنجاب ہے
اس میں کیا کیا نکتہ سنج اور نکتہ ور پیدا ہوئے

حاسدانِ تیرہ باطن کے جلانے کیلئے
تجھ میں اے پنجاب اقبال و ظفر پیدا ہوئے

---

۱۰ جولائی ۱۹۱۲ء

ذکاہات

مرے مخدوم مولانا عمادیؔ
مزین جن سے ہے بزم افادات

فضائل کو ہے جن کی ذات پر ناز
معارف کو ہیں جو وجہ مباہات

لگے کہنے یہ مجھ سے نثر میں جب
کئے نثری سے ہیں سب نے اقتباسات

کہ شعری سے خطا ایسی ہوئی کیا
نہیں اس پر جو حضرت کی عنایات

چھپک سکتی نہیں ہرگز صحافت
نہ جب تک نظم کے ہوں اس میں لمعات

تنقل کے لئے خوان سخن پر
مناسب ہے کہ چن دیجے ذکاہات

کہا میں نے کہ فرماتے ہیں سچ آپ
ہے بیشک طرفہ قاضی حاجات

مگر لاؤں سلیقہ وہ کہاں سے | کہ نکلے بے تکلف بات میں بات
نہ مجھ میں بو نواسی بذلہ سنجی | کہ دہرا دن کو دوں شب کی حکایات
نہ مجھ میں دو پیازہ کی ظرافت | کہ اکبر خوش ہو اور ہو بیربل مات
بہر حال آپ کو اصرار ہے جب | تو حاضر ذیل میں ہے کچھ خرافات

ب

نہیں اپنوں سے امید مدارات | تو کیا غیروں سے ہو چشم مراعات
محبت کا نتیجہ ہے عداوت | نرالی ہے عمل کی یہ مکافات
جگر پھٹتا ہے بھرتا ہوں اگر آہ | زباں کٹتی ہے کرتا ہوں اگر بات
زمانے کا ہے یہ برتاؤ مجھ سے | کہ اٹھتے جوتیاں ہیں بیٹھتے لات
مکرر کوب حوادث ہو رہا ہوں | ہیں میرے ہی لئے شاید رب آفات
ہوا جس وقت سے خلوت گزیں ہوں | زمیں ہے سخت اور دور آسماں سات
مرے دل کی ہے بستی جن سے آباد | نہیں ہوتی ہے اُن سے بھی ملاقات
ستاروں سے کیا کرتا ہوں باتیں | گذر جاتی ہے باتوں میں مری رات
کسی کی زلف عنبر بو کی مانند | پریشاں کیوں نہ ہوں میرے خیالات
ہوئے ہیں منکشف مجھ پر یہ اسرار | پڑھی ہیں میں نے جب قرآں کی آیات
کہ کرتا ہو کسی پر گر بھروسا | تو ہے وہ اک فقط اللہ کی ذات

(ج)

نہیں میرے لئے زیبا شکایات — کہ ہیں بدلے ہوئے دنیا کے حالات
نہیں اسلاف سے کچھ بھی مشابہ — ہماری قوم کے اطوار و عادات
نہیں اس کی خصوصیات ملی — ہوئے مغلوب اس کے ہی امتیازات
اخوت اور مروت اور ایثار — یہ ہوں گی قرن اول کی روایات
کدھر ہیں بوعلی سینا کی حکمت — کہاں ہیں بو حنیفہ کے اجتہادات

(د)

کہیں آباد کوئی تھا نہیں [illegible] — بتایا ہے مری علمی [illegible] حالات
اگر اس وقت میں آزاد ہوتا — [illegible] مشاہدہ [illegible] حالات
نہ ہوتی تجھ کی [illegible] — تماشا [illegible] دن رات
نہ ہوتا لغت ہی کا [illegible] — نہ دل ہی سے نکل سکتی مناجات
[illegible] — [illegible] تصورات
گنوا آتا شاید اپنے وقت کو میں — [illegible] میری اوقات

[illegible]

[illegible]

۲۴ اپریل ۱۹۴۲ء

سہانا وقت

وقت آ گیا کہ باغ میں بلبل ہو نغمہ سنج
اور شاخِ گل کو مژدۂ فصلِ بہار دے

وقت آ گیا کہ پھولوں سے لد جائیں ٹہنیاں
اور ہر شجر لباسِ خزاں کا اتار دے

وقت آ گیا کہ آنکھ کو بازارگانِ صبح
پیمانۂ فضا وسعتِ لیل و نہار دے

وقت آ گیا کہ ساقیِ خمخانۂ بہار
بھر بھر کے پیالۂ مئے مشکبار دے

وقت آ گیا کہ رات کٹے اور پو پھٹے
وقت آ گیا کہ عشق ستم گر نکھار دے

اے شمعِ صبح ہوتی ہے روتی ہو کس لئے
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

---

۱۲ فروری ۱۹۳۸ء

چشمِ جاناں

ملا حسن نے غازۂ مشاطہ بن کر — ضیا اور شفق کا عذارِ سحر پہ
بناگوشِ سنبل میں شبنم کا قطرہ — لٹکتا ہے یوں جیسے موتی کا بندہ
بھرا ہے لبالب مئے ارغواں سے — ایاغِ گلِ تازہ لب لالۂ تر
عطرِ شمام رواں ہو رہا ہے — بسی ہے ہوا مشک میں بس کے یکسر
فسوں سازی و سحر بازی میں ہوں گے — کبھی چشمِ جاناں کے ہمتا و ہمسر

ہے چشمِ صنم مظہرِ شانِ ایزد
نیاز اس کا مرکز ہے نازاں مقید

۱۰؍ اگست ۱۹۱۵ء

غزل

میرے سرو کا گلستاں اور ہے — میرے چاند کا آسماں اور ہے
سناتے ہیں قصے محبت کے لوگ — مرے عشق کی داستاں اور ہے
وہ ابرو سے چھیدے دل ہر گھڑی — لئے ہاتھ میں اک کماں اور ہے
ہر اک نوک تیرے پلک کی صنم — پئے قصد جاں اک سناں اور ہے
زباں کام دے گی نہ زاہد تری — بیاں عشق کا ہے زباں اور ہے
جگر دوز ہے تیر غازی مگر — خدنگ مژہ کی کماں اور ہے

ہر اک تن میں ہے جان سے زندگی
میں زندہ ہوں پر میری جاں اور ہے

سیرِ کہسار

حسب فرمائش ڈاکٹر گوکل چند نارنگ

گزاری میں نے تابستاں کی فرصت کوہساروں میں
دل افروز آبشاروں میں دل آرا مرغزاروں میں

ہم آغوش صبا تھی نکہت گل کی سیہ مستی
جنوں پرور تھے نغمے طائروں کے شاخساروں میں

کھنچی تھی سامنے زنجیر سی جیوں پہاڑوں کی
فلک تھا بوسہ افشاں جن کی برفیلی قطاروں میں

نسیم آئی فضائے خلد سے اور بے حجاب آئی
کرن سورج کی ناچی ہو کے عریاں جوئباروں میں

مناظر انتقال کر رہے ہیں نینوں پہ سے
شباب ذاروں کے جدائی دیوداروں میں

الٰہ العالمین معبود ہے ہم بے نوا دل کا
جناب ہادی ہیں آپ کے پروردگار دل ہیں

---

۲۱ جولائی ۱۹۲۷ء

نوائے سروش

آج ہوا ہے اجتماع قدس میں اہل راز کا — رنگ دکھاؤں میں تمہیں بزم کے سوز و ساز کا
جھوم رہے ہیں نشہ میں جن و ملائک و بشر — جوش ہے کائنات میں نغمکدۂ حجاز کا
غلغلہ ہے مچا ہوا فرش سے بام عرش تک — مسلم دلفگار کے نالۂ جاں گداز کا
غیرت حق کی بجلیاں کوند رہی ہیں ہر طرف — ترک فلک کو حکم ہے اک نئی ترکتاز کا
ہند ہو یا حجاز ہو مصر ہو یا عراق ہو — حیلہ نہ چل سکا کہیں جان بہانہ باز کا
مشرقیوں کے واسطے سایہ ہی عین آفتاب — فلسفہ ہے یہ مغربی نور نظر نواز کا
کعبہ میں آگئے صنم بتکدہ بن گیا حرم — قبلہ ہی وہ نہیں رہا رخ کدھر ہے نماز کا
زہر بھرا پیالہ ہے لیکن اسے پیو ضرور — ہم کو یہی اشارہ ہے اُن کی نگاہِ ناز کا
تاب نہیں کہ سن سکوں کیجئے اس کو مختصر — قصہ بہت طویل ہے کفر کی حرص و آز کا

وقت دو اک نے لیا عہد [illegible] قریب
ناصیۂ [illegible] کو اذن ہوا [illegible] کا

۶ فروری ۱۹۲۰ء

سخنورانِ عہدِ شباب

اے نکہت [illegible] آزاد [illegible] — اے [illegible] چمنستانِ معانی
مانا [illegible] — [illegible] کی کہانی
مانا کہ [illegible] سے [illegible] — [illegible] میں عہدِ جوانی
[illegible] — بجھ جائے گی [illegible] طبیعت کی روانی
مانا کہ ہیں آپ اپنے زمانے کے [illegible] — مانا کہ ایک آپ ہیں ہے عرفیِ ثانی
مانا کہ حدیث خط و رخسار کے آگے — بیکار ہے مشائیوں کی فلسفہ دانی
مانا کہ [illegible] — [illegible] ایوانِ معانی
[illegible] — [illegible] کی پرانی
[illegible] — [illegible] ہوئے ہیں اور نئے بانی

مژگاں کی سناں کے عوض اب سجتی ہے محفل — کانٹوں کی کھٹک ہے نہ پائی کی نہ بانی
لذت وہ کہاں لعل لب یار میں ہے آج — جو دے رہی ہے پیٹ کے بھوکوں کی کہانی
گلشن میں تو اب ہیچ ہو گیا مرغ خوش الحاں — صیاد کا جب مشغلہ ہے ریشہ دوانی
بدلا ہے زمانہ تو بدلیئے روش اپنی — جو قوم ہے بیدار یہ ہے اس کی نشانی
گر شعر ہی کہنا ہے تو اس گنبد گرداں سے — بنیاد ہمیں چاہیئے دنیا کی ہلانی

اے ہم نفسو یاد رہے خوب یہ تم کو
بستی نئی مشرق میں ہمیں کو ہے بسانی

---

۱۲ فروری سنہ ۱۹۲۹ء

چوروں کا گیت

افسانہ لندن

ہم ڈاکہ ڈالنے والے ہیں ہم چوری کرنے والے ہیں
ہم چھاپہ مارنے والے ہیں ہم جیب کترنے والے ہیں

ہم پانے کا ریلے ہیں ہم مشاق اٹھائی گیرے ہیں
ہم دے کر چھیننے والے ہیں ہم لے کے مکرنے والے ہیں
آنکھوں میں پولس کے جھونکتے ہیں ہم مٹھیا خاک کی بھر بھر کر
اور ایسا ہی موقعہ آن پڑے تو مار کے مرنے والے ہیں
سن پاتے ہیں نام ہمارا جب تو خوف سے کانپ اٹھتے ہیں سبھی
مفلس محتاج روپے والے سب ہم سے ڈرنے والے ہیں
پی کے وسکی سلگا کے چرٹ ہم بیٹھتے ہیں اور گاتے ہیں
اس طرح سے ساری ساری رات بسر ہم کرنے والے ہیں

شہر آشوب

آج جو رسوا ہیں کل ہوگا انہیں کا احترام

(حکیم ناصر خسرو علوی خراسانی کی ایک نظم بلباس اردو)

اے صبا جا کر مدینے کو مرا پہنچا سلام — وہ مدینہ جس میں ہے ارباب حکمت کا مقام
پھر بتا مجھ کو کہ سب احباب ہیں کس رنگ میں — دے چکے جس وقت جا کر اُن کو یہ میرا پیام
عہد و پیماں پر زمانہ کے نہ بھولو دوستو! — نقض عہد اس کی ہے عادت بے وفائی اُس کا نام
اس دیار علم ہی کی پائمالی دیکھ لو — آسماں نے جس سے رہ رہ کر لیا ہے انتقام
غرہ دنیا کی حکومت پر تو کرتے ہو مگر — یاد ہے اسلام کا تم کو جلال و احتشام
کانپتے تھے جس کی ہیبت سے فریغونی امیر — جس کی صولت نے بنایا تھا ہزاروں کو غلام
خاک ختلاں روند ڈالی جس کے پیل مست نے — ہند تک پہنچا تھا جس کا توسن محشر خرام
تم خوشامد سے کہا کرتے تھے اُس کے سامنے — دے خدا اے پاک سلطاں کو حیات مستدام
گر چبانا چاہتا تھا کوئی لوہے کے چنے — شاہ کے اقبال سے ممکن وہ بنتے تھے تمام

ذکر کل کا ہے کہ ہم بھی قبلۂ حاجات تھے — اہل ایماں کے لیے ہو جس طرح بیت الحرام
اب کہاں ہے اُس کی سطوت اور کہاں اُس کا شکوہ — ہیچ سر جہاں سے بھی اونچا تھا کبھی جس کا مقام
رہ گیا زابلستانی ہاتھ سب یوں ہی دھرا — جب اجل نے کوچ کا آکر دیا اُس کو پیام
خوف دشواری عنانگیر ہے پھر آسانی ہوا — اس سے جمعیت خاطر ہے اک امید خام
آسماں نے اختیار قیصر و فغفور سے — دولت و اقبال کی پل بھر میں چھینی بے نام
آسماں پر بچ نہیں سکتے گہن کے داغ سے — اس درخشانی پہ مہر و انور و ماہ تمام
ایک دن تقدیر کھو سے کی بھی جاتی ہے پلٹ — آج جو زور آور ہے کل نہ ہوگا اس کا استدام
چاند سے سیکھو کہ ہے او سطہا جب اوج — ہر کہیں گھٹتا ہے پھر بھی رہتا ناتمام
بادۂ پندار سے گر اہل عالم مست ہو — دور ہی سے تجھ کو لازم ہے انہیں کرنا سلام
بسکہ ہیں طاؤس کے پر دیدہ زیب و پرعیب — کام کرتا ہے شکاری ان سے اس کا تمام
جسم ہے پنجرہ اور دنیا ہے زنداں کی مثال — چند دن اس قید خانہ میں ہے انساں کا قیام
علم و طاعت سے [illegible] — کشت آب علم و طاعت سے کر اس کو شاد کام
ہے زمیں دنیا کی کھیتی مرد دہقاں جان تو — چاہیے دہقاں کو کھیتی میں بہت ہی اہتمام

خوشہ [illegible] سے کل [illegible]
تا ابد [illegible] میں [illegible] کام

غزل

ہے میری کل کائنات اک دلِ امیدوار
اس پہ بھی لیکن نہیں آہ مجھے اختیار

زندۂ جاوید اسے کہتے ہیں اہلِ نظر
سر میں سمایا ہوا جس کے ہو سودائے یار

کیا ہے بجز صبر و شکر چارۂ دردِ فراق
یا بجز امید و بیم حاصلِ عشقِ نگار

حاصلِ عمرِ عزیز ہے فقط اتنا کہ ہوں
میں نظرِ دوست میں منفعل و شرمسار

کوہِ الم سر پہ ٹوٹ تیرِ ستم دل کو چھید
ہے سر و سینہ مرا ہدفِ جفائے نگار

عشق سے کرتے ہو منع بات تو کہتے ہو سچ
حضرتِ ناصح مگر دل پہ کسے اختیار

سینہ میں دل غرقِ خون آنکھ میں دنیا سیاہ
کیوں نہ ہوں منت کشِ لعلِ لب و زلفِ یار

لازم و ملزوم ہیں راحت و رنجِ جہاں
کیفِ مئے خوشگوار کا ہے نتیجہ خمار

پیچ پڑی میری کام میرے آ گئی
خاکِ درِ یار ہوں گرچہ ہوں وحشت بجبار

ہے علم افرازِ عشق بے نعرہ و زرِ حسن
برقِ تجلی گری طور ہوا بے قرار

عمر گنوا دی یونہیں کرتے تمہارا کہا
اے سرِ بیہودہ گرد اے دلِ بیہودہ کار

غزل

وہ کافر آج دل کا لینے کو امتحان ہے — تنتے ہوئے ہیں ابرو چڑھی ہوئی کمان ہے
کس کام کی وہ الفت جو جان کو سے چھوڑے — ہم تو ہیں اس کے قائل ہے جان تو جہان ہے
اس نازنیں کے دل پہ نالہ کا کب اثر — بام وصال اونچی اور پست نردبان ہے
بیٹھے جلے ہوئے دل کی بو ہو راکھ میں بھی — بجلی گری ہے جس پہ میرا ہی آشیاں ہے
ہے تیرے درد سوا کا ایک یہ کرشمہ — لوگوں نے جس کو سمجھا پھرے سو آسماں ہے
مجھ کو کس طرح کی اس سے نہیں شکایت — آنکھوں سے وہ نہاں ہے دل میں مگر عیاں ہے
دیکھو تو شوخ چشمی یار عدو نے آکر — بیٹھے ہے دل میں ڈھونڈا اس شوخ کا نشان ہے

داغ جگر کے لالے لگیں گے عمر بھر تک
یہ ہی بہار وہ ہے جس کی نہیں خزاں ہے

Very Good

عید

لاہور یکم شوال المکرم ۱۹۴۸ء

ماتم کدہ ہند میں اے عید نہ آ تو
ہم سوگ میں ہیں نغمۂ شادی نہ سنا تو

ہم غم زدہ ہیں کیا ترے آنے کی خوشی ہو
افسردہ دلوں کا نہ مذاق آ کے اڑا تو

عید ان کی ہے جو قید نصاریٰ سے ہوں آزاد
کیوں چل کے غلاموں کے گھر آئی ہے بھلا تو

جس ملک میں کھانے کو فقط روزہ ہو یا غم
کیا اس کو دکھائے گی سویوں کا مزا تو

اس چاند سی صورت پہ کبھی ہم بھی فدا تھے
جا بستے ہیں جہاں اب ترے عشاق وہیں جا تو

گر عرش سے اتری ہے تو لے راہ عرب کی
یا رونق اناطولیہ کی جا کے بڑھا تو

بام و در کابل پہ بکھیر اپنی تجلی
طہران میں پہنچ [illegible] کی عشرت کی صدا تو

دہلی میں نہ آ اور اگر آئی ہے تو اے عید
ہم [illegible] کو بھی ٹوٹے سے بچا تو

شاد دوسرا کا ہمیں دے جا کوئی پیغام
بگڑی ہوئی اسلام کی تقدیر بنا تو

غزل

بڑھا ہے آگے کو روز روشن ہٹی ہے پیچھے کو رات کالی
بچھڑ گیا آسماں کا میلہ ہوئی ستاروں سے بزم خالی

ہنسا کے بجلی کو ابر رویا جگا کے سورج کو چاند سویا
یہ نقش ہائے ہستی ہے اعتباری کہیں جلالی کہیں جمالی

کہ کلی چٹکی نہیں یہاں کچھ پتے سب ہیں معرفت نما
وہ فخر رازی ہوں یا فلاطوں ہیں یا ارسطو ہوں یا غزالی

کیا ہے ایک داغ درد دل نے تو گل کھلے ہیں کھلنے
کسی نے برقع اٹھا کے پھینکا کسی نے چلمن ہی توڑ ڈالی

جدا ہے مفہوم اپنا اپنا الگ ہے تفسیر اپنی اپنی
دیا ہے اس شوخ دلستاں نے کسی کو بوسہ کسی کو گالی

غلط کیا [illegible] ہے نظر کو خود ہی میں
[illegible] ساقی [illegible] ڈالی

زخمهٔ چنگ رودکی

دیده وران متفق هستند که هیچکس از سخن سرایانِ عجم به پایهٔ رودکی نه رسیده خنک نصر بن احمد را که آب جیحون تا بمیان آورده. همان اثرِ ترانه‌اش بود. که تاج الشعراء امیر معزی هم از نظیرش عاجز گشت. من هندی نژاد کج مج زبان کی باشم. که جواب رودکی نویسم. این چند ابیات که از کلک من فرو چکیده پاسخ آن بادهٔ ترانه ریز نباشد. اما لغزهٔ الست مستانه که علی سبیل اضطرار از دل دردمند بجست.

ساقیا برخیز و مے در جام کن | فصلِ گل در بوستان آید همی
باد نوروزی وزید اندر چمن | نغمه‌اش عنبر فشان آید همی
مسلم از خوابِ گران بیدار شد | انقلاب اندر جهان آید همی
زود بینی وقت ما از نو بدره | شاد و کام و کامران آید همی
باش تا برقے درخشد از حجاز | غیرتِ حق در میان آید همی
باش تا وصلے برآرد شعله‌ئے | تابشش اندر استخوان آید همی
باش تا از پردهٔ مشرق بدر | تحیتے از آسمان آید همی
کفر را عذرِ خطا پیدا نهاد | نوبهٔ آخر زمان آید همی

باش تا اندر ہندوستاں | محشرستانے عیاں آید ہمی
نعرۂ اللہ اکبر می زنم | ناتواناں را تواں آید ہمی
آنکہ ہجرت کرد بہر مقصدش | خوش جہت کردن مکاں آید ہمی
ناخدا باشد امان اللہ خاں | کشتی بار گراں آید ہمی
جانب کابل قطار اندر قطار | کاروان ہندیاں آید ہمی
رودکی چنگ است و لشکر نغمہ اش | یاد یار مہرباں آید ہمی

مسلم از بانگ جہاد آگاہ است
"بوئے جوئے مولیاں آید ہمی"

دسہرہ اور محرم

کبھی تھا یہ دن ہندو مسلم قسمت ہم کی | نہیں اب یہ تقریبیں دسہرے اور محرم کی
ادھر [illegible] | ادھر ہے ابن حیدر کی شہادت وجہ ماتم کی
ادھر [illegible] | ادھر بھی ہے ناکامی و نوبت چشم پرنم کی

اُدھر جمعیتِ خاطر سے نقشہ بند ہنسی کا — ادھر دل کی پریشانی سے صورت زلفِ برہم کی
کوئی مسرور ہوتا ہے کوئی رنجور رہتا ہے — کبھی اک حال پر دیکھی نہیں اولادِ آدم کی
دسہرے اور محرم میں ہے قدرِ مشترک اتنا — عدد بت دہ ہو شکل کی تو شیر بینی یہ ہم کی

خوشی ہے ہندوؤں کو اس لئے یہ فرض ہے اُن کا — کہ دنیا کو دکھائیں شان اک دل سوز ہمدم کی
مسلمانوں سے اس غم میں کریں اظہار ہمدردی — بنیں تصویر اس تقریب پر حسنِ مجسم کی
مسلمانوں کے زخمی قلب کو صدمہ نہ پہنچائیں — جو ممکن ہو کریں اس کے لئے تدبیر مرہم کی
مسلمانوں کے غم میں دخل دینے کی ہو کیا حاجت — کہیں پیدا نہ جنت میں ہو کیفیت جہنم کی
مسلماں بھی نہ ان کے عیش و عشرت میں مخل ہوں — یہی اک کارگر تدبیر ہے اخلاص باہم کی

مسلماں اور ہندو پیشتر تھے متفق دونوں — یہ ناچاقی کہاں سے بیچ میں کمبخت آ دھمکی
اسی نے امن کا شیرازہ درہم کر دیا یکسر — اسی نے مجلسِ عیش و طرب یک لخت برہم کی

دسہرہ اور محرم کا فقط ہنگامہ ہو اک دن — یہی غایت تو ہے دیکھیں اس تقریب اعظم کی
...ن کی حقیقت پہ — یہ رسمیں ایک مدت سے چلی آتی ہیں کیوں چمکی

فسانہ رام چندر جی کا سب کو یاد ہے ازبر
انہوں نے کس طرح بنیاد حق و صدق محکم کی

شدائد اور مصائب میں ہوے وہ مبتلا برسوں
کسی تکلیف کی اس راہ میں پروا بہت کم کی

شہید کربلا نے جان دی حق کی حمایت میں
نہیں باطل کے آگے اپنی گردن عجز سے خم کی

رہ حق میں رہیں ثابت قدم ہندو ہوں یا مسلم
یہی تعلیم ہے بس ان دسہرے اور محرم کی

۲۵ اکتوبر ۱۹۱۰ء

معصوموں کی بھولی صورت میں — کیا تم نے نہ دیکھا میرا مکھڑا
بچوں کی بھولی آوازوں میں — کیا تم نے میرا نہ راگ سُنا
اب دیکھو سب مجھے میں جاگی ہوں — کہلاتی ہوں نور کا میں تڑکا
اب دیکھو سب مجھے میں آئی ہوں — لائی تمہارے دکھ کی دوا
کرتے نہیں کیوں ڈھونڈتے مجھے — کیا تم نے مجھے نہیں پہچانا
وہ وعدہ میں تم سے کر گئی تھی — کیا بیٹھے ہو تم اُس کو بھلا
میں سینے کے ملک سے آئی ہوں — سب درد تمہارے دوں گی مٹا

کیا اب بھی تم اس کے منکر ہو؟
کہلاتی ہے سانپ کی جو ماتا

خیالستان

اک جہانِ رنگ و بو خود مرا خیال تھا — گوشۂ قفس مجھے عالمِ مثال تھا
رات شاہبازِ فکر لے گیا کہاں کہاں — خود تو میں شکستہ پر اور گسستہ بال تھا

چھپ چکا تھا آفتاب ضو فشاں تھا ماہتاب — کائنات کا مزاج رو بہ اعتدال تھا

کوہ و دشت بام و در غرقِ موجِ نور تھے — بسکہ ماہِ نیم ماہ بن چکا ہلال تھا

چاک تھی قبائے گل بے نقاب تھے نجوم — بے حجاب ہر طرف حسنِ لایزال تھا

دیکھتا تھا میں جدھر سربسجدہ تھے شجر — ڈال ڈال پات پات ذکرِ ذوالجلال تھا

عرش و فرش مست تھے اپنے اپنے رنگ میں — کیا کہوں مگر کہ کیا میرے دل کا حال تھا

وہ زمانہ پھر گیا یک بیک نگاہ میں — جب ہر ایک حق پرست بوذر و بلال تھا

جب نبیؐ کے نام پر جسم و روح تھے نثار — جب خدا کی راہ میں وقف جان و مال تھا

جامِ جم سے بے نیاز تھی شرابِ خانہ ساز — بے کسوں کا چارہ ساز ساغرِ سفال تھا

باغ میں یہی بہار پھر بھی آئے گی کبھی؟ — حاملانِ عرش سے یہ مرا سوال تھا

ہم زباں نہ تھے مگر میں سمجھ گیا مراد
میری بات کا جواب مصطفیٰ کمال تھا

کُتّے سے پڑھو سبق وفا کا

اپنے ریوڑ کو ایک چرواہا — دامنِ کوہ میں چراتا تھا
کہ ہُوا تھا جہاں بلند اک غل — اُس نے کچھ دور ایک شور سُنا
لومڑی سے جیسے چھینی ہو کوئی — بھونکتا یا ہو جس طرح کُتّا
رک کے کہسار میں گڈریے نے — آنکھ اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا
اور گھنی جھاڑیوں کے پتّوں میں — ایک کُتّا اُسے نظر آیا
اس علاقے کے سارے کُتّوں سے — نسل اس کی جدا تھی ذات جُدا
ہر قدم پر ذرا سے کھٹکے سے — چونکتا تھا وہ اور جھجکتا تھا
اس کی آواز سے بھی وضع سے بھی — درد اور اضطراب تھا پیدا
پیش و پس راس و چپ فراز و زیر — متنفس نہ تھا کوئی اس جا
نہ سنے کوئی گونج سیٹی کی — نہ کسی کے پکارنے کی صدا
ہوئی چوپاں کو تب تو حیرانی — کہ یہ کُتّا یہاں ہے کرتا کیا
غار تھا اک یہاں وسیع و فراخ — جس میں یخ موسمِ دسمبر کا

جمع رہتا تھا جوں تک پیہم | گرمی آتی نہ تھی یہاں گویا
اس کے نیچے پڑی تھی جھیل اک گہری | اس کے اوپر تھا اک پہاڑ اونچا
جبل ہیلون کے بیچوں بیچ | یہ خطرناک غار واقع تھا
نہ یہاں پر تھی کوئی آبادی | نہ کہیں آدمی کا نقش پا
مچھلیاں جھیل پر یہاں لیکن | بھرتی تھیں گاہ گاہ سر اپنا
کوے کرتے تھے کائیں کائیں بھی | اور اسے ٹیلا تھا دہراتا
کبھی قوس و قزح یہاں آتی | کبھی ابر سیاہ جہاں چھایا
آکے تنتا یہاں کہرے بھی | تیرہ اور تار سائبان اپنا
کبھی خورشید کی شعاعوں نے | آکے اپنا یہاں علم گاڑا
لوٹ آتی تھی گونج کر آواز | ایسا صعب المرور تھا یہ درّہ
دیکھی حالت یہ جب کنعیشہ نے | اس کے دل میں سما ہوا کھٹکا
جلدی جلدی قدم بڑھاتے ہوئے | ٹیلوں اور ٹیکروں کو طے کرتا
اس گزر سے پہنچ گیا وہ یہاں | بھونکتا تھا کھڑا ہوا الُتّا
غار گو تھا ابھی زیادہ دور | لیکن اس نے راہ میں پایا
لاشہ اک آدمی کا بوسیدہ | رہ گیا تھا فقط ڈھانچہ جس کا
دیکھ کر واقعہ یہ ہیبت ناک | خوف دل پر شیاں کے چھایا

نیچے اوپر نگاہ دوڑا کر | اُس نے اپنا قیاس دوڑایا

کہ یہ کس آدمی کا لاشہ ہے | اور مرا کس طرح یہ بیچارا

سامنے پُر خطر چٹان تھی جو | اس سے یہ شخص تھا پھسل کے گرا

اب حقیقت کھلی گڈریئے پر | اب وہ سارا یہ ماجرا سمجھا

یک بیک یاد آگیا اُس کو | اک مسافر کا نام اور پتا

جو کہ اس راہ سے فلانے روز | ایک کُتّے کے ساتھ تھا گذرا

طرفہ ایک ماجرا سنو لیکن | مَیں نے جس کے لیئے یہ قصہ لکھا

لوحِ جاں پہ گر آبِ زر سے اسے | کھینچئے نقش تو نہ ہو بےجا

ابھی تک سب بے قرار ہو ہو کر | تھا وہ کُتّا کھڑا ہی بھونک رہا

ہو گئے تھے اُسی مہینے تین | رہتے تھے یہاں صباح ومسا

یہی کہسار اس کا مسکن تھا | یہی ویرانہ اس کا تھا ملجا

اس میں کچھ شک نہ تھا کہ جس دن سے | گر کے یہ بدنصیب شخص مرا

سگِ اصحابِ کہف کے مانند | اس جگہ سے یہ باوفا کُتّا

نہ ہلا ایک دم بھی اور کہیں | اس کے لاشہ کو چھوڑ کر نہ گیا

پہرہ دیتا رہا وہیں شب و روز | اپنے آقا کو جان کر سوتا

گر یہ پوچھو کہ اتنی مدت تک | اس بیاباں میں اس نے کیا کھایا

کیفیت اس کی مجھ کو کیا معلوم　　جانے اس کی سرگزشت کو وہ خدا
جس نے الفت دلوں میں پیدا کی　　جس نے کتے کو کی وفا وہ عطا
دو محسن [illegible] ان　　کہ نہیں ممکن آدمی کے لئے
لاہور　　ہو سکے اس کے حق میں جو ادا

۵ اگست سنہ ۱۹۰[illegible]ء

حالی کے چند ابیات کی تضمین

قرآں ہمارے قفل تمنا کی ہے کلید　　نصرت کی جس نے دی ہے ہزیمت میں بھی نوید
لا تقنطوا کے بادہ کی جس کو ہوئی کشید　　[illegible] میں ہاتھ سے نہ دیا رشتۂ امید
اب تک تو ہم جہاں میں بہت شادماں رہے

مشرق میں [illegible] ایک سے [illegible] کو لیا　　مذہب میں دوسرے نے مراقش کو کھا لیا
جو ہم نے ترک کیا تھا وہ یورپ نے پا لیا　　یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

[illegible] میں جھکے [illegible]　　[illegible] آپ سب [illegible] باطل کے خیرخواہ

درپردہ آپ رکھتے ہیں یہ پاسِ رسم و راہ
کل کی خبر غلط ہو تو جھوٹے کا رو سیاہ
تم مدعی کے گھر گئے اور میہماں رہے

ان کو اطالیہ میں ہوس رانیوں سے کام
ہم کو طرابلس میں پریشانیوں سے کام
دونوں کو اپنی اپنی خود افشانیوں سے کام
دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

۱۵ فروری ۱۹۱۲ء

غریب الوطن شاعر کا خطاب اپنی بی بی سے جو وطن میں ہے

بزمِ دل میں جب کے روشن شمعِ یادِ یار ہو
ہے اُسے سب ایک ویرانہ ہو یا گلزار ہو!

کس لقب سے یاد تجھ کو اے مری بی بی کروں
مونس و ہمدم کہوں دلبر کہوں جاناں کہوں

تیری عصمت کی قسم تیری محبت کی قسم
لوحِ دل پہ ہے ترے احساں کا نقشہ مرتسم

غمکدہ میرا ترے ہونے سے عشرت خانہ ہو
تیری پیاری پیاری صورت زینتِ کاشانہ ہو

تو چراغِ منزلِ امید ہے میرے لئے
تو خدائے پاک کی تائید ہے میرے لئے

دیکھ کر دل میں تری تصویر روح آسا کو میں
بھول جاتا ہوں غمِ دنیا و مافیہا کو میں

ہے جھلک تیرے رخِ انور کی اس میں جلوہ گر — جو دلاتا ہے ترا اور ہے میرا لخت جگر
اس کی آنکھوں میں چمکتی ہے وہ نورانی کرن — تیری چشمِ نرگسیں جس کا ہوا پہلا وطن
یہ کرن ان بادلوں کو بھی ہے چمکائے ہوئے — تیری پیشانی پہ ہیں جو آج کل چھائے ہوئے
ولولہ الفت کا جب ہوتا ہے دل میں جوش زن — آدمی کے لب پہ آجاتا ہے نامِ طفل و زن
جس طرح اپریل کی گرمی میں مرجھاتے ہیں پھول — گرتے ہی شبنم کے لیکن تازہ ہو جاتے ہیں پھول
ویسے ہی وہ دل کیا غم نے جسے دیتا ہے جب — صبر کا تسکین امید کا محتاج ہے
ہمت اس کی روح پرور جس کا ہو یہ قول ہیں — ہے سبھلے یاداشت آواز ارواح ہیں
ہے ندا جن کی جواب ان غائبوں کی بات کا — جن پہ حقا ان کو تعلق ہے ایک جگہ دن رات کا
اے مری پیاری گرل تو تجھ پہ گریہ خیال ڈال — دو ہے تجھ کو تمنائے حیاتِ جاوداں
اس سے پہلے جبکہ یہ طائر رہے جسم میں — اس قفس کو چھوڑ کر تیری طرف آ کر رہیں
میں یہی الفاظ دہراتا ہوں گا بار بار — جانِ من جانانِ من ہو دل ہے یہاں تجھ پہ نثار

تا کہ ہو پہ ساتھ اضافے تو تمام راز کو
اور حسین پیار اس میں ... گرتی راز کو

جون ۱۹۰۵ء

متفرق نظمیں!

لاہور میں ہمارا نا نصر اللہ خاں نومسلم کا ورود مسعود

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا

کاشیا واڑی نسیم آئی گل و نسریں بدوش
رات کو پنجاب کے صحن چمن کے سامنے

سجدہ میں ہے مسلمانوں کا سر احسان پر
درگہ پروردگار ذوالمنن کے سامنے

فتح ہی ہیں شادیانے جگنو نصر اللہ کے
صبح سے اسلامیوں کی انجمن کے سامنے

بانہ جاتا ہے تو ان نابسنگد سا
جائے کیا منہ لے کے شدھی سنگھٹن کے سامنے

سارے بھائی آ گئے نصر اللہ خاں کو دیکھنے
آتا ہے آیا ہے پر دین دلہن کے سامنے

پانچ لاکھ اسلام کے شیدائیوں کی گردنیں
جھک گئیں اسلام کی رسم کہن کے سامنے

آج کے دن راجپوتوں نے کیا ہے سرخرو
قلب بیٹھا کوہ کا ہر اک چمن کے سامنے

وقت آ پہنچا کہ کٹ کر خوف قید و بند سے
جا پڑیں یزداں سے پہلے تارا ہرن کے سامنے

وقت آ پہنچا کہ ہوں تکبیر کے نعرے بلند
بتکدوں کی راہ پر دار و رسن کے سامنے

وقت آ پہنچا کہ ہر دل ہو بہ رعب اسلام کا
شرم بد نداں کفر ہو دین حسن کے سامنے

دیکھنا اس روز جانی کی پریشانی کا حال
بال جب کھولے گی شدھی سنگھٹن کے سامنے

کیا تماشا ہے کہ نکلے گوکلی باسنتیے
پیٹری ونگل سکے گرد پیلین کے سامنے

چیز ہی کیا ہیں بتانِ ہردوار و سومنات
غازیوں کے بازوئے خیبر شکن کے سامنے

دیدۂ خفاش باطل کا ٹھہرنا ہے محال
آفتابِ حق کی چمکیلی کرن کے سامنے

اینٹھتے تھے مالوی جی ماش کے آٹے کی طرح
سب اکڑ فوں گم ہوئی پہنچے جو رن کے سامنے

گائے کی دُم تھام کر تالاب پار اترے تو کیا
لطف جب ہے ہفت قلزم ہوں دہن کے سامنے

اوم کا جھنڈا حرم تک گاڑنا آساں نہیں
شہسوارِ نجد جیسے تیغ زن کے سامنے

لالہ ہلکا تھا مگر جیتا کہاں تک اس کا رنگ
سرخیِ خونِ شہادت کی پھبن کے سامنے

برہمن کی ہوشیاری کی لنگوٹی کھل گئی
شیخ کے بے تہمدے دیوانہ پن کے سامنے

آ ملے ہم سے اگر دو چار نا ہر سنگھ اور
زمزم اُبلے گا اسی گنگ و جمن کے سامنے

---

۱۵ اپریل سنہ ۱۹۲۷ء

شعلۂ نا افسردہ

اب بھی ہے اسلامیوں کے سر میں سودائے جہاد — اس انگیٹھی میں دہکتے ہیں کچھ انگارے ابھی
کہہ دو فیصل سے کہ گر پایا اگر ابن سعود — بل نکل جائیں گے تکلے کی طرح سارے ابھی
سبز جھنڈا ہاتھ میں لے کر رسول اللہ کا — مرنے والے ہیں مسلمان عرش کے تارے ابھی
سر بلا لو ایک نعرۂ مستانہ سے انتظار — اور بھی پھوٹیں گے اس میں خون کے فوارے ابھی

اے تغزل تیری خوشیاں ساری قبل از وقت ہیں
زندہ ہیں تیغ دار سنت کے بولے ابھی

۱۳ مارچ ۱۹۲۸ء

برار

رندوں کو میری آنکھ کا ساقی اشارہ ہو — پھر کیوں نہ محتسب کی ادا پارہ پارہ ہو
نکلا ہے ڈوب کر جو افق پر بصد فروغ — شاید یہ اے دکن نہ تیرا ہی ستارہ ہو
آثار تو یہی ہیں کہ نکلیں اجارہ دار — اور ایک قلم برار کا منسوخ اجارہ ہو
چھینا ہوا جو حق ہے وہ حقدار کو ملے — کتنا ہی خواہ اس میں کسی کا خسارہ ہو
ہاتھ آئے پھر یہ گم شدہ لولوئے شہوار — تاج نظام اس سے مکمل دوبارہ ہو

اپنا ہی باغباں جو گلشن کو ہو نصیب
کس درجہ دل فریب پھر اس کا نظارہ ہو

اردوئے معلی

سنگٹھنیے کہ وہ ہیں دشمنِ جانِ اردو
مٹانا چاہتے ہیں نام و نشانِ اردو

فارسی سے انہیں نفرت ہے جو ہے روحِ ادب
عربی سے انہیں ضد ہے جو ہے جانِ اردو

ان کے سب بیٹے لگے اپنے ہی ادیب الٹے
ان کے سینوں میں ہے پیوست سنانِ اردو

لاجپت رائے گھلے جاتے ہیں اس غم میں کہ ہائے
لازمی ہو گئی پٹنہ میں زبانِ اردو !

تیج کے والد ماجد کو یہ حسرت ہی رہی
ناگری کو نہ میسر ہوئی شانِ اردو

ہاٹ ہندی کا بنارس میں الٹ کر چمکی
آریہ دت کی بستی میں دکانِ اردو

ہم نے بھاشا میں بھی ہندی سمیلن کی کتھا
مگر اس میں وہ کہاں زورِ بیانِ اردو

گرچہ گن گاتے ہیں ہندی کے طلائی پرتاپ
جس سے چاندی ہوئی ان کی وہ ہے دکانِ اردو

گالیاں کھا کے بھی ان کی انہیں ملتی ہے خوشی
دیکھتے جاتے ہیں پنہائی خوانِ اردو

مالوی جی نے بہت زور لگایا لیکن
نہ تھما پر نہ تھما سیلِ روانِ اردو

قبولی

کل مجھ کو راستے میں ملے راے مول چند | پہلو میں آپ کے ہے دل اور وہ بھی دردمند
کہنے لگا کہ گوش نصیحت نیوش سے | سن لیجئے خاکسار کے بھی آج چند پند
میں بھی کسی زمانہ میں تھا آگ سر بسر | اور جذبہ شباب تھا اس آگ کا سپند
اب تو مگر ہے سست بڑھاپے میں جوڑ جوڑ | ڈھیلا ہوا ہے آکے ضعیفی میں بند بند
لاؤں کہاں سے ولولہ ہاے شباب کو | ممکن نہیں کہ شیر بنے جو ہے بھی گوسفند
ہو پیر شصت سال میں کیسے نشاط عمر | کس طرح تیس سال کی الٹی بھروں زقند
چکھا ہے میں نے تلخی دوراں کا ذائقہ | کھایا ہے زہر میں نے یہ برسوں سمجھ کے قند
ہے میرے تجربے کا بس اک نکتہ پیدار | میری طرح جناب بھی ہوں اس پہ کاربند
دل کا شکار کیجئے لیکن یہ شرط ہے | فتراک انکسار ہو اخلاق پر کمند

(۲)

اتنی ہی آرزو ہے میرے دل میں اے خدا | اسلام کو زمانہ میں دیکھوں میں سر بلند
دنیا میں سرنگوں علم مصطفےٰ نہ ہو | ہم خواہ خود ذلیل ہوں اور خواہ ارجمند

میدانِ بوقبیس سے یا رب روانہ ہو ‏ ‏ ‏ ‏ پھر قطعِ کائنات کو توحید کا سمند

(۳)

مسلم خود اپنے درد کی تجویز کر ذرا ‏ ‏ ‏ ‏ تا و طبیب کا نہ کبھی ہو نیاز مند

ضامن ترا ہے نسخۂ تعویذ مصطفٰے ‏ ‏ ‏ ‏ پہنچا سکے پھر زمانہ تجھے کس طرح گزند

خواہی کہ خاکِ پائے رسولِ خدا شوی

دل را بیادِ خوانی طاغوت در مبند

(۴)

خواجہ سے ایک روز تصوف نے یہ کہا ‏ ‏ ‏ ‏ طامات تا کجا و خرافات تا بہ چند

کیوں زاہدی کو دین طریقت دیا لیا ‏ ‏ ‏ ‏ اس سے تو کچھ موافقِ شریعت بھی سود مند

گفت این کہ شمۂ نفسِ مشکبار اوست ‏ ‏ ‏ ‏ پیرانِ پارسا کہ دم از عشق می زنند

آئی فلک سے کان میں حضرت کی صدا

نیّر ادا شناس ذوقِ الٰہی پسند

جگر پارے

وفود بھیج کر اُن سے پیام کر لیں گے
ہم آج فیصلۂ روم و شام کر لیں گے

ہمارے خوں کے آنسو ہیں اور دامنِ قوم
لہو لگا کے شہیدوں میں نام کر لیں گے

یہ سچ ہے اس پہ خدا کا چلا نہیں قابو
مگر ہم اس بتِ کافر کو رام کر لیں گے

بجائے کعبہ خدا آج کل ہے پیرس میں
وہیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کر لیں گے

منائیں گے بد و بت کے تنفر سے جا کر
اور اس کے واسطے کچھ قرض و وام کر لیں گے

ہمارے منہ میں زباں ہے اور ہے اس میں تاثیر
اسی کو وجہ حصولِ مرام کر لیں گے

ہمارے ہاتھ میں ہے اشہبِ قلم کی عناں
اس سمند کو محشر خرام کر لیں گے

رہی مساعدتِ بختِ نارسا سو یہ کام
جنابِ حضرتِ خیر الانام کر لیں گے

خلیفہ چاند ہیں سورج اور ہم تارے
مرتب آپ ہم اپنا نظام کر لیں گے

وہ کام جو نہ ہوا وہیم اور ولسن سے
محمدِ عربی کے غلام کر لیں گے

نسیم وادیٔ بطحا جو چل کے نجد میں آئے
تو ہم بھی اس سے معطر مشام کر لیں گے

وہ جبر جیسے ہم پہ ہی ٹوٹ جائے تو رند
شکستِ توبہ کا آپ انتظام کر لیں گے

ہزار آپ کے فتوے سہی مگر مسلم
حلال چیز کو کیونکر حرام کرلیں گے

عرب کی خاک اڑی اور عجم ہوا برباد
ہم اب زمیں کے نیچے مقام کرلیں گے

وہ خاک جس میں ٹھکانہ ہے غوث اعظم کا
سنا ہے اس میں اجانب قیام کرلیں گے

خدا کرے کہ وہ اس خاک پاک میں نہ ہیں
وگرنہ کام ہم اپنا تمام کرلیں گے

جو ڈھل کے آگیا خورشید خاوری لب بام
تو ہم ستم زدہ بھی سیر بام کرلیں گے

ہمارے دل میں اگر جلوہ گر ہے نور خدا
تو سومنات کو بیت الحرام کرلیں گے

جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی
خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے

دکن میں جا نہ سکیں گے تو شہریار دکن
یہیں سے تجھ کو بحسرت سلام کرلیں گے

علی امام نے واپس دلا دیا جو برار
تو پھر انہیں کو ہم اپنا امام کرلیں گے

کریں جو دیں کو رسوا وہ آپ ہوں رسوا
ہم اب دعا میں یہی التزام کرلیں گے

---

۱۰ مارچ ۱۹۲۰ء

دُرِّ منثور

نام کا رندۂ بن سنت میں بدنام نہ ہو
ظرف ہی جب نہیں عالی تو مئے آشام نہ ہو

نہیں سودائے شہادت تو نہ کہلا مسلم
منہ میں موجب رسوائیِ اسلام نہ ہو

اس سے کافر ہیں سے نزدیک ہے سو بار اچھا
جس مسلماں کے پیشِ نظر انجام نہ ہو

آپ کہتے ہیں پرایوں نے کیا ہم کو تباہ
بندہ پرور کہیں اپنوں ہی کا یہ کام نہ ہو

مرغ دانا سنبھل اور دانہ کے لالچ میں نہ آ
اس سے نیچے کہیں ہم رنگ زمیں دام نہ ہو

یوں تو ہے شرم پیمبر کی انہیں بھی لیکن
جی میں ڈرتے ہیں کہ ناراض کہیں حکام نہ ہو

نعمتیں خوانِ صحافت کی ہیں ساری بے لطف
اگر اس مائدہ میں لذتِ دشنام نہ ہو

جب خود اللہ ہی لوگوں کی زباں سی نہ سکا
ہم ہیں پھر کون کہ ہم پہ کوئی الزام نہ ہو

نام کالوں کا زمانہ سے مٹا دیں گورے
رحمت اللہ کی دنیا میں اگر عام نہ ہو

نشاۃ الثانیہ کہتے ہیں جسے کابل کی
کہیں سقے کے لئے موت کا پیغام نہ ہو

کبھی ہم کو بھی وہ دن میسر ہوگا کہ نہیں
صبح کی فکر نہ ہو دغدغہ شام نہ ہو

علم بخشا ہے تو دے ذوق عمل بھی یارب
عزم ہی کیا وہ جس کے لئے اقدام نہ ہو

دل ہی کیا وہ نہیں جس میں تڑپ آزادی کی
جس کو ہم جسم کہتے ہیں وہ جسم نہیں گر جساں نہ ہو

استوار اپنے خدا سے جو ہمارا رشتہ
تو کبھی ہم کو گلہ گردشِ ایام نہ ہو

۱۱ مئی سنہ ۱۹۳۹ء

شکوہ

عرض کر حضرت اقبال سے جا کر یہ صبا
کہ دنیائے سخن میں تری تمثال نہیں

مانا دنیا سے کہ کچھ دوست خاموش ہے تو
گرمِ پرواز ترا ایک پر و بال نہیں

بزمِ ہستی سے ذرا ہجرت ہے [illegible]
کسی بلبل میں وہ شور نہیں وہ نال نہیں

باندھے لیتے ہیں مضامین سے تجھ کو
یا بجا ہے پہ تری طبع ہی فی الحال نہیں

[illegible]
[illegible] کہ آیا کوئی ہم خیال نہیں

[illegible]
[illegible] جو مضطرب الحال نہیں

[illegible] عقیدت نہیں [illegible]
[illegible] اقبال نہیں

[illegible]
تو خیانت کے مضامین [illegible] تو پامال نہیں

ان معارف ہی سے کر آگے جہادِ اکبر — شرع کو تجھ سے تقاضائے زر و مال نہیں
کب جنوں مصلحت اندیش ہوا کرتا ہے — آج کیوں یاد تجھے اپنے ہی اقوال نہیں
تنت کے وقت میں اپنوں سے نہ منہ پھیر کہ تو
دولت اسلام کی ہے کفر کا اقبال نہیں

غزل مرقص

عجب کیا رب کی اس قدرت پہ گر مسلم کو حال آئے — خلافت پر زوال آئے تو ساتھ اس کی کمال[1] آئے
ستاروں سے نحوست بدر کامل ہو اُدھر رخصت — اُدھر پھر اوج گردوں پر نظر بن کر ہلال آئے
حکومت کا نشہ اسلامیوں سے جا نہیں سکتا — جو ٹوٹے ساغر جم بزم میں جام سفال آئے
عروس دولت کابل کو ہو مشاطہ کی حاجت — کہ استنبول سے افشاں کے چننے کو جمال[2] آئے
خدا جانے ہو کیا اس وقت حالت دین احمد کی — امان اللہ[3] خاں کو بیٹھے بیٹھے گر جلال آئے
خلافت کی کرامت ہے اگر ہندوستاں جاگے — اگر صدیوں کی اس باسی کڑھی میں بھی ابال آئے

---

[1] غازی مصطفےٰ کمال پاشا [2] غازی جمال پاشا [3] ایدہ اللہ بنصرہ مزید

زن و فرزند و جان و مال سب حق ہو خلافت کا
اگر اسلامیوں کو حق شناسی کا خیال آئے

مسلمانو دعا پانچوں نمازوں میں یہی مانگو!
کہ قسطنطین اور اس کی فوجوں پہ وبال آئے

جزا ہند کے احسان کی ہو احسان اور وہ بھی
کرے نیکی مسلماں اور اسے انگریز میں زوال آئے

ملی اس کشمکش میں سمرنا کو آزادی تو سن لینا
کہ انگریزوں کو ہم بغداد سے جا کر نکال آئے

فلانی پیچ جو ہو سرکار کی آبادگی سب بہر
قسم ہے تو جو کرتے ہی بات کا دل میں ملال آئے

تشدد خود کریں الزام اس کا تعصب دیں سمرنا
تعجب کیا اگر اس منطق پہ سمرنا کو اشتعال آئے

اسی تہذیب پہ کیا اہل مغرب ناز کرتے ہیں
یہاں سے کچھ اٹھا لائے وہاں سے کچھ چرا لائے

کبھی انہوں نے نیکی کا ڈالا نہیں کوچہ کا
کہیں سے کر مراقش میں شراب پرتگال آئے

غرض ہمدرد انسان بن کے جس اقلیم میں پہنچے
اسی کو اس نئی تہذیب کے سانچے میں ڈھال آئے

کمال اتاترک کی حق ہوئی ہے سب کے قابل
خبر جس جنگ کی انگورہ سے باد صبا لائے

ودیعت تھی یہ جس کی خالق نے آہ
کہا جب ہم نشیں نے جا کے تم شیر سے کیا لائے

لاؤ تب جا کر اس مسلم مریض کو
سنانے کے لئے خود مسلم شیر میں مقال آئے

ہندوؤں کی تہذیب

سری رام چندر سے خطاب

نہ تو ناقوس سے ہے اور نہ اصنام سے ہے
ہند کی گرمیٔ ہنگامہ ترے نام سے ہے

میں ترے شیوۂ تسلیم پہ سر دھنتا ہوں!
کہ یہ اک دور کی نسبت تجھے اسلام سے ہے

ہو وہ چھوٹوں کی اطاعت کہ بڑوں کی شفقت
زندہ دونوں کی حقیقت تری پیغام سے ہے

تیری تعلیم ہوئی نذرِ خرافاتِ فرنگ
برہمن کو یہ گلہ گردشِ ایام سے ہے

نقشِ تہذیبِ ہنود اب بھی نمایاں ہے اگر
تو وہ سیتا سے ہے لچھمن سے ہے اور رام سے ہے

سیتا اور طوطا

ہوئی کیا وہ بہار اے آرزو وحشت — چمن کی زندگی تھے جس کے انفاس
وہ رنگا رنگ پھلواڑی کہاں ہے — دماغوں میں تو اب تک جس کی بو باس
وہ آزادی کدھر ہے جس سے تجھ کو — نہ آئی کوئی بھی ہوا راس
قفس میں بند ہوتی تھی جو طوطی — تو سیتا کو دیا جاتا تھا بن باس

یہ طعنہ بھی سنا تو نے انہی سے
کبھی بھی تھا نہ آزادی کا احساس

طاہر و باغ

مرشد نے کیا دیکھنا سب جہاں چپ ناؤ — قسمت بریں کے جنت میں پھر جانا ہے دیکھو
پائی تھی فردوس سے جس کی فضا میں پرورش — تو نے دیکھا ہے وہ بہتا ہوا کو بتا دو اس کا آشیاں دیکھو

عندلیبوں کا بسیرا تھا کبھی جس شاخ پر — اس کے سوکھے ٹھنٹھ پر بیٹھے زغن البتہ زاغ دیکھ
کمیاں جدہ کی تو جیتی نگل جانے کو ہے — لیکن آ جائے کہیں تجھ کو نہ استفراغ دیکھ
جو کی روٹی بھی جنہیں قبرس میں مل سکتی نہیں — بمبئی میں چکھنے آئے لذتِ قیماغ دیکھ
آل ہاشم پاسباں تھا جس کی عزت کا حجاز — اس کی رسوائی بشکلِ طاہرہ باغ دیکھ

اک گھٹا پھر اٹھ رہی ہے نجد کے کہسار سے — جو اُجڑ کر رہ گیا تھا پھر ہرا وہ باغ دیکھ
پھر ہوئی کشتِ عرب سیراب ابرِ نوبہار — پھر چمن میں جلوۂ کبک و تذرو و سلاغ دیکھ

قامتِ گیتی ہے اور رنگین قبا اسلام کی
غوطہ دیتا ہے اسے کس رنگ میں صباغ دیکھ

---

۱۶ جولائی سنہ ۱۹۲۵ء

مقتلِ ننکانہ

خونِ امرت سر کی سرخی رونقِ ننکانہ ہے — کس قدر رنگیں ہماری بزم کا افسانہ ہے
جنسِ آزادی کی ارزانی مسلّم ہے مگر — خونِ ابنائے وطن اس جنس کا پیمانہ ہے
سر کے بل چل کر اکالی آئے مقتل کی طرف — دل میں ہے شوقِ شہادت اور بے تابانہ ہے

جن کے قتلِ عام کا گھر گھر میں ہے ماتم بپا — زندۂ جاوید ان کی ہمت مردانہ ہے
بے بصر سمجھے ہیں اک انبارِ خاک جسے — اس کے ہر ذرے میں رقصاں شوکت شاہانہ ہے
بت گری اس عہد میں ہے عقل و دانش کی دلیل — بت شکن اس دور میں مجنون ہے دیوانہ ہے
گردواروں پر پنتھوں کا تسلط ہو گیا — خانۂ نانک نرائن داس کا بت خانہ ہے

ہر کوئی محفل میں ہے اپنی جلوہ آرائی سے کام — شمع کیا جانے کہ جلتا کس لئے پروانہ ہے
کیا ہوا اگر ہاتھ پر تم نے لیا ریشم لپیٹ — اس کے نیچے تو وہی فولاد کا دستانہ ہے
اک نہ اک دن صورت حرفِ غلط مٹ جائیگی — جو حکومت مذہبی قانون سے بیگانہ ہے

اس طرف گاندھی کی ہے شوکت علی سے رسم و راہ — اس طرف شیطان سے سرکار کا یارانہ ہے
مرغ دانا اب نہ ان گھاتوں سے پھانسا جائیگا — راز دارِ حیلۂ دام و فریبِ دانہ ہے

حریت کا خم مئے حق سے کبھی خالی نہیں — لطفِ ساقی اب بھی صرفِ گردشِ پیمانہ ہے
کیا ہوا بستی ہماری گر اجڑ کر رہ گئی
کل یہی آباد ہوگا آج جو ویرانہ ہے

منصور

مجھ سے ملنے کیلئے زنداں میں منصور آ گیا — ڈھونڈتی تھیں جس کو آنکھیں چشمِ بد دور آ گیا

جس مکاں میں تھا اندھیرا اس میں پھیلی روشنی — چیر کر ظلمت کے پردے آنکھ میں نور آ گیا

جانِ بابا اس سیہ خانے میں تم کیوں آ گئے — میں تو ہو کر اپنی اس عادت سے مجبور آ گیا

اس کا رونا اس کا ہنسنا اس کی شوخی اس کی چھیڑ
مجھ کو یاد اختر ترے بچپن کا دستور آ گیا

نئی نئی ضرورتیں

مجھ کو ہے تعاون نہ تعامل کی ضرورت — میں آپ ہوں دریا مجھے کیا پُل کی ضرورت

اے سایۂ برطانیہ! اٹھ جا مرے سر سے — اس سر کو ہے اکلیلِ توکّل کی ضرورت

زولیدگیٔ گیسوئے مشکیں کو نہیں ہے — تکلیفِ گرہ گیریٔ سنبل کی ضرورت

جب اس چمنستاں کی فضا ہی نہیں باقی
مینا کی ضرورت ہے نہ بوتل کی ضرورت

کرتی ہے عمل خود تو تشدد پہ حکومت
اور ہم کو جتاتی ہے تحمل کی ضرورت

کیا خوب! مرے قتل پہ حیرت بھی ہے ان کو
عارف کو بھی پیش آئی تجاہل کی ضرورت

میں سوختہ ساماں ہوں مجھے برق سے کیا خوف
بجلی ہی کو پیش آئی تامل کی ضرورت

کیا وہ بھی بہتا ہے جو ہو صبح میں تا شب
دہلی سے مقدم ہوئی کابل کی ضرورت

اس میں نہیں کچھ شک کہ عمل خوب ہے لیکن
ہم کو ہے ابھی اور بھی کچھ غل کی ضرورت

تشنگی و سیرابی

مزرع ادب کو ہے آرزوئے سیرابی
نقش آب کا لیکن ہے تو وہ بھی سیمابی

علم بے منزل بست ، وہ چشمۂ دانش سا
کام میں نہیں ملتا گر نہ ہو وہ فارابی

جام ہاتھ سے کر سوچ سمجھ کے آنا
ظرف بھی نہ ہے ، بادہ ہے عنابی

خالصہ کا پیغام

حالصہ کا قول ہے دم میں تو نہال ہو
گر تری زبان پہ ست سری اکال ہو

کرنے دے انہیں جفا تو مگر نہ ہاتھ اٹھا
خواہ کیسی ہی قوی وجہ اشتعال ہو

اک جہاں کے واسطے صدق کی نظیر بن
اک زمانہ کے لئے صبر کی مثال ہو

برچھیوں کے وار کو روکنا اگر پڑے
کینہ سے دھلا ہوا سینہ تیری ڈھال ہو

حق کی جلوہ گاہ میں شانِ کردگار بن
حق کی شاہراہ پر جا کے پائمال ہو

مسلم برشتہ جاں دیکھ تو کہ یہ کہیں
تیری ہی روش نہ ہو تیری ہی نہ چال ہو

ہم تو سر کے بل گئے قتل گاہِ عشق میں
تیز ہو چکی چھری تو بھی چل حلال ہو

فسانۂ اسلام کی ایک عبرت اندوز فصل

یاد ہیں ہم کو وہ دن بھی کہ رئیس الاحرار
پا بہ زنجیر نظر آتے تھے زندانوں میں

ان کو آنکھوں پہ بٹھاتا تھا جہان توحید
جانتا تھا کہ ہیں اسلام کے دیوانوں میں

بس کہ تھی ان کو نصاریٰ کی موالات سے نفرت
دھوم تھی ان کی شجاعت کی مسلمانوں میں

آج یہ دن ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ان کو
نائب السلطنت ہند کے ایوانوں میں

بخت برگشتۂ ملت انہیں لے ہی پہنچا
لارڈ ارون کی حکومت کے ثنا خوانوں میں

طبل بجتا تھا کبھی اوج بلندی پہ جن کا
جو جھلکتا تھا ہمالے کی چٹانوں میں

چائے کی ایک پیالی پہ وہ بیچیں ہم کو
یہ بھی اک فصل ہے اسلام کے افسانوں میں

آل انڈیا مسلم لیگ سے سر محمد شفیع کی بغاوت

سر محمد شفیع لاہوری — اپنی ٹوپی الگ بنانے لگے
لیگ کے اقتدار کی بنیاد — اپنے ہاتھوں سے آپ ڈھانے لگے
آپ اپنے ستون قوت کو — مرکز ثقل سے ہٹانے لگے
ڈال کر افتراق ملت میں — زور اسلام کا گھٹانے لگے
آبرو جو رہی سہی تھی اسے — شملہ کی خاک میں ملانے لگے
ناچ تگنی کا خود تو ناچے تھے — ہم کو بھی ساتھ ہی نچانے لگے

ایسے دیوانہ کا علاج ہی کیا
خرمن اپنا جو خود جلانے لگے

---

۲۸ دسمبر ۱۹۲۷ء

ستارۂ صبح

بنا ہی دائرہ ہم نے لیا معارف کا   محال ہے کہ ہمارا کوئی آوارہ نہ ہو
کہاں سے لاؤں مضامین غیب کی سرخی   علی الصباح اگر چاء کا غرارہ نہ ہو
کھل نہ سکے گی زبان عندلیب شیدائی   بہار کا اسے جس وقت تک اشارہ نہ ہو
بلند ہے تری ہمت تو باز بن کے دکھا   مگر کبھی بھی کلاغ طفیل خوارہ نہ ہو
لگاؤ پیچ پہ مگر چنیدہ ہضم کر جاؤ   یہ کار خیر ہے اس میں تو استخارہ نہ ہو
جمال ماہ بھی ہے اور جلال مہر بھی ہے   ستارہ ہی نہیں جو صبح کا ستارہ نہ ہو

خدا ہو ساتھ تو طوفان زدہ دل کو کیا ڈر ہے
نظر کے سامنے دریا کا گر کنارہ نہ ہو

یکم جنوری ۱۹۱۷ء

قندھار

یک بیک اسلام کی تقدیر پلٹا کھا گئی
رنگ لے آئی نرالا گردشِ لیل و نہار

ایک سقّہ مسندِ کابل کی زینت بن گیا
دیدنی ہے روزگارِ سفلہ پرور کا مدار

پھر تعصب اور جہالت کا ہوا بازار گرم
پنجۂ باطل سے ہے حق کا گریباں تار تار

ملّتِ بیضا کی رسوائی کے ساماں ہو گئے
بڑھ گیا پھر حلقۂ مشرق میں پیروں کا وقار

دنیوی باتوں میں پڑنے لگ گئے مُلّا و خیل
اور سپرد اُن کے ہُوا سب سلطنت کا کاروبار

ہر طرف رجعت پسندی کی گھٹائیں چھا گئیں
ہو گیا قائم مشائخ کا پرانا اقتدار

اِن کے ہاتھوں مغربی پھندوں میں پھنس کر رہ گئی
تھی جس آزادی کی ہر جانب سے مشرق میں پکار

ٹل ہی جائیں گی یہ گوناگوں بلائیں ایک دن
آ ہی جائے گا وہ دن جس کا ہمیں ہے انتظار

وقت آتا ہے کہ پھر ہوگا امان اللہ خاں
کامیاب و کام بخش و کامران و کامگار

پل رہی ہیں غیب کے آغوش میں وہ طاقتیں
جن کی عالمگیریوں کا نکتہ داں ہے قندھار

۲۱ جنوری ۱۹۲۹ء

نئی صلیبی جنگ

مسیحیوں اور مسلموں میں یہ جنگ جس [illegible] ہے

بدل کو دیتی ہے [illegible] کہ آیا [illegible] ہے

سمجھ رہے ہیں یہ اہل یورپ [illegible] مسلماں کو لوٹ لیں گے

کہ اس میں [illegible] آج [illegible] ہے

[illegible]

جہاں میں [illegible] جائے گا [illegible] ہے

[illegible] نمایاں

[illegible] ہے

[illegible]

[illegible] ہے

ہوئی ہے جن کو عطا [illegible] سے

[illegible] ہے

تباہی ہے دراز دستیِ اطالیہ کی طرابلس پر
کہ آج کشور کشا ہی ہے جسے فراموشِ رہزنی ہے
ڈٹے ہیں جو بیاباں کی جبہ پوش گھر بار کرکے کوئیں مسلماں
دعا ہے اسلامیوں کا نیزہ اشراقی نیزہ کی انی ہے
خدنگِ تیغ کی جو دیکھی تو مومنوں کو یہ نکتہ سوجھا
کہ ہاتھ رہتا ہے ان کے میدان شعار جن کا فروتنی ہے
اماں لیں بس ہوئی مسلماں بلا سے حق سے نور ایماں
چراغ پایا ہیں جناب پاپا عجب تماشا دیدنی ہے
ہماری کشتی کو ڈوبنے سے بچا لیا ہے تیری دعا نے
تیری توجہ سے یا محمدؐ ہماری بگڑی ہوئی بنی ہے

۱۹۱۱ء

صدر جمہوریہ امریکہ

صدر جمہوریہ امریکہ ولسن ہو گیا — ہم جسے رہبر سمجھتے تھے وہ رہزن ہو گیا
کوئی پوچھے آپ کی چودہ شرطیں کیا ہوئیں — سینۂ تہذیب کیا ان سب کا مدفن ہو گیا

تھیں نوا زن جس چمن میں قمریاں اسلام کی — اک ہوا ایسی چلی جنگل، وہ گلشن ہو گیا

مدعی کے ہاتھ میں ہے رشتۂ زلفِ دراز — اے جنوں خوش ہو گریباں آج دامن ہو گیا

برق بن کر آہِ مسلم عرش تک جانے لگی — مصطفےٰ کی شمع کا فانوس روشن ہو گیا

تحفۂ مسلم جب ہوا نیلام بولی کے لیے — کوئی چرچل بن گیا اور کوئی کرزن ہو گیا

ان کو کیا امداد کی حاجت جب ہے ہندوستاں — وقف ان کے واسطے تیرا ابھابن ہو گیا

کھینچتی ہے یوں ہی مسلم کو خلافت کی کشش — جذبِ مقناطیس میں جس طرح آہن ہو گیا

ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم کو دال بھی ملتی نہیں — وہ یہ کہتے ہیں کہ مہنگا توس مکھن ہو گیا

ہمتِ شبلی ہے اقتصادِ مغرب اور دیوِ سفید

اس پہ انگریز دادی کا بساون ہو گیا

---

۱۰ فروری سنہ ۱۹۲۰ء

حاجی ظفر علی خاں ہندفرزئی نہروانی

لقب حاجی بھی ہے ہندفرزئی بھی نہروانی بھی
مرے ایماں کو آخر چاہیئے کوئی اک نشانی بھی

مرقع میں مری تصویر سالک نے وہ کھینچی ہے
کہ دنگ ارژنگ ہے اور پیکرِ حیرت ہے مانی بھی

صلہ میری وفاؤں کا دیا پیہم جفاؤں سے
اور اس پر مستزاد اس شوخ کی ہے بدزبانی بھی

خدا آباد رکھے مہر و سالک کی صحافت کو
کہ اس کے صدقہ میں ہوتی ہے میری قدردانی بھی

ہے اس کی نثر و نظم آئینہ جوہر ہائے ذاتی کا
مگر اس میں جھلکتی ہے شرافت خاندانی بھی

---

۹ نومبر ۱۹۲۸ء

گیانی کا ترانہ

کل شام کے وقت ایک پر حال گیانی
گلیوں میں بجاتا ہوا پھرتا تھا دوتارا

ہر نغمہ سے لگتی تھی نئی چوٹ جگر پہ
ہر نغمہ سے کرتا تھا وہ دل کو دو دو

ہر گت سے بابا نانک تھا خالصہ میں دہ ملا کو
اور چھیڑتا جاتا تھا یہ آہنگ دل آرا

کچھ تم کو خبر بھی ہے کہ برطانیہ نے کیوں
گدی سے مہاراجہ نابھہ کو اتارا

کیوں خالصہ کی ناؤ پڑی آ کے بھنور میں
کیوں ڈوب گیا پنتھ کی قسمت کا ستارا

اس کی یہ خطا تھی کہ ہے ملت سے اسے عشق
اس کا یہ گناہ تھا کہ ہے مذہب اسے پیارا

اس جرم کی تعزیر میں ہم قید تھے کل تک
اور آج گرفتار ہے سردار ہمارا

ہے کوئی حق آگاہ جو باطل سے نہ جھجکے
ہے کوئی جو انگریز سے پوچھے یہ خدارا

کیوں فلسفہ اپنا ہی کیا تم نے فراموش
کیوں اپنے ہی مکتب کا سبق تم نے بسارا

کیوں تم سے ہے مخفی یہ حقیقت کہ ہمیشہ
بہتا نہیں اک سمت میں تقدیر کا دھارا

ڈھلتی ہوئی چھاؤں ہے یہ آتی ہوئی دولت
ہر کون ہے جس سے نہ کرے گی یہ کنارا

دنیا میں نہ یونان رہا ہے نہ ایران
باقی نہ سکندر ہے نہ پرویز نہ دارا

ہم بھی کبھی اس ملک میں تھے صاحب دیہیم
مشہور تھے ہم تا بہ سمرقند و بخارا

لیکن کبھی احسان کی روش ہم نے نہ بدلی
جو قول دیا ہم نے وہ مر کر بھی نہ ہارا

اک ہم تھے کہ ہم نے تو دیا تم کو سہارا
اک تم ہو کہ تم نے جسے تاکا اسے مارا

کب تک یہ تشدد یہ مظالم یہ تعصب
کس آن سے لئے یہ ستم و جور تمہارا

تم کر سکو گے کبھی اس جذبہ کو پامال
کرتی رہی قوموں کو سدا جس نے ابھارا

... ان تو کبھی بہتا ہے کسی کا ایسا
بن جاتا ہے پنجاب کی تعمیر کا گارا

چین آ نہیں سکتا ہمیں جب تک نہ بٹھا لیں
مسند پہ مہاراجہ نابھہ کو دوبارا

صورت و سیرت

تمہیں صورت پہ غرہ ہے مجھے سیرت پہ نازش ہے — تمہیں پروا ہے دنیا کی مجھے ہے فکر عقبیٰ کی
کسی کے کام آنے کی اگر توفیق ہے مجھ کو — ہے تخصیص اس سعادت میں نہ ابا کی نہ آقا کی
یہ دین اسلام کی ہے کیا اجارہ آپ کا اس میں — یہ برکت ہے رسولؐ اللہ کے دین حق کی

دلوں کو بندہ پرور دیکھئے کالے ہیں یا دُھلے
کہ یوں تو آپ بھی خاکی ہیں اور بندہ بھی ہے خاکی

۷ جنوری ۱۹۱۷ء

رازہائے سربستہ

پوچھ لیتا ہے فرنگی بھائی سے بھائی کا راز
ایشیا میں ہے یہ اُس کی کارفرمائی کا راز

سلطنت قربان کی گوسالہ و ناقوس پر
آشکارا ہو گیا ہندو کی رسوائی کا راز

کھول دے گی سالِ نو کی فردِ اعزاز ایک دن
آستانِ شملہ پر اُن کی جبیں سائی کا راز

وجد میں ہندوستاں کو لاتے ہیں یارانِ نجد
دیکھ لو اسلام کے جذبہ کی گیرائی کا راز

فتنۂ توہب میں ہے شمارِ سبت بن مسعود
ہے خطابِ شاہی اُس کی شانِ دارائی کا راز

آپ سب کچھ لے لیا کچھ بھی نہ یورپ کو دیا
جدہ کا میثاق ہے سلطاں کی دانائی کا راز

بمبئی میں منتقل ہو کر مرکزیت کعبہ کی
مجھ سے چھپ سکتا نہیں کعبہ کی شیدائی کا راز

ہیں مرے نغمے نشاط افزا بھی جانسوز بھی
ہے خود افشا اِن نواؤں کی دل آرائی کا راز

۱۴، نومبر سنہ ۱۹۲۶ء

زمیندار اسٹیم پریس

خود اپنے ہی مطبع میں زمیندار چھپا آج
ہوتا ہے غلامی سے یہ اخبار رہا آج

مطبع کے نہ ہونے سے جو تھی روح کو سوہان
یہ پیچ ہے اُن افکار سے آزاد ہوا آج

اپنی ہی کلیں اپنے ہی انجن سے چلی ہیں
دل اور زباں کیوں نہ کرے شکرِ خدا آج

جس درد کی مدت سے تھی خود ہم کو شکایت
اُس درد کی پیدا ہوئی صد شکر دوا آج

آئے ہیں دن اب اس کے پنپنے کے عزیزو
بیمار کو دی شافیِ مطلق نے شفا آج

پابندیِ اوقات کی صورت نکل آئی
تاخیر کا احباب کو شکوہ نہ رہا آج

اغیار کے ناز اس نے اٹھائے ہیں مہینوں
ہے مایۂ نازش اسے خود اپنی ادا آج

تھا جلوۂ پنہاں کی تجلی کی یہ تمہید
ہوتا ہے جس انداز سے پیدا نما آج

آرائش ہم چشم سے نشاط ہے تاریخ
نازاں نہ ہو پھر شانہ پہ کیوں زلفِ رسا آج

احباب نے اس وقت کمک اور جو کی ہے
کچھ اس سے اعانت کی ضرورت ہے سوا آج

۲۲ اکتوبر ۱۹۱۳ء

پردہ اور نہرو رپورٹ

دیندار اور کرے تائید اس بے حجابی کی — یہ وہ [illegible] ہے جس پر [illegible] عقل حیراں ہے
کب اس ارشاد پیغمبر سے ہم نے کی ہے سرتابی — [illegible] نصف ایماں ہے

۱۲ اکتوبر ۱۹۲۸ء

مسلم اوٹ لک کا پیام

عالموں اور صوفیوں کا بیہودہ صد سالہ فرض — [illegible] آج [illegible] مسلم اوٹ لک
[illegible] کرنا سکھا کر اللہ کو — پہنچی حالت میں شادی لال کے آگے نہ جھک

تیرے آگے [illegible] قدم

امر بالمعروف اور نہی منکر [illegible]

علی برادران اور ابوالکلام آزاد

برادرانِ علی کا سنو یہ تازہ کلام — کہ ہیں شریک سے رسوا ابوالکلام آزاد
پلا پلا کے شریعت اُن کو تیسرہ دیا — کرا رہے ہیں ہم یار اُن کے ہاتھ سے برباد
نہیں خیال اُنہیں رہتا یہ جوشِ مستی میں — کہ دیں ہو نہیں سکتا کفر کا منقاد
جناب حضرتِ نقاش نے سنا جو یہ تو — یہ طعنہ جس سے ٹپکتا تھا زہر بغض و عناد
تو ہنس کے کہنے لگے یہی شانِ باری ہے — ابوالکلام پہ یوں برسے جیندہ کی اولاد
اگر وہ بھول گئی ہو تو ہم نہیں بھولے — جناب سیٹھ چھوٹانی کی تھیلیوں کی یاد
وہ کان کھول کر سن لیں یہ قول حافظ کا — فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتویٰ داد

کہ مے حرام ولے بہ ز مالِ اوقاف است

۱۲ جنوری ۱۹۲۹ء

یتیم خانہ کالی کٹ

بھیک ہم مانگنے آئے ہیں یتیموں کے لئے
تھے جو پیوند کے دامان نبی یتیموں کے لئے

لائے ہیں دولت کونین کا پیغام سبھی
وہ جو آیا تھا یثرب سے یتیموں کے لئے

ہونے والی ہے خداوند کی رحمت نازل
وقت آیا ہے سخاوت کا کریموں کے لئے

مینہ کا لقب اللہ نے تجویز کیا
یثربیوں کے لئے اور ان کے یتیموں کے لئے

ہے فقط اہل کرم کے لئے فردوس
نہیں یہ دولت جاوید لئیموں کے لئے

---

۷ اگست ۱۹۳۱ء

آزادیٔ ضمیر

بُت خانۂ فرنگ کی چوکھٹ کی خاک سے
آلودہ جب سے سر ہے محمد شفیع کا

کوشش یہ ہو رہی ہے کہ جلوہ نظر نہ آئے
آزادیٔ ضمیر کی بامِ رفیع کا

تکبیر سے ہے لاگ تو تعمیق سے لگاؤ
تہذیب نام ہے اسی فعلِ شنیع کا

قدوسیانِ شملہ سے پوچھو کہ کیا ہے راز
اس تیز پا سمند کی سیرِ سریع کا

لیکن نہ مل سکے گا اُسے حشر تک سُراغ
سرمنزلِ حرم کے مقامِ منیع کا

قول اور فعل میں نہیں جن کے مطابقت
کیا رنگ اڑائیں گے مری طرزِ بدیع کا

---

۱۰ جنوری ۱۹۲۸ء

حافظ کے دو اشعار کی تضمین

[illegible] کی [illegible]   [illegible] بہشت

جب کے پہنچا [illegible]   [illegible]

جس [illegible]   [illegible]

[illegible]

[illegible]   [illegible] ہماری قوم کا ہو نیک و بد

[illegible]   [illegible] النسل [illegible]

[illegible]   [illegible] نقش کا [illegible] خیال بود

[illegible]

۲۵ [illegible] ۱۹۱۲ء

خدا اور بُت

اک روز میں نے عرض یہ سرکار سے کیا
اے وہ کہ مجھ کو تجھ سے مجالِ سخن نہیں

اے وہ کہ جو زمین تیری امیت سے ہم کو دو
اور آسماں کو حوصلہ دم زدن نہیں

اے وہ کہ تیرے غمزہ خنجر گزار کو
پروائے جان شیخ و دل برہمن نہیں

اے وہ کہ تیرے دربیں قانون کا ادب
شرمندۂ روایت و رائے کہن نہیں

سنتا ہوں میں کہ تیری مساوات کے بدل
منت پذیر فرق الہ و وثن نہیں

پھر کیوں خدا کے گھر ہی کو ڈھایا حضور نے
بت خانوں کس لئے یہ سلیقہ فگن نہیں

لارنس کا مجسمہ کیوں منہدم نہ ہو
کیا اس کے واسطے کوئی مشین گن نہیں

ملزم یہ بت بھی ہے جو خدا ہے قصور وار
اس کا بھی احترام ان سے خالی جاں نہیں

تا لامرے سوال کو اس بے نیاز نے
سرکار سے جواب کچھ آیا جو بن نہیں

انگریز و حشیانہ تعصب سے پاک ہیں
محمود غزنوی کی طرح بت شکن نہیں

فن لابہ گری کے امام

اسلام سرنگوں نہ ہو کیوں اُن کے سامنے
نقاش ہوئے ہوں جب کا علم سرمۂ حیات

ملتی ہے جس کو بات لہو کی بھینٹ
ہے بات سے زندہ کے تنم سرمۂ حیات

کعبے سے جب سوا ہے کلیسائی سینٹ پال
پھر کیوں نہ ہوں طواف حرم سرمۂ حیات

انگریزی کے غم سے نہ جب مل سکی نجات
لیا انہیں اپنی قوم کا غم سرمۂ حیات

لندن میں پھرتے ہیں کلیسا کی طرح
ہے جان ساتھیں کا بھرم سرمۂ حیات

اردو کو فخر کیوں ہے بیری سنتوں پر
لیا ان سے کچھ دفا ہیں میں کم سرمۂ حیات

گر شیوہ اس ذلیل خوشامد کا چھوڑ دیں
ہم پر کریں بپا ہی کہ ہیں سہم عمر حیات

اس ... پا ... کروٹ کی طرح
بھولی نہ ڈال ہیں لو کی ہم ... حیات

۱۶ مئی ۱۹۲۹ء

سائمن کمیشن کا خیر مقدم

جب آئیں سائمن اس طرح استقبال ہو جائے
کہ پہنچیں جس جگہ نازل وہیں ہڑتال ہو جائے

زوالِ اسلامیوں کا اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا
کہ جو اُن کا خسارہ انگریز کا اقبال ہو جائے

ہمارے پیٹ میں آزاد ہو چسکی بجاتے ہیں
ہر اک ہندو اگر پنڈت جواہر لال ہو جائے

خدا کی شان ہے جو سورۂ زلزال پڑھتے ہیں
وہ ہوں خاک اور کاشی کا سنبھال ہو جائے

سنبھالیں حق پہ بکن بھی اور اُن کی ٹولی مائل
ذرا گر عندلیبِ اسلام کی چہچہال ہو جائے

خلافت، کانگرس اور لیگ کا ایکا یہ کہتا ہے
کہ الٹی آسمانِ پیر کی ہر چال ہو جائے

اگر ہندوستاں کو نعمت آزادی کی حاصل ہو
تو لکھن توس کا برطانیہ میں کال ہو جائے

---

۲۲ جنوری ۱۹۲۸ء

علامہ اقبال کی گائے

۱۲ جنوری ۱۹۲۵ء کو علامہ اقبال کی گائے نے بچھڑا دیا [illegible] آپ نے [illegible]
صاحب [illegible] شریک [illegible] آتے ہی [illegible] کا [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] | ڈاکٹر اقبال کی وہ گائے
[illegible] | وہ [illegible] پنجاب میں بیاہے
[illegible] سرمایۂ سرور | صفا [illegible] ملک ہند کو دکھائے
[illegible] رقص [illegible] | گوسالہ [illegible] سامری کو لائے
[illegible] | [illegible] لاہور کو سنائے
[illegible] | [illegible] کان پھڑپھڑائے

چاہتے ہیں لالہ کہ گوسالہ [illegible]
کونسل کا صدر آتے ہی جو شیخ کو بنائے

[illegible] پنجاب

شور بازاری شریعت کے پرستاروں کا اسلام

ایک ڈاکو کو دیا مردِ مجاہد کا خطاب
شور بازاری رذالو کیا یہی اسلام ہے

جھوٹی قسمیں کھانے والے کو بنایا بادشاہ
شرع پر مرمٹنے والو کیا یہی اسلام ہے

اپنے محسن کو ڈسا جس افعیِ خوش رنگ نے
آستیں میں اس کو پالو کیا یہی اسلام ہے

جس نے روندا پاؤں میں ارشادِ اوفوا بالعقود
اس کو آنکھوں پہ بٹھالو کیا یہی اسلام ہے

دس برس تک جو تمہاری آنکھ کا تارا رہا
آج آنکھ اس سے چرالو کیا یہی اسلام ہے

جس کے ایماں کی قسم جبریل کھاتا ہو اُسے
کفر کے سانچے میں ڈھالو کیا یہی اسلام ہے

جس نے افغانوں کی عزت میں لگائے چار چاند
اس کو یوں گھر سے نکالو کیا یہی اسلام ہے

چھین لیں آنکھیں امان اللہ خان غازی سی کیوں
گوری رنگت والے کالو کیا یہی اسلام ہے

ہمہ اوست کی بانسری بجانے والے

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکرخا را

آج دہلی کی ڈاک جب آئی
تو ملا کرتے ہیں مجھ کو خطیب

نکتہ شوق اس پہ جا نمری
کہ یہ تھا نامہ حبیب لبیب

وہ جو سمجھی پریشاں ہوں
کہ میں بیمار ہوں تو وہ میں طبیب

تھا نہ آسمعت کچھ لیکن
نہیں تو جیسے مریض کو بھی نصیب

وہ بہ قسمت حسن نظامی ہیں
کہ وہ ہیں حبیب کے بھی قریب

میں ہوں وہ جس نے مجھ کو دشنام
بہ لبیں تو نہیں یہ بات عجیب

اگر ان دیوں میں ہی بہت ہو
کتنے شیریں ہیں گرچہ ہیں یہ عجیب

گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

کسی صاحبزادہ کی یاد میں

بسکہ بے قدری سے پیک خیال آمادہ ہے
کہکشاں کی جلوہ افشانی فروغ جادہ ہے
میرے مضموں ہیں ابھی تو بے نقش طبیعت
گوش معنی پردہ ہائے غیب کا دلدادہ ہے
مے سے مستغنی ہوں اور معشوق سے ہوں بے نیاز
طبع موزوں سادہ ہے اور فکر رنگیں بادہ ہے
خاک اس سر میں ہے خون شہادت کا یہ رنگ
ذرہ ذرہ لعل ہے یاقوت ہے سجادہ ہے
پھول پھل لانے کو ہی اگتے ہیں آزادی کے بیج
کل وہی استادہ ہوگا آج جو افتادہ ہے

ہم بھی صاحب تھے کبھی اے سفلہ پرور آسماں
اب تو صاحب ہیں وہی جن کی روش آزادہ ہے
کیا تماشا ہے کہ صاحبزادہ کہلاتے ہیں ہم
سوچیے معنی ہوئے شہدی بھی پیرزادہ ہے

ہو کے مسلم لے کے پیسہ بن گیا تو دیں فروش
آج میں سمجھا کہ تو واقعہ میں صاحبزادہ ہے

ورد کیا کام آئے گا یا حیُّ یا قیُّوم کا
جب شراب غرب سے رنگیں تر سجادہ ہے

زمینداری

زمیندارو تمہیں کچھ بھی [illegible] ... [illegible] ناداری
تمہیں کو دستگاہ [illegible] ... [illegible] پیاری
تمہارا ملک اب بھی [illegible] ... [illegible] باطل [illegible]
تمہارا [illegible] ... [illegible] دنیا میں [illegible]
[illegible] ... [illegible] سپاری
ہیں خوشحال [illegible] ... [illegible] ترکاری
[illegible] ... [illegible] دنیاؤں کی بیماری
زمانے کا بہت [illegible] ... [illegible] کی تیاری
تمہاری [illegible] ... [illegible] نازبرداری
[illegible] ... [illegible] سرکاری
[illegible] ... [illegible] ذلت و خواری
[illegible] ... [illegible] کی دشواری

اگر سوچو تو انعامات بے پایاں کے مورد ہو
بجا لانا تمہیں لازم ہے شکر حضرت باری

گورنمنٹ ایسی تم پر حکمراں ہے اس زمانے میں
کہ مسلک جس کا ہمدردی ہے اور شیوہ ہے غمخواری

ہوئی اس عہد میں تم کو میسر وہ برکتیں حاصل
گنا کر کہہ سکے کوئی نہیں ایسی زباں یاری

نکالی جا بجا ہیں آبپاشی کے لئے نہریں
زمیں کے سینچنے کے واسطے ہیں پانی جاری

گئے ان بستی گنگاؤں کے صدقے ہو دو ان جن پہ
تمہاری کشتیوں نے جن سے درزن تھا ایسا باری

جہاں پر پہلے بیاباں تھے وہاں آبادیاں ہیں اب
زمیں شوریں کی لالہ و سنبل نے گلکاری

گر ان آسائشوں پر بھی نہ سیکھو گر ترقی کے
تو بہتر ہے کہ دنیا سے کرو چلنے کی تیاری

از طہران

انجام کار چڑھ گیا میں اس پہاڑ پر
پہلو میں جس کے چھا رہا اک برف زار تھا

نکلا نہ تھا قمر ابھی اس برج سے جہاں
آغوش آسماں میں سر کوہسار تھا

پھیلا ہوا پہاڑ کے دامن میں دور تک
میدان و شہر و گنبد شہریار تھا

سائمن کمیشن

جب سے تجھ کو ہے ملی پہلی مسند آرائی — نت نئے دیتا ہے انداز اس میں جانبیت کی شہنائی

شامل ایک بھی ہندی جب نہیں کمیشن میں — اس سے بڑھ کے کیا ہو گی مفلسی کی رسوائی

اچھی بدشگونی ہے جس کی خاطر انہوں نے — آپ ہی پیاروں سے اپنی ناک کٹوائی

اپنی آپ ہی کھودی ہم نے اپنی باتوں سے — جب نئے تم آئے ہیں مری جان پہ ہی بن آئی

آج لارڈ برکن ہیڈ ناپسند ناچ گگن کا — ہم تو جانی ہیں یہ مانند جان ہیں اگر جانی

آستینیں ہیں بہت گھناؤنی سے خاکنا — کیا ہی مسلمان ہیں گرم لات بگیانی

مانتا ہی پڑتا ہے جب لارڈ ویلیشن

گھر سے چل کے آیا ہے جب بھی یہ نرالی

۱۳ نومبر سنہ ۱۹۲۷ء

جشنِ صلحِ لوزان

جس وقت جشنِ صلح کے گھر گھر جلے چراغ | سمجھا میں یہ کہ ہے یہ چراغاں مرے لیے
اتریں گی آسماں سے فرشتوں کی ٹولیاں | کھولیں گی حلقۂ درِ زنداں مرے لیے
ممکن ہی کس طرح نہیں ہے کہ آج بھی | صبحِ وطن ہو، شامِ غریباں مرے لیے
پر یوں مرے چمن میں خزاں کا عمل رہا | پھر کیوں نہ ہو بہارِ گل افشاں مرے لیے
اس پہ یہ ایک حامیِ سرکار نے کہا | تیرے لیے نہیں ہے یہ سامان مرے لیے
تیرا نصیب [illegible] | غم ہائے تیرے واسطے خوشیاں مرے لیے
تھی تیرے دم سے رونقِ ہنگامِ شام تک | [illegible] حلقۂ زنداں مرے لیے
تو خوگرِ جفا ہے تو میں [illegible] وفا | آنسو ترے لیے ہیں چراغاں مرے لیے
تو عافیت شناس ہے [illegible] عافیت [illegible] | زنداں ترے لیے ہے گلستاں مرے لیے
[illegible] | موزوں ترے لیے [illegible] مرے لیے
تیرے لیے [illegible] | اور [illegible] کا داماں مرے لیے
طاعت [illegible] | رونق [illegible] لیے ہیں [illegible] مرے لیے

رزمگاہ صحافت

محاذ لاہور

ستارۂ صبح اور اس کے حریف رفیق

جھگڑا ہوا انارکلی میں کل اس طرح
ٹکرا پڑا ادھر سے ادھر سے جو پیل لکد

دو شخص گرم بحث تھے پوچھا ایک نے
پھر جانتے بھی ہو کہ کیسی ہے رد و کد

رخشندہ ہے ستارۂ صبح آب و تاب سے
لیکن اسے پسند نہیں کرتے ذی خرد

کہتے ہیں اب نہیں ہیں وہ پہلے ظفر علی
دل سے خیال قوم انھوں نے کیا ہے رد

سمجھوتہ کر کے شدھ سے آزاد ہو گئے
مانگی ہے جا کے قوم گورنمنٹ سے مدد

حکام سے ہوئے ہیں طلبگار عفو جرم
ظاہر کیا وہ جذبہ نہیں کوئی جس کی حد

راوی سے پار آ نہیں سکتے تھے پیشتر
لیکن ہوئے اب اپنی اقامت کے معتمد

ہندوستان بھر میں نہیں ان کی روک ٹوک
باقی رہی نہ کوئی بھی ہستی ہیں اُن کی سد

اخبار بھی نکال لیا دھوم دھام سے
دیکھو تو پھیل جائے کے دریا کا جزر و مد

جو کچھ بھی ہے یہ قوم فروشی کا ہے صلہ
اس سے ہوئی ہے بیت اسلامیوں کی جد

کچھ اس سے واسطہ نہیں اسلام کو رہا
وہ ہوم رول کے بھی مخالف ہیں اب اشد

ان کی مخالفت میں ہے سب ملک متفق
ہندو بہ جد و جہد تو مسلم بہ شد و مد

شملہ سے کھینچ کے آئی ہے جواب نئی شبیہ
حضرت کے خوب اس میں نمایاں ہیں خال و خد

سنتے ہی دوسروں نے چمک کر دیا جواب
ہیں بندہ پرور آپ حقیقت سے نابلد

لاہور سے نکلتے ہیں اخبار جس قدر
ان کو ظفر علی سے ہے محض اس لیے حسد

جاری کیا ستارۂ صبح آ کے کیوں یہاں
پڑتی ہے اس کی قدر سے ان پر بلا کی زد

اب پوچھتا نہیں کوئی پیسے کو ان کی بات
کر دی ہے آ کے بند اس اخبار نے رسد

وَالعَصر کا سبق انہیں ازبر ہے آج کل
ٹوٹے میں آ کے بھول گئے اَللّٰہُ الصَّمَد

اُن کے ظفر علی پہ ہیں جو کچھ بھی اعتراض
ان کی دلیل کچھ بھی نہیں سب ہیں بے سند

اللہ اپنے نور کا خود ہو گیا متمم
مہ نور مے فشاند و سگ بانگ می زند

اتنے میں خود ستارۂ صبح آ کے ڈٹ گیا
اور آتے ہی حلیف کو دی اس طرح مدد

میں سر بر آستانِ پیمبر نہادہ ام
زاں پایۂ من بعرشِ بریں نقش می زند

بادر مذاق فتنہ گرفت است مغتنم
شورِ نشور از اثرِ خامہ ام چکد

جبریل سودہ سرمۂ افکارِ من بہ عرش
در چشم اعتقاد بہ میل ادب کشد

برکندنش محال بہ نیشترے آشتی است
خار حسد بہ سینۂ حاسد چو می خلد

آغاز ہو یہ کرد رقیب سیاہ رو — دلبر دلش ربود و دل خود بباد دید

سرکشش چو شد حسود ندا آمد از فلک

فوارہ چوں بلند شود سرنگوں شود

۲۲ ستمبر ۱۹۱۸ء

تاجدار دکن کو ولنگٹن کی دھمکی

ولنگٹن کی قضا سے یہ کل سب — [illegible] سے دشمنی ہے [illegible] نظام کو
مدت گذر رہی ہے تعصب [illegible] — [illegible] ہے [illegible] کے نام کو
باقی رہا جو ہاتھ سے اورنگ زیب کے — [illegible] ہیں وہ اس انتقام کو
مانا غضب ہیں وہ [illegible] سے — خوان [illegible] ہے [illegible] طعام کو
اور [illegible] موجود ہیں [illegible] کے — [illegible] جذبات [illegible] عوام کو
یہیں پہ کیا گرہ [illegible] بات [illegible] — پہنچا [illegible] اپنے [illegible] کے پیام کو
نقصان کیا یہی ہے کہ خود تو [illegible] — [illegible] دلا [illegible] خادم عام کو
[illegible] شخص [illegible] — [illegible] دار السلام کو

اور ہم کریں کسی کو بھی سدھی اگر تو آپ
بھیجیں یہ حکم اپنے مدار المہام کو

قارورہ گائے کا نہ پیئے کوئی حق پرست
اللہ کا شریک نہ ٹھہرائے رام کو

ہونے نہ پائے کوئی مسلمان آریہ
چھوڑے جو دین تیغ بھی چھوڑے نیام کو

ان سب خرابیوں کا یہی توڑ ہے کہ ہم
پہلے کریں درست خود اپنے عوام کو

ہو جائے سنگھٹن جو ہمارا تو اس طرح
آقا کبھی نہ کھو سکے گا غلام کو

تھا شافی جواب اس الزام کا مگر
کب مانتا ہے خامہ مری روک تھام کو

کیوں باغباں کرے نہ حفاظت طیور کی
صیاد لے کے باغ اگر جائے دام کو

جو ہیں خدا پرست ہوں کیوں سامری پرست
کیوں چھوڑ دیں شریعت خیر الانام کو

گوبر ملے دہی کو مسلماں کھائیں کیوں
کیونکر حلال ہیں وہ بنا دیں حرام کو

کیا حق ہے آریوں کو کہ قارورہ کر کے پیش
اسلامیوں سے چھین لیں کوثر کے جام کو

کیا حق ہے کفر کا کہ خلیع العذار ہو
روکے نہ کوئی اس فرس بد لگام کو

یہ ہرزہ خوار گروہ عجب بدتمیز ہے
پہچانتا نہیں ہے ادب کے مقام کو

یہ لوگ آج بادشہوں پہ ہیں حرف گیر
کل تک نہ پوچھتے تھے جنہیں ہم چھدام کو

بے سود ہیں یہ سنگھٹنی سبکیاں تمام
اس سے کوئی ڈرا نہیں سکتا نظام کو

ہرگز کبھی پہنچ نہیں سکتا کوئی گزند
غوغائے سگ سے جلوۂ ماہِ تمام کو

سر میلکم ہیلی کے ملفوظات

جناب حضرت ہیلی کو یہ غم کھائے جاتا تھا
نہ کیسے سمجھیں مشرق اب مغرب کے پیچ و خم کو

چھڑی آزادیِ ہندوستاں کی بحث کونسل میں
تو کھلا یہ جب کیا حضرت نے اپنے اس چھپے سم کو

ہماری بھی وہی غایت ہے جو مقصد تمہارا ہے
خدا وہ دن کرے کر دوں کہ تا بس ہی سمجھے تم ہم کو

علم بردار ہیں انگریز اس تہذیب کے جس نے
دیا ہے درس آزادی تمام اقوام عالم کو

سلامت آج تم کو سب کچھ ہو جائیں یہ نعمت
مگر اندیشہ ہے سب سے فقط اس بات کا ہم کو

ہمارے بعد کون اس ہاتھ کی شوخی لوٹے گا
جو بجلی بن کے گرا ڈالے لگا دیں زمزم کو

مسلماں ہندوؤں کو ایک کرنے کا بیڑا ہے
اڑا لے جائے گا یہ آفتاب آتے ہی شبنم کو

کسی نے کاش یہ تقریر سن کر کہہ دیا ہوتا
ابھی سے سمجھیں نہیں ہم جب ان فقروں کے مرہم کو

مسلماں ہو گئے جاسوس ہندو بیٹھے جاہل ہیں
نہیں ایسی نگاہیں لے کے سمجھیں انگلیں سم کو

نشستہ آگے بیٹھے تھے پیپل ہم بھی غضب کے
مگر الزام دے ثالث کے اس جہاں کے نام کو

ابدی زندگانی کا راز

ایک مجتہد سے میں نے کیا اس طرح سوال　　　نکتے نکالے آپ نے ہیں بات بات میں
واقف ہیں آپ فلسفۂ موجبات سے　　　ساتھ اس کے دخل آپ کو ہے سالبات میں
مجھ کو بھی اپنے علم سے کچھ حصّہ دیجئے　　　جنچتا ہوں میں اگر نظرِ التفات میں
موت اور زندگی کے نہیں جانتا میں رمز　　　درخور نہیں ہے کچھ بھی مجھے ان نکات میں
یہ مسئلہ پسند و تسلیم کر سکے وہی　　　ڈالا ہو جس نے صوف تفلّت و ذات میں
کہنا ہے کیا اصولِ طبیعی کا فلسفہ　　　ارشاد کیا ہے باب حیات و ممات میں

کہنے لگے کہ نام ہیں دو ایک چیز کے　　　ہیں مختلف صفات عیاں ایک ذات میں
اشکال ہیں یہ دو حرکت کی جدا جدا　　　مرکز ہے ایک دائرۂ کائنات میں
فرق نظر ہے ورنہ جگاتا ہے ایک نور　　　سورج کو دن کے وقت کو اک رات میں
جولانیوں کی رنگ رواں ہیں کبھی ہی نمود　　　طغیانیاں نہیں کر نظر آرا فرات میں

یہ فصل ہے فسانۂ شمر و حسین کی — پڑھ جائیے گا اس کو شہادت کی رات میں

ہیں جلوہ ریز گرمیٔ ہنگامہ کے شرار — دونوں ملے ہوئے نہیں آب و بات میں

پوچھو حسین سے ابدی زندگی کا راز — یہ نکتہ ہے چھپا ہوا ان کی وفات میں

چمکی ہے آنکھ جس نے سمجھی ہو زندگی

ہے مضمرہ ابدیت ممات میں